التبیان فی مسائل السلوک والأحسان

المعروف بہ

# دلائل السلوک

افادات

حضرت العلام مولانا اللہ یار خان رحمۃ اللہ علیہ، نور اللہ مرقدہٗ

التبیان فی مسائل السلوک والاحسان

المعروف بہ

# دلائل السلوک

افادات

شیخ سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ حضرت العلام مولانا **اللہ یار خان** رحمۃ اللہ علیہ

ناشر

ادارہ تالیفات اویسیہ ○ مرشد آباد ○ (ضلع میانوالی)

ملک سنز پبلشرز ○ کارخانہ بازار
فیصل آباد۔ پاکستان ○ ۶۳۳۳۲۵۵

بارِ اوّل ـــــــ ۱۹۹۲ء

تعداد ـــــــ ایک ہزار

ہدیہ ـــــــ [illegible] روپے (HOS / 200)

مطبوعہ ـــــــ

ناشر ـــــــ اِدارہ تالیفاتِ اویسیہ، مرشد آباد (ضلع میانوالی)



# فہرست

الله

لا الٰه الا الله محمد رسول الله



# فہرست

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

# نشانِ راہ

ہنوز آں ابر رحمت درفشاں است
خم و خمخانہ بامہرونشاں است

کوئی بائیس سال ادھر کی بات ہے کہ شیخ العرب والعجم مجدد الطریقہ مجتہد فی التصوف قلزم فیوض بحرالعلوم حضرت مولانا اللہ یارخاں علیہ الرحمہ والرضوان کو دربارنبوی علی صاحبہاالصلوۃ والسلام سے ارشاد ہوا کہ اسلامی سلوک واحسان کے مسائل ودلائل کو کتاب وسنت کے احکام اور سلف صالحین کے ارشادات اور تعامل امت مرحومہ کی روشنی میں اس طرح پیش کریں کہ خواص وعام کے لیے اتمام حجت ہو جائے نیز اس دعوت کو عام کریں اور ایک ایک آدمی کو لے کر اس کی تربیت کریں تاکہ وہ فیضان خصوصی جو صدر مشکوٰۃ نبوت صلی اللہ علیہ وسلم سے مقتبس انوار واسرار کا ابرگہربار ہے طالبین راہ سلوک کی سیرابی وشادابی اور زندگی کا سبب بن سکے۔

۱۹۶۴ء میں حضرت مرشد مخدوم علیہ الرحمتہ نے یہ کتاب "التبیان فی مسائل السلوک والاحسان" المعروف بہ "دلائل السلوک" بزبان اردو تحریر فرمائی جسے پروفیسر حافظ عبدالرزاق ایم اے نے ادارہ نقشبندیہ اویسیہ چکوال سے شائع کیا۔

کتاب مذکور کے کئی ایڈیشن زیور طباعت سے آراستہ ہوئے اور حضرت علیہ الرحمتہ کے ارشادات عالیہ کی روشنی میں ہر طباعت ایک نئی روشنی اور نئی قوت سے اصحاب بصیرت کے لیے غذائے روحانی اور تربیت قلوب کا سبب بنتی رہی۔ چند عرصہ قبل پھر اس ضرورت کی اہمیت کا احساس دلایا جا رہا تھا کہ کتاب کا نیا ایڈیشن شائع کیا جائے۔ ابھی تیاری کے مراحل ہی تھے کہ حضرت العلام مرشد

مخدوم مولانا اللہ یار خاں علیہ الرحمتہ والرضوان مختصر علالت کے بعد ۱۸ فروری ۱۹۸۴ء
کی شام اپنے محبوب حقیقی سے جا ملے **جعلہ اللہ الجنتہ ماواہ ومثواہ ورحمتہ اللہ
علیہ وبرکاتہ ' ومغفرتہ ' ورضوانہ** ۔

آپ کی جدائی کا صدمہ جانکاہ بھلایا نہیں جا سکتا اور یہ زخم اتنا گہرا ہے کہ
اس کے مندمل ہونے کی کوئی صورت نظر نہیں آتی :

وہ نہیں بھولتے جہاں جائیں
ہائے ہم کیا کریں کہاں جائیں

مگر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم
اجمعین سے جدائی کے سانحہ کا تصور قلب محزوں کی ڈھارس بندھاتا ہے اور آپ
صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات اور ارشادات گرامی کا مفاد زخموں پر مرہم رکھتا ہے
کہ **الموت جسر یوصل الحبیب الی الحبیب** اور یہ کہ ' شہیدان محبت الٰہیہ
مرتے نہیں **بل ینتقلون من دارالی دار** ـــــ وہ اللہ کریم کے فضل ورحمت
خصوصی سے حیات طیبہ کے انعام سے سرفراز ہوتے ہیں ' رفیق اعلیٰ ' کے آغوش
رحمت میں اور اس کے سایہ عاطفت میں آرام فرماتے ہیں ۔ اعلیٰ علیین کے باسی
کبھی ملاء اعلیٰ سے جا ملتے ہیں انہیں اصحاب الیمین کہیئے یا شہیدان مرضیات باری
تعالیٰ سے تعبیر کیجئے ۔ حقیقی زندگی تو ایسے ہی خوش بختوں کی ہے کہ سعادت ازلی
نے جنہیں اپنے دامن میں چھپا رکھا ہے ۔" **"من عمل صالحا من ذکر اوانثی
وھو مومن فلنحیینہ حیٰوۃ طیبہ"**

یہ حیات طیبہ کیا ہے ؟ ایمان وعمل کے ثمرات حقیقی سے فیضیاب ہونے کا
نام ہے یہ وہ جوہر ہے جو فنا کو بقا اور بقا کو ابدیت آشنا کرتا ہے :

میں یہ کہتا ہوں فنا کو بھی عطا کر زندگی
تو کمال زندگی کہتا ہے مرجانے میں ہے



"احیاء عند ربھم یرزقون "اور "فرحین بما اتاھم اللہ"
اس پر شاہد عدل :-

کشتگان خنجر تسلیم را ہرزماں از غیب جانے دیگر است
اور ـ یہ رتبہ بلند ملا جس کو مل گیا

**وذالک فضل اللہ یوتیہ من یشاء**

دلائل السلوک طالبین راہ سلوک واحسان کے لیے مینارہ نور ہے ' ایک خورشید
درخشاں ہے ' رہبر طریق اور مرشد کامل ہے ۔

آپ کے ارشادات کی خوشبو مشام جان کے لیے نزہتوں کی امین اور نسبت
روحانی کے لیے شادابی وفرحت کا سرچشمہ ومنبع ' دلوں کے لیے روشنی اور آنکھوں
کے لیے نور ہے :

مشام جاں میں بسی ہے ابھی وہی خوشبو
ابھی ابھی تو چمن سے بہار گزری ہے

یہ کتاب کیا ہے رہبر راہ سلوک ' مرشد طریقت ' اسم بامسمی یعنی التبیان فی
مسائل السلوک والاحسان ' ـــــ درحقیقت یہ ایک دعوی ہے اور حضرت مرشد
العلام علیہ الرحمتہ والرضوان کے تربیت یافتگان کی جماعت اس کی دلیل اور جیتا
جاگتا ثبوت ہے ۔

" سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ کے منتسبین ومتوسلین اور زیر تربیت سالکین نے
تقریبا نصف صدی سے انفرادی طور پر اور ربع صدی سے اجتماعی انداز سے شیخ
العرب والعجم مجدد الطریقہ مجتہد فی التصوف حضرت العلام مولانا اللہ یار خاں رحمتہ
اللہ علیہ سے اکتساب فیض کیا ' تحدیث نعمت کے طور پر **حمدا للہ وشکرا علی
نعمائہ** سینکڑوں بلکہ ہزاروں خوش بخت تزکیہ وتعمیر سیرت کے مراحل سے گزر کر
سلوک واحسان کے اعلیٰ مقامات سے فیضیاب ہوئے ۔ اللہ کریم کا لاکھ لاکھ احسان

ہے کہ اس نے اس دور آخر میں صحیح اسلامی سلوک واحسان کی تجدید واحیاء کا اہم اور منفرد کام حضرت شیخ مکرم کو علمی اور عملی طور پر انجام دینے کی توفیق خاص سے نوازا و **ذلک فضل اللہ یوتیہ من یشاء** اور **واللہ یختص برحمتہ من یشاء :**

این سعادت قسمت شہباز وشاہین کردہ اند

" جماعت سالکین اویسیہ "کا وجود آپ کے فیضان کا عملی ثبوت ہے اور دلائل السلوک آپ کے علمی فیوض وبرکات پر شاہد **کمالا یخفی علی من لہ حظ من العلم :**

آفتاب آمد دلیل آفتاب

آپ کا طریق تربیت اور سلسلہ تصوف نقشبندیہ اویسیہ ہے یعنی آپ کا طریق تربیت وتزکیہ مشائخ نقشبندیہ علیہم الرحمۃ کا طریقہ ہے کہ جس کا مدار صحبت شیخ کامل ' القاء واعطاء نسبت وانعکاس انوار پر ہے اور اویسیت سے مراد روح سے فیض ہے اور اس فیضان کی اعلیٰ صورت وہ نعمت وسعادت ہے کہ جس سے بڑی نعمت وسعادت کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا اور وہ ہے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دست اقدس پر روحانی بیعت ' اس موہبت کبریٰ اور اس سعادت عظمیٰ کے حصول کے تصور پر بھی قربان جائیے اور اس مرشد مخدوم کے جوتوں کی خاک بن جائیے کہ جس کی نگاہ کیمیا اثر انسان خاکی کی روح کو تزکیہ کی دولت سے مالا مال کر کے ان بلندیوں سے آشنا کر دے ۔ اگر ہر موئے بدن زبان بن جائے اور زبان ہزار ہا زبانوں سے ترجمان حال ہو جائے تو ' تعبیر مافی الضمیر کسی صاحب دل کی ہمنوائی میں یوں ہو گی :

جزاک اللہ کہ چشمم باز کردی     مرا باجان جاں ہمراز کردی

اس مقام پر شیخ الشیوخ عالم حضرت العلام مرشد مخدوم بحرالعلوم قلزم فیوض



رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ کے ارشادات عالیہ سے مختصرا نقل کرنے کی سعادت حاصل کی جاتی ہے تاکہ قارئین اجمالی طور پر آپ کی دعوت تزکیہ وتربیت کا کچھ نقشہ اپنے سامنے رکھ سکیں فرمایا :

" ہمارے سلسلہ کا نام نقشبندیہ اویسیہ ہے ۔ میں اپنے شاگردوں کی تربیت نقشبندیہ طریقہ کے مطابق کرتا ہوں اور میں نے اپنے محبوب شیخ رحمتہ اللہ علیہ کی روح سے اخذ فیض اور اجازت لی ہے ۔ میرے اور میرے شیخ مکرم کے درمیان ۴۰۰ سال کا فاصلہ ہے ۔ میں نے اویسی طریقہ سے اپنے محبوب شیخ کی روح سے فیض حاصل کیا ۔ خلافت بھی ملی اور بحمد اللہ میرے محبوب شیخ کا فیض اس وقت دنیا کے گوشے گوشے میں پھیل رہا ہے ـــــ میں تصوف کو جزو دین اور روح دین سمجھتا ہوں اور تحدیث نعمت کے طور پر کہتا ہوں کہ جسے سلوک سیکھنا ہو بندہ کے پاس ان شرائط کے ساتھ رہے جو میں پیش کروں گا ۔ انشاءاللہ تعالیٰ دکھاؤں گا روح سے فیض کیسے حاصل کیا جاتا ہے ۔ وہ شخص روح سے کلام کرے گا ۔ قبر کے عذاب وانعام کو دیکھ لے گا ۔ انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کی ارواح طیبہ سے ملاقات کرے گا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک پر روحانی بیعت کرا دوں گا بشرطیکہ وہ شخص متبع سنت ہو اور خلوص لے کر آئے ۔ کوئی غرض فاسد نہ رکھتا ہو ' طلب صادق ہو نکتہ چینی اور امتحان مقصود نہ ہو ـــــ یہ القائی اور انعکاسی چیز ہے جو القاء اور صحبت شیخ سے حاصل ہوتی ہے ۔ کتب تصوف سے نشان راہ تو مل سکتا ہے مگر منزل تک رسائی نہیں ہو سکتی ' حالات ' واردات کیفیات اور روحانی ترقی کے لیے مراقبات کتابوں سے سیکھنے کی چیز نہیں کیونکہ واضع نے ان کے لیے الفاظ وضع نہیں کئے ۔ یہ کمالات شیخ کامل کے سینے سے حاصل ہوتے ہیں ۔ شیخ کے باطن سے اور اس کی روح سے حاصل ہوتے ہیں ۔ جس نے ولایت ومعرفت کا عملی نمونہ دیکھا ہی نہیں وہ عارف کیسے بنے گا ـــــ

دربار نبوی صلی اللہ علیہ وسلم تک رسائی تصوف وسلوک کے مقامات میں سے ایک مقام ہے جہاں سے سلوک کے اعلیٰ مقامات کے لیے فیض ملتا ہے ظاہر ہے کہ جو شیخ اس مقام تک رسائی نہیں رکھتا پھر بھی سلوک طے کرانے کی بیعت لیتا ہے ۔ وہ دھوکہ باز نہیں تو اسے اور کیا کہا جائے "

حضرت العلام مرشد مخدوم علیہ الرحمتہ والرضوان کا فیض اب بھی بفضلہ تعالیٰ اسی طرح بلکہ ان کی توجہ سے اس سے بھی زیادہ روحانی قوت کے ساتھ جاری وساری ہے اور آپ کے متوسلین و منتسبین کو ہر " منزل " اور ہر " مقام " پر پہنچ رہا ہے ۔

**نفعنا اللہ وایاکم بفیوضہ وبرکاتہ ؑ**

حضرت شیخ رحمتہ اللہ علیہ نے اس فیض رسانی کے لیے اور اس نعمت عظمیٰ اور امانت کبریٰ کو آنے والی نسلوں تک پہنچانے اور سلسلہ کے اتصال معنوی اور ربط روحانی کو قائم رکھنے کے لیے اپنے بعد تابعین ، خلفاء ، مجازین ، اصحاب الرائے اور مسترشدین کی ایک کثیر جماعت چھوڑی ہے جو اپنی اپنی استعداد کے مطابق حضرت علیہ الرحمتہ کی تعلیمات اور فیضان تربیت کی روشنی میں آپ کے فیوض وبرکات اور ارشادات ، اسرار وانوار کو بفضلہ تعالیٰ طالبین راہ ہدایت تک پہنچاتی رہے گی اور اب بھی جسے طلب صادق ہو وہ آئے اور اس نعمت عظمیٰ اور موہبت کبریٰ سے اپنا حصہ پائے ۔ آپ کا فیض جاری ہے اور آپ کا سلسلہ موجود ہے :

ہنوز آں ابر رحمت درفشان است
خم و خمخانہ بامہر ونشان است

آپ کے خلفاء حضرت میجر محمد احسن بیگ مدظلہ العالی (راولپنڈی) اور حضرت سید بنیاد حسین شاہ صاحب مدظلہ العالی (سرگودھا) سالکین کی رہنمائی اور تربیت کے



فرائض انجام دے رہے ہیں ۔ صلائے عام ہے کہ جسے بھی سلوک سیکھنا ہو وہ انہی آداب وشرائط کے ساتھ جو حضرت علیہ الرحمتہ نے مقرر فرمائے ہیں ، آئے ، اس کی تربیت کی جائے گی ۔ بفضلہ تعالیٰ حقیقت اس پر منکشف ہو جائے گی ۔ رضائے الٰہی اور خلوص نیت شرط ہے ۔ کوئی غرض فاسد نہ ہو ، نکتہ چینی اور امتحان مقصود نہ ہو ۔ وہ خود دیکھ لے گا کہ روح کس طرح پرواز کرتی ہے ۔ منازل سلوک کس طرح طے ہوتے ہیں اور بفضلہ تعالیٰ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دست اقدس پر روحانی بیعت بھی کرا دی جائے گی :

ایں کار دولت است کنوں تا کرا دہند

ابوالحسن نقوی کان اللہ لہ

# تذکارِ شیخ رحمۃ اللہ علیہ

شیخ سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ حضرت العلام مولانا اللہ یار خان رحمۃ اللہ علیہ کی پیدائش ۱۹۰۴ میں اپنے آبائی گاؤں موضع چکڑالہ (ضلع میانوالی) میں ہوئی۔ آپ نے اپنی ابتدائی تعلیم کچھ اپنے ہی گاؤں میں اور کچھ ضلع کیمبلپور کے بعض مقامات پر حاصل کی۔ اس کے بعد موہڑہ کور چشم (ضلع چکوال) میں مولانا محمد اسماعیل صاحب فاضل دیوبند، تلمیذ خاص حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ سے استفادہ کیا۔ پھر چک نمبر۱ جنوبی ضلع سرگودھا میں حضرت مولانا ولی اللہ صاحب مرحوم سے علم منطق وغیرہ میں کمال حاصل کیا۔

دورہ حدیث مدرسہ امینیہ دہلی میں ۱۹۳۳ء میں زیر سرپرستی حضرت مفتی کفایت اللہ مرحوم مکمل کیا۔

یونانی طب کے مطالعہ سے فارغ ہو کر درس و تدریس شروع فرمایا۔ ۱۹۳۶ء میں آپ نے تصوف کے میدان میں قدم رکھا اور ۲۴ برس کی مسلسل کاوشوں سے اس میں کمال حاصل کیا۔

۱۹۶۱ء میں آپ نے سالکین کی تربیت بسلسلہ، نقشبندیہ اویسیہ شروع فرمائی آپ کے تربیت یافتہ بفضلہ تعالیٰ آج دنیا کے کونے کونے میں پھیلے ہوئے ہیں جن میں سینکڑوں صاحب کشف و کرامت بھی ہیں اور آپ کی تعلیمات کی منہ بولتی تصویر بھی۔

آپ کی پوری زندگی دین حق کی تبلیغ و ترویج اور مذاہب باطلہ کی تردید میں گزری۔ آپ چوٹی کے مناظر رہے اور "فاتح اعظم" کے لقب سے معروف ہوئے۔ آپ نے باطل فرقوں کو بے نقاب کرنے میں اپنی تحریر و تقریر کا بے دریغ استعمال فرمایا۔ عبداللہ چکڑالوی منکر حدیث کے باطل مذہب کی بیخ کنی بھی آپ ہی کے حصہ میں آئی۔

تردید روافض کے سلسلہ میں آپ نے تحذیر المسلمین عن کید الکاذبین۔ الدین الخالص،



اور ایمان بالقرآن، جیسی معرکہ آرا کتب تصنیف فرما کر امت مرحومہ کو کسی مزید تحقیق سے رہتی دنیا تک بے نیاز فرما دیا۔

تصوف کے موضوع پر قلم اٹھایا تو "دلائل السلوک"۔ "حیات برزخیہ"۔ "حیات انبیاء"۔ اور "اسرارالحرمین" جیسے گوہر نایاب سالکین کے ہاتھ آئے اس کے علاوہ تربیت السالکین کے موضوع پر آپ کے مکتوبات اور ملفوظات بصورت تحریر و آڈیو کیسٹ موجود ہیں جن سے آپ کی مبارک مجالس ذکر و ارشاد کی یاد تازہ ہوتی ہے۔

یہی مشاغل دم آخر تک آپ کی مبارک زندگی کا جزو لاینفک بنے رہے حتیٰ کہ ۱۸۔ فروری ۱۹۸۴ء کو ۸۰ برس کی عمر میں آپ نے اسلام آباد میں دارالفنا کو خیرباد کہا اور ۱۹۔ فروری ۱۹۸۴ء غروب آفتاب کے ساتھ ساتھ دنیائے تصوف و سلوک کا یہ آفتاب عالم تاب اپنے جملہ کمالات کیساتھ ظاہری نظر سے اوجھل ہوکر اپنی آخری آرام گاہ مرشد آباد (داخلی چکڑالہ میں) جلوہ ریز ہوا۔ انا للہ و انا الیہ راجعون ولنعم من قال۔

افلت شموس الاولین و شمسنا
ابدا علی افق العلٰی لا تغرب

# عرضِ حال

**اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم - بسم اللہ الرحمن الرحیم -**

**نحمدہ ونصلی علے رسولہ الکریم وعلے الہ وصحبہ وعلے من تبعھم اجمعین**

تصوف اور صوفیائے کرام کے متعلق عوام بلکہ علماء کے دلوں میں بھی کچھ شبہات پائے جاتے ہیں - اور بعض اوقات وہ حضرات اس قسم کی غلط فہمیوں کا شکار ہو جاتے ہیں کہ طریقت اور شریعت دو الگ الگ چیزیں ہیں یا اسلامی تصوف عجمی سریت اور باطنیت کے مترادف ہے - یا یہ کہ تصوف تکلیفات شرعیہ سے آزادی کا نام ہے ان غلط فہمیوں کے ازالہ اور عوام وخواص کی علمی تشفی کی خاطر اللہ رب العزت نے یہ رسالہ تحریر کرنے کی توفیق عنایت فرمائی -

اگرچہ میری زندگی کا اکثر حصہ متکلمین کے نہج پر اسلام کی حقانیت کے اثبات اور فرق باطلہ کی تردید میں گذرا ہے - اور کلامی مباحث اور تصوف وسلوک میں بظاہر تغایر اور بعد نظر آتا ہے لیکن احقاق حق کے لئے علم کلام سے کام لینے اور تصوف کے ذریعے ایمان ویقین کی کیفیت پیدا کرنے میں فرق صرف دلیل سمعی اور دلیل ذوقی کا ہے - مگر بااین ہمہ لوگ یہ سن کر حیران ضرور ہوتے ہیں کہ وہ شخص جسے کل تک ہم ایک مناظر اور مبلغ اسلام کی حیثیت سے جانتے تھے آج تصوف ' ذکر ' حلقہ ذکر ' تزکیہ نفوس اور منازل سلوک پر اظہار خیال ہی نہیں کر رہا بلکہ اپنا باطنی رشتہ صوفیائے کرام سے جوڑ رہا ہے مگر ان کی حیرت پر تعجب ہوتا ہے کہ

اھم یقسمون رحمۃ ربک

" کیا وہی آپ کے رب کی رحمت تقسیم کرتے ہیں " -

ور اس کا جواب اس کے سوا کیا ہو سکتا ہے کہ



**ذلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء** یہ اللہ تعالے کا فضل ہے جسے چاہتا ہے عطا کرتا ہے

تبلیغ واشاعت دین کے ساتھ ساتھ تزکیہ نفوس کا کام انبیاء علیہم السلام سے لیا جاتا رہا - مگر نبی آخرالزماں صلی اللہ علیہ وسلم کی اس آخری امت میں اس کی ذمہ داری علمائے ربانیین پر عائد ہوتی ہے - جو ورثۃ الانبیاء ہیں اور ہر مادی اور الحادی دور کی تاریکیوں میں روشن چراغ کی مانند ہوتے ہیں موجودہ دور پر فتن میں اس ذمہ داری کی اہمیت اور بڑھ گئی ہے - اس دور میں اسلام کی زبوں حالی اور مسلمانوں کی دینی پستی اس حد تک پہنچ چکی ہے کہ اللہ تعالی اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کا ایمان اور روحانی تعلق برائے نام ہی رہ گیا ہے ان کی اعتقادی خرابیوں اور عملی بے اعتدالیوں اور بدعنوانیوں کا یہ عالم ہے کہ اگر کوئی اللہ کا بندہ انہیں اس قعرمذلت سے نکال کر اور اس خواب غفلت سے جگا کر شریعت مطہرہ کے اتباع ' تزکیہ نفس اور اصلاح باطن کی طرف توجہ دلاتا ہے تو اس کی آواز پر لبیک کہنے کی بجائے الٹا اپنے آپ کو اوہام وتشکیک کی وادیوں میں دھکیل دیتے ہیں اور :

ظلمات بعضھا فوق بعض " تاریکیوں پر تاریکیاں چھائی ہوئی ہیں " کی صورت پیدا ہوتی جارہی ہے -

اللہ تعالی نے حق کی حفاظت اپنے ذمہ رکھی ہے - اس کی رحمت یہ کب گوارا کر سکتی ہے کہ وہ اپنے بندوں کو گمراہی کی وادیوں میں بھٹکتا چھوڑ دے - چنانچہ ہر دور میں وہ اپنے خاص بندوں کے ذریعے حق کی حمایت اور اصلاح خلق کی خدمت لیتا رہا - اور صوفیائے کرام نے جس خلوص اور للٰہیت سے یہ خدمت انجام دی ہے اس کی مثال ملنا ممکن نہیں :

صوفیائے کرام کے ہاں تعلیم وارشاد اور تزکیہ واصلاح

باطن کا طریقہ القائی اور انعکاسی ہے اور یہ تصوف کا عملی پہلو ہے ۔ جس کا انحصار صحبت شیخ پر ہے ۔ بقول امام ربانی مجدد الف ثانی رحمتہ اللہ علیہ " تصوف کا تعلق احوال سے ہے زبان سے بیان کرنے کی چیز نہیں "، مگر جہاں تک تصوف کے علمی پہلو کا تعلق ہے صحیح اسلامی تصوف کے خدوخال کا تعین اور اس کی حقیقت سے علمی حلقوں کو روشناس کرانا نہایت ضروری ہے کیونکہ آجکل جس چیز کو تصوف کے نام سے تعبیر کیا جاتا ہے ، اور پیش کیا جاتا ہے اسے تصوف اسلامی سے دور کا تعلق بھی نہیں ۔ یہی وجہ ہے کہ صحیح اسلامی تصوف کو بھی شک وشبہ کی نظر سے دیکھا جاتا ہے اس لئے ضرورت محسوس ہوئی کہ عامتہ المسلمین کو صحیح اسلامی تصوف سے روشناس کرایا جائے جس کی اساس کتاب وسنت پر ہے تاکہ اس کی روشنی میں اپنی فکری اور علمی اصلاح کر کے ابدی فلاح حاصل کر سکیں اسی احساس فرض کا نتیجہ یہ کتاب ہے ۔

وماتوفیقی الا باللہ علیہ توکلت والیہ انیب

**اللہ یار خاں** ۔ چکڑالہ ( ضلع میانوالی )

یکم شعبان سنہ ۱۳۸۵ھ ۔



# ۱

# اسلامی تصوف کی حقیقت

## تصوف کیا ہے ؟

## موضوع علم تصوف

## علم تصوف کی تعریف وغایت

## تصوف کیا نہیں ؟

# اِسلامی تصوّف کی حقیقت

## تصوف کیا ہے؟

لغت کے اعتبار سے تصوف کی اصل خواہ صوف ہو اور حقیقت کے اعتبار سے اس کا رشتہ چاہے صفا سے جا ملے اس میں شک نہیں کہ یہ دین کا ایک اہم شعبہ ہے۔ جس کی اساس خلوص فی العمل اور خلوص فی النیت پر ہے اور جس کی غایت "تعلق مع اللہ اور حصول رضائے الٰہی ہے۔ قرآن وحدیث کے مطالعہ، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوہ حسنہ اور آثار صحابہؓ سے اس حقیقت کا ثبوت ملتا ہے۔

عہد رسالت اور صحابہؓ کرام کے دور میں جس طرح دین کے دوسرے شعبوں تفسیر، اصول، فقہ، کلام وغیرہ کے نام اور اصطلاحات وضع نہ ہوئی تھیں ہر چند کہ ان کے اصول وکلیات موجود تھے اور ان عنوانات کے تحت یہ شعبے بعد میں مدون ہوئے اسی طرح دین کا یہ اہم شعبہ بھی موجود تھا۔ کیونکہ تزکیہ باطن خود پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے فرائض میں شامل تھا۔ صحابہؓ کی زندگی بھی اسی کا نمونہ تھی لیکن اس کی تدوین بھی دوسرے شعبوں کی طرح بعد میں ہوئی صحابیت کے شرف اور لقب کی موجودگی میں کسی علیحدہ اصطلاح کی ضرورت نہیں تھی۔ یہی وجہ ہے کہ صحابہؓ کے لئے متکلم، مفسر، محدث، فقیہ اور صوفی کے القاب استعمال نہیں کیے گئے۔ اس کے بعد جن لوگوں نے دین کے اس شعبہ کی خدمت کی

اور اس کے حامل اور متخصص قرار پائے ۔ ان کی زندگیاں زہدواتقاء اور خلوص وسادگی کا عمدہ نمونہ تھیں ۔ ان کی غذا بھی سادہ اور لباس بھی موٹا جھوٹا اکثر صوف وغیرہ کا ہوتا تھا ۔ اس وجہ سے وہ لوگوں میں صوفی کے لقب سے یاد کئے گئے اور اس نسبت سے ان سے متعلقہ شعبہ دین کو بعد میں تصوف کا نام دیا گیا ۔ قرآن حکیم میں اسے تقویٰ ' تزکیہ اور خشیتہ اللہ سے تعبیر کیا گیا ہے اور حدیث شریف میں اسے "احسان " سے موسوم کیا گیا ہے اور اسے دین کا ماحصل قرار دیا گیا ہے ۔ اس کی تفصیل حدیث جبرئیل علیہ السلام میں موجود ہے ۔ مختصر یہ کہ تصوف ' احسان ' سلوک اور اخلاص ایک ہی حقیقت کی مختلف تعبیریں ہیں ۔

نبوت کے دو پہلو ہیں اور دونوں یکساں اہمیت رکھتے ہیں

کما قال تعالیٰ :

لقد من اللہ علی المومنین اذبعث فیھم رسولا منھم یتلوا علیھم ایاتہ ویزکیھم ویعلمھم الکتب والحکمۃ ۔

حقیقت میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر بڑا احسان کیا ہے جب کہ انہی میں سے ایک رسول ان میں بھیجا ۔ جوان کو اس کی آیتیں پڑھ کر سناتا ہے اور انہیں پاک صاف کرتا ہے اور انہیں کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے ۔

نبوت کے ظاہری پہلو کا تعلق تلاوت آیات اور تعلیم وتشریح کتاب سے ہے اور اس کے باطنی پہلو کا تعلق تزکیہ باطن سے ہے ۔ جن نفوس قدسیہ کو فیضان نبوت کے ظاہری پہلو سے حصہ وافر ملا وہ مفسر ' محدث فقیہ اور مبلغ کے ناموں



سے موسوم ہوئے اور جنہیں اس کے ساتھ ہی فیضان نبوت کے باطنی پہلو سے بھی سرفراز فرمایا گیا ان میں سے بعض ابدالیت ' قطبیت ' غوثیت اور قیومیت وغیرہ کے مناصب پر فائز ہوئے مگر ان سب کا سرچشمہ کتاب وسنت ہے اللہ اور بندے کے درمیان علاقہ قائم رکھنے والی چیز اعتصام بالکتاب والسنہ ہے یہی مدار نجات ہے۔ قبر سے حشر تک اتباع کتاب وسنت کے متعلق ہی سوال ہو گا ۔ یہی وجہ ہے کہ محققین صوفیائے کرام نے شیخ یا پیر کے لئے کتاب وسنت کا عالم اور عامل ہونا لازم قرار دیا ہے ۔ اگر کوئی شخص ہوا میں اڑتا آئے مگر اس کی عملی زندگی کتاب وسنت کے خلاف ہے تو وہ ولی اللہ نہیں بلکہ جھوٹا ہے شعبدہ باز ہے کیونکہ تعلق مع اللہ کے لئے اتباع سنت لازمی ہے ۔

کماقال تعالےٰ قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ ۔

آپ فرمادیجئے کہ اگر تم اللہ تعالےٰ سے محبت رکھتے ہو تو تم لوگ میرا اتباع کرو ۔ خدا تعالیٰ تم سے محبت کرنے لگیں گے ۔

اتباع سنت کا پورا پورا حق ان اللہ والوں نے ادا کیا جنہوں نے نبوت کے ظاہری اور باطنی دونوں پہلوؤں کی اہمیت کو محسوس کیا اور ہمیشہ پیش نظر رکھا اور تبلیغ واشاعت دین کو تزکیۂ نفوس سے کبھی جدانہ ہونے دیا ۔ تمام کمالات اور سارے مناصب صرف حضوراکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کی بدولت ہی حاصل ہوتے ہیں اور تصوف کا اصل سرمایہ اتباع سنت ہے ۔

## موضوع علم تصوف

کسی علم کے موضوع کا تعین اس کے عوارضات ذاتیہ کی بحث سے ہوتا ہے پس علم تصوف کا موضوع مکلفین کے احوال ہیں مگر مطلقاً احوال نہیں بلکہ اس حیثیت سے کہ کونسا فعل قرب الہٰی کا سبب بنتا ہے اور کونسا فعل اللہ سے دوری کا

موجب - جیسا کہ علم طب میں موضوع بدن انسانی ہے لیکن مطلقاً بدن نہیں بلکہ من حیث الصحۃ والمرض ہے -

پس علم تصوف میں بھی احوال مکلفین کے متعلق اللہ تعالٰی کے قرب وبعد کی حیثیت سے بحث ہو گی -

## علم تصوف کی تعریف اور غایت

ھوعلم تعرف بہ احوال تزکیہ النفوس وتصفیہ الاخلاق وتعمیرالباطن والظاھر لنیل السعادۃ الابدیہ ویحصل بہ اصلاح النفس والمعرفہ ورضاء الرب لموضوعہ التزکیہ والتصفیہ والتعمیر المذکورات وغایتہ نیل السعادۃ الابدیہ -

" تصوف وہ علم ہے جس سے تزکیہ نفوس اور تصفیہ اخلاق اور ظاہر وباطن کی تعمیر کے احوال پہچانے جاتے ہیں - تاکہ سعادت ابدی حاصل ہو نفس کی اصلاح ہو اور رب العالمین کی رضا اور اسکی معرفت حاصل ہو اور تصوف کا موضوع تزکیہ تصفیہ اور تعمیرباطن ہے اور اس کا مقصد ابدی سعادت کا حصول ہے "

تعریف ' موضوع اور غایت کا بیان اس لئے کیا گیا ہے کہ ہر علم کی شان ان امورسہ گانہ سے واضح ہو جاتی ہے اور ہماری غرض یہ ہے کہ تصوف وسلوک کا دین اسلام میں جو مقام اور مرتبہ ہے وہ ظاہر ہو جائے اور کسی کے لئے اس امر کی گنجائش نہ رہے کہ محض اس احتمال سے یہ علم ظنی ہے وہ اسے قابل اعتنانہ سمجھے -

یہ ایک بدیہی حقیقت ہے کہ دین کے دوسرے شعبوں میں ہزاروں مسائل ایسے ہیں جن کی حیثیت ظنی مسائل کی ہے - انہیں قبول کرلینا اور علم تصوف میں صرف ظنی کا احتمال پیدا کر کے اسے چھوڑ دینا اور اس عقیدہ میں غلو کرنا علمی



دیانت سے بعید ہے ایسا کرنا درحقیقت ارباب تصوف یعنی اولیاء اللہ سے عداوت کرنے کے مترادف ہے - جس کے لئے **من عادی لی ولیا فقد اذنتہ للحرب** کی وعید موجود ہے اس لئے تصوف کے معاندین اپنی عاقبت کی فکر کریں

یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ جو شخص کسی فن میں مہارت نہیں رکھتا ' اسے اس فن اور اہل فن پر تنقید کا حق نہیں پہنچتا - چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ فلاسفہ جنہیں علم وتحقیق پر بہت ناز ہے جب تصوف پر بحث کرتے ہوئے مسئلہ کشف پر آتے ہیں تو انہیں اس عاجزانہ اعتراف کے بغیراور کوئی راستہ نہیں ملتا کہ **ھذا طور وراء طور العقل لایدرکہ الااصحاب قوۃ القدسیہ** -

## تصوف کیا نہیں

تصوف کے لئے نہ کشف وکرامات شرط ہے نہ دنیا کے کاروبار میں ترقی دلانے کا نام تصوف ہے - نہ تعویذ گنڈوں کا نام تصوف ہے نہ جھاڑ پھونک سے بیماری دور کرنے کا نام تصوف ہے - نہ مقدمات جیتنے کا نام تصوف ہے نہ قبروں پر سجدہ کرنے ' ان پر چادریں چڑھانے اور چراغ جلانیکا نام تصوف ہے - اور نہ آنے والے واقعات کی خبردینے کا نام تصوف ہے - نہ اولیاء اللہ کو غیبی ندا کرنا ' مشکل کشا اور حاجت روا سمجھنا تصوف ہے - نہ اس میں ٹھیکیداری ہے کہ پیر کی ایک توجہ سے مرید کی پوری اصلاح ہو جائے گی اور سلوک کی دولت بغیر مجاہدہ اور بدون اتباع سنت حاصل ہو جائے گی - نہ اس مین کشف والہام کا صحیح اترنا لازمی ہے اور نہ وجدوتواجد اور رقص وسرودکانام تصوف ہے عام طور پر یہ سب چیزیں تصوف کا لازمہ بلکہ عین تصوف سمجھی جاتی ہیں - حالانکہ ان میں سے کسی ایک چیز بھی پر تصوف اسلامی کا اطلاق نہیں ہوتا - بلکہ اس قسم کی خرافات اسلامی تصوف کی عین ضد ہیں -

# ۲

# تصوّف کے متعلق مختلف نظریات

منکرینِ تصوّف

قائلینِ تصوّف

# تصوف کے متعلق مختلف نظریات

## منکرین تصوف

تصوف کا انکار مختلف بہانوں اور مختلف الزامات کی آڑ میں کیا جاتا ہے - ان میں قدر مشترک یہ ہے کہ تصوف بدعت ہے - بدعت کی بحث مناسب مقام پر آجائیگی اور یہ ثابت ہو جائے گا کہ تصوف بدعت ہے یا سنت اور روح اسلام ہے۔ یہاں ہم اصولی طور پر یہ واضح کر دینا چاہتے ہیں کہ منکرین تصوف کی حیثیت نہ تو مجتہد کی ہے کہ ان کا انکار کسی کے لئے حجت ہو اور نہ یہ علمائے حق اور صوفیہ محققین پر کسی طرح فوقیت رکھتے ہیں کہ ان کی رائے کا احترام کیا جائے - بلکہ بقول مولانا احمد علی لاہوری رحمتہ اللہ علیہ یہ منکرین تصوف چور ' ڈاکو اور راہزن ہیں جو دین کا ایک اہم جزودین سے خارج کرنا چاہتے ہیں - امام حسن بصری رحمتہ اللہ علیہ سے لے کر آج تک کروڑوں نفوس قدسیہ کو بدعتی کہنے کی بجائے یہ زیادہ قرین عقل و انصاف ہے کہ ان منکرین تصوف کو ہی بدعتی سمجھا جائے - ان کے انکار کی وجہ ان کی جہالت اور کم علمی ہے - یہ کوئی نئی بات نہیں ایسے لوگ ہمیشہ ایسا کرتے آئے ہیں : **النلس اعداء لما جھلوا**

کماقال اللہ تعالے بل کذبوابمالم یحیطوا بعلمہ

اگر یہ لوگ ارشاد ربانی کو پیش نظر رکھتے کہ ولاتقف مالیس لک بہ علم؂۔

تو ممکن ہے انہیں انکار کی جرات نہ ہوتی -

## قائلین تصوف

قائلین تصوف کے پھر دو گروہ ہیں ایک قلیل جماعت



اعتقاداً تصوف کی قائل ہے اور عملاً بھی اس کی تصدیق کرتی ہے - درحقیقت یہی لوگ اہل حق ہیں اور **قلیل من عبادی الشکور** ؂ کے مصداق ہیں - ان کا وجود ہر زمانے میں رہا ہے اور نبوت کے اس شعبہ کی برکات انہیں کے وسیلے سے دنیا میں پھیلتی رہی ہیں - ایک جماعت ایسی ہے جو بظاہر تو تصوف کی قائل ہے مگر عملاً اس کی منکر ہے ان کے نزدیک تصوف صرف کتب تصوف کا مطالعہ کر لینے ' اولیاء اللہ کی حکایات سن لینے 'سردھننے اور جھومنے تک محدود ہے - یہ لوگ اول تو کسی عارف کامل مزکی و مصلح کی تلاش کی زحمت ہی گوارا نہیں کرتے جو عملاً سلوک سکھائے اور اتباع سنت پر زور دے - اور اگر کوئی ایسا شخص مل جائے تزکیہ باطن کا طریقہ سکھائے یا راہ سلوک طے کرائے تو اس پر یقین نہیں کرتے بلکہ اس کا تمسخر اڑایا جاتا ہے حالانکہ ان کی بے یقینی کی اصل وجہ ان کا فکری اور عملی جمود ہوتا ہے وہ چاہتے ہیں کہ محنت نہ کرنی پڑے محض زبانی باتوں اور حکایتوں سے ہی سلوک طے ہو جائے یہ لوگ بھی دراصل تصوف اسلامی کے منکر ہیں - اس جماعت میں بعض اوقات اس نعرہ کی گونج بھی سنائی دیتی ہے "کہ شریعت اور چیز ہے اور طریقت اور چیز ہے" یہ نعرہ کیاہے کتاب وسنت سے آزادی اور اتباع سنت سے فرار کی ایک راہ نکال لی ہے -

حضرت امام یافعی رحمتہ اللہ علیہ روض الریاحین میں علامہ عبدالوہاب شعرانی رحمتہ اللہ علیہ سے نقل فرماتے ہیں

کہ :

" انکار کرامات کے اعتبار سے لوگوں کی کئی قسمیں ہیں ایک تو وہ جو مطلقاً منکر ہیں یہ مشہور اہل مذہب اور پرہیز گاری سے منحرف ہیں - دوسرے وہ جو اگلے لوگوں کی کرامات کے قائل ہیں - مگر اپنے زمانے کے اصحاب کرامات کے منکر ہیں یہ لوگ بقول سیدی ابوالحسن شاذلی رحمتہ اللہ علیہ ' بنی اسرائیل کے مشابہ ہیں. جنہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اس وقت تصدیق کی جب ان کو نہیں دیکھا اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کی اور اس کا باعث حسد وعداوت اور شقاوت کے سوا کچھ نہ تھا - تیسرے وہ ہیں جو اس کی تصدیق کرتے ہیں کہ ان کے زمانے کے لوگوں میں بھی خدا کے اولیاء ہیں لیکن کسی شخص معین کی تصدیق نہیں کرتے - ایسے لوگ اولیاء اللہ کی رہنمائی سے محروم ہیں - ۵



# ۳

# تصوّف کا ثبوت

حدیثِ جبریلؑ
بعثتِ انبیاء کا مقصد
دین میں تصوّف بمنزلہ رُوح فی الجسد
تصوّف کا حصُول فرضِ عین
امام غزالی کی رائے
تصوّف اصول دین ہے ۔
اہلسنت والجماعت کا مدار شریعت وطریقت پہ ہے ۔
تصوّف تواتر سے ثابت ہے ۔
حدیثِ احسان پر تفصیلی بحث
قربِ نوافل
قربِ نوافل اور قربِ فرائض میں فرق

# تصوف کا ثبوت

## حدیث جبرئیل علیہ السلام

کتب احادیث میں حدیث جبرئیل کو اصول دین کے بیان میں بنیادی حیثیت حاصل ہے جس میں دین کو اسلام، ایمان اور احسان سے مرکب بیان فرمایا گیا ہے احسان کی وضاحت یوں بیان کی گئی ہے :

قال اخبرنی عن الاحسان – ان تعبد اللہ کانک تراہ فان لم تکن تراہ فانہ یراک قال لی یا عمراتدری من السائل قلت اللہ ورسولہ اعلم – قال فانہ جبریل اتاکم یعلمکم دینکم ؎

" جبرئیل؊ نے کہا مجھے احسان کے متعلق بتایئے رسول خدا نے فرمایا اللہ کی عبادت اس طرح کر گویا تو اسے دیکھ رہا ہے – پس اگر تو اسے نہیں دیکھ رہا ہے تو وہ تجھے دیکھ رہا ہے – پھر حضورؐ نے فرمایا – اے عمر! کیا تم جانتے ہو سائل کون تھا – میں نے عرض کیا – اللہ اور اس کا رسولؐ بہتر جانتے ہیں – فرمایا – یہ جبرئیل علیہ السلام تھے تمہیں تمہارا دین سکھانے آئے تھے – "

اس حدیث کی شرح میں شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمتہ اللہ علیہ نے امام مالک رحمتہ اللہ علیہ کا قول نقل فرمایا ہے

قال الامام مالک رحمتہ اللہ علیہ من تصوف فلم یتفقہ فقد تزندق ومن تفقہ فلم یتصوف فقد تفسق ومن جمع بینھما فقد تحقق –

" امام مالک رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا جس نے فقہ کے بغیر تصوف

حاصل کیا وہ زندیق ہوا - اور جس نے تصوف سیکھے بغیر فقہ کا علم حاصل کیا وہ فاسق ہوا اور جس نے دونوں کو جمع کیا وہ محقق ہوا -

" بدانکہ بنائے دین وکمال آن برفقہ وکلام وتصوف است واین حدیث شریف بیان این ہر سہ مقام کردہ اسلام اشارت بہ فقہ است کہ متضمن بیان اعمال واحکام شرعیہ است وایمان اشارت باعتقادات کہ مسائل اصول کلام اندواحسان اشارت بہ اصل تصوف است کہ عبارت ازصدق توجہ الی اللہ است وجمیع معانی تصوف کہ مشائخ طریقت باں اشارت کردہ اند راجع بہمیں معنی است وتصوف وکلام لازم یکدیگر اندکہ ' ہیچ یکے بے دیگر تمام نہ پذیرد وچرا کہ کلام بے تصوف وتصوف بے فقہ صورت نہ بندد زیرا کہ حکم الٰہی بے فقہ شناختہ نہ شود وفقہ بے تصوف تمام نشود وزیرا کہ عمل بے صدق توجہ تمام نہ پذیرد وہر دو بے ایمان صحیح نگر دو در مثال روح وجسد کہ ہیچ کدام بے دیگر وجود نگیرد وکمال نہ پذیرد "

خوب سمجھ لو کہ دین کی بنیاد اور اسکی تکمیل کا انحصار فقہ کلام اور تصوف پر ہے اور اس حدیث شریف میں ان تینوں کا بیان ہوا ہے - اسلام سے مراد فقہ ہے کیونکہ اس میں شریعت کے احکام اور اعمال کا بیان ہے اور ایمان سے مراد عقائد ہیں جو علم کلام کے مسائل ہیں اور احسان سے مراد اصل تصوف ہے جو صدق دل سے توجہ الی اللہ سے عبارت ہے مشائخ طریقت کے تمام ارشادات کا حاصل یہی احسان ہے تصوف اور کلام لازم ملزوم ہیں - کیونکہ تصوف بغیر کلام کے اور فقہ بغیر تصوف بے معنی ہے - اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ کے احکام فقہ کے بغیر معلوم نہیں ہوتے اور فقہ بغیر تصوف



کے کامل نہیں ہوتی کیونکہ کوئی عمل بغیر اخلاص نیت کے مقبول نہیں اور یہ دونوں ایمان کے بغیر بیکار ہیں - ان کی مثال روح اور جسم کی ہے کہ ایک دوسرے کے بغیر ناتمام رہتے ہیں -

**فائدہ :** تصوف جزو دین ہے اور انتفائے جزو مستلزم ہے انتفائے کل کو پس انکار تصوف مستلزم ہو گا انکار دین کو -

عالم جب تک تصوف وسلوک سے بے بہرہ ہے نہ صحیح معنوں میں وارث رسولؐ ہے اور نہ نائب رسولؐ کہلانے کا مستحق :

ولایکون الخلیفۃ الامن جمع المقاصد الثلاثۃ التی ذکرناھا لحفظ الکتاب والسنۃ فتدرب فی قوانین السلوک فتربیۃ السالکین (۸)

خلیفہ رسولؐ صرف وہ شخص ہو گا جس نے دین کے تینوں شعبے جمع کئے ہوں جن کا ہم نے ذکر کیا ہے اور کتاب اللہ اور سنت رسولؐ کو یاد کیا ہو اور قوانین علم سلوک اور تربیت سالکین میں کوشش کی ہو -

**فائدہ :** (۱) العلماء ورثۃ الانبیاء (علماء انبیاء کے وراث ہیں) سے مراد وہ علماء ہیں جنہوں نے دین کے ان تینوں اجزاء کو جمع کیا ہو کیونکہ :

فانہ جبریل اتاکم یعلمکم دینکم -

سے ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جس دین کی تعلیم کے لئے جبریلؑ کو بھیجا اور انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچایا - وہ تین اجزاء اسلام ' ایمان اور احسان سے مرکب ہیں جس میں سلوک جسے لفظ احسان سے تعبیر کیا گیا ہے بھی شامل ہے -

(۲) اگر یہ تسلیم کر لیں کہ سلوک بدعت ہے تو ماننا پڑے گا کہ دین مرکب

بدعت سے ہے اور جب دین بدعت وغیر بدعت سے مرکب ہوا تو پورا دین بدعت ٹھہرا۔

## (۲) بعثت انبیاء علیہ السلام کا مقصد

انبیاء علیہم السلام تین اغراض کو پورا کرنے کے لئے مبعوث ہوتے رہے ہیں اول تصحیح عقائد، دوم تصحیح اعمال، سوم تصحیح اخلاص۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

فقد تکفل بفن الاول اهل الاصول من علماء الامة فقد تکفل بفن الثانی فقهاء الامة فهدی الله بهما اکثرین فقد تکفل بفن الثالث الصوفیة رضوان الله علیهم۔

تصحیح عقائد کے فن کے کفیل علمائے اصول ہوتے ہیں اعمال کے تصحیح کے کفیل فقہائے امت ہوتے ہیں۔ اور فن خلوص واحسان کے کفیل صوفیہ کرام ہوتے ہیں۔

## دین میں تصوف بمنزلہ روح فی الجسد ہے

والذی نفسی بیده هذه الثالث ادق المقاصد الشریعة ماخذا واعمقها محتدا وهو بالنسبة الی سائر الشرائع بمنزلة الروح من الجسد وبمنزلة المعنی من اللفظ۔

"قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے کہ یہ تیسرا فن مقاصد شرعیہ کے ماخذ کے لحاظ سے بہت باریک اور گہرا ہے اور تمام شریعت کے لئے اس فن کی وہی حیثیت ہے جو جسم کے



لئے روح کی ہے۔ اور لفظ کے لئے معنی کی ہے"

**فائدہ:** - یہ فن ثالث اخلاص اور احسان سے موسوم کیا جاتا ہے۔ اخلاص واحسان ساری شریعت کی روح ہے جس طرح روح کے بغیر بدن بے کار ہے اسی طرح بدون اخلاص عقائد واعمال بے کار ہیں۔

(۲) تصوف کے بغیر نہ شریعت زندہ رہ سکتی ہے نہ دین سلامت رہ سکتا ہے۔ جیسا کہ حضرت شاہ ولی اللہ نے وضاحت فرمادی ہے۔

## تصوف کا حصول فرض عین ہے

قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمتہ اللہ علیہ سورہ التوبہ کی آیت ماکان للمومنین ان ینفروا کافہ کی تفسیر کے سلسلے میں تصوف کے مقام اور اہمیت کی وضاحت فرماتے ہیں:

فان العلم الذی یسمون الصوفیة الکرام لدنیا فهو فرض عین لان ثمراتها تصفیة القلب عن اشتغال بغیر الله واتصافه بدوام الحضور وتزکیة النفس عن رذائل الاخلاق من العجب والتکبر والحسد وحب الدنیا والجاه والکسل فی الطاعات وایثار الشهوات والریاء والسمعه وغیر ذالک وتحلیتها بکرام الاخلاق من التوبة والرضاء بالقضاء والشکر علی النعماء والصبر علی البلاء وغیر ذالک ولاشک ان هذه الامور محرمات علی کل مومن اشد تحریما من معاص الجوارح واهم افتراضا من فرائضها من الصلوة والصوم والزکوة ولشیئی من العبادات لاسیما بشیئی منها مالم یقترن بالاخلاص والنیة۔

صوفیہ کرام جس علم کو لدنی کہتے ہیں اس کا حصول فرض عین ہے

کیونکہ اس کا ثمرہ صفائی قلب ہے غیر اللہ کے شغل سے اور قلب کا مشغول ہونا ہے دوام حضور سے اور تزکیہ نفس ہے رذائل اخلاق سے جیسے عجب تکبر' حسد' حب دنیا' حب جاہ' عبادات میں سستی' شہوات نفسانی' ریا' بعد وغیرہ اور اسکا ثمرہ فضائل اخلاق سے متصف ہونا ہے جیسے توبہ من المعاصی رضا بالقضاء شکر نعمت اور مصیبت میں صبر وغیرہ اور اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ تمام امور مومن کیلئے اعضا وجوارح کے گناہوں سے بھی زیادہ شدت سے حرام ہیں اور نماز' روزہ اور زکوۃ سے زیادہ اہم فرائض ہیں کیونکہ ہر وہ عبادت جس میں خلوص نیت نہ ہو بے فائدہ ہے اور خلوص ہی کا نام تصوف ہے "

## امام غزالی رحمتہ اللہ علیہ کی رائے

وکذالک یفترض علیہ علم احوال القلب من التوکل والخشیۃ والرضاء [۹]

" (جیسے باقی علوم فرض ہیں) اسی طرح علم سلوک بھی فرض ہے - جو علم احوال قلب ہے جیسے توکل' خشیت' رضا بالقضاء - "

**فائدہ :** - امام غزالی رحمتہ اللہ علیہ کی تحقیق یہ ہے کہ علم تصوف کا حصول فرض عین ہے - مولانا تھانوی رحمتہ اللہ علیہ نے بھی تعلیم تصوف کو فرض عین قرار دیا ہے [۱]- علامہ شامی رحمتہ اللہ علیہ نے احوال قلب کی تفصیل بیان فرما کر یہ نتیجہ نکالا ہے کہ - فیلزمہ ان یتعلم منہا مایری نفسہ محتاجا الیہ وازالتہا فرض عین

پس مومن کو لازم ہے کہ رذائل کے دفعیہ کے لئے علم اتنا حاصل کرے جتنا اپنے نفس کو اس کا محتاج سمجھے ان کا ازالہ فرض عین ہے [۲]-



## تصوف اصول دین سے ہے

تفسیر جمل میں ہے

والدین اللتی لایقبل التغیر ھوالتوحید والاخلاص والایمان بما جائت جمیع الرسل علیہم الصلوۃ والسلام - [۱۰]

" دین وہ چیز ہے جو تغیر وتبدل کو قبول نہیں کرتا وہ توحید اور اخلاص ہے جسے تمام انبیاء لے کر آئے - "

**فائدہ :** - اس سے ثابت ہوا کہ تصوف اسلامی اصول دین سے ہے - اور یہ عبارت ہے خلوص واحسان سے اور بغیر خلوص نہ توحید مقبول ہے نہ ایمان وعمل -

## اہل السنت والجماعت کا مدار شریعت وطریقت پر ہے

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں :

" اہل سنت کا مدار شریعت اور طریقت پر ہے انہی دونوں باتوں کو موقع ریاست اور بزرگی کا کہتے ہیں " [۱۱]

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ منکرین تصوف اہل سنت والجماعت میں داخل نہیں اہل سنت اور صوفیہ محققین نے تصوف اور عقیدہ تصوف کو کتاب وسنت سے وراثۃً پایا ہے اس میں سلف سے خلف تک یکسانی کے ساتھ متفق رہے ہیں یہ صوفیا کرام کا اجماعی مسلک ہے - ہاں وقتاً فوقتاً جو خرابیاں اس میں پیدا ہوتی رہیں محققین ان کی اصلاح کرتے رہے -

## تصوف تواتر سے ثابت ہے

تصوف وسلوک تواتر سے ثابت ہے اور اتنی بڑی جماعت کا تواتر ہے جو علم وعمل ، زہدوتقویٰ اور خشیت میں اپنی نظیر نہیں رکھتی - ایسی اور اتنی بڑی جماعت کا جھوٹ پر متفق ہونا عقلاً محال ہے -

## حدیث احسان پر تفصیلی بحث

**مرقاۃ شرح مشکوۃ ۱:۵۹**

**قال اخبرنی عن الاحسان -**

المعهود ذهنا فی الایات القرآنیة من قوله تعالی للذین احسنوا الحسنی ، وقال هل جزاء الاحسان الا الاحسان - واحسنوا ان الله یحب المحسنین والاظهر ان المراد به فی الایات ماالشتمل علی الایمان والاسلام وغیرهما من الاعمال والاخلاق والاحوال -

الاحسان میں الف لام عہد ذہنی ہے جس میں اشارہ قرآنی آیات کی طرف ہے - جن میں لفظ احسان وارد ہوا ہے - اور ظاہرات یہ ہے کہ مراد ان آیات سے وہ احسان ہے جو شامل ہے ایمان اور اسلام وغیرہ اعمال ظاہری ، اخلاق اور احوال ( صوفیہ ) پر -

**اور فیض الباری ۱:۱۴۹**

ان الاحسان ینقسم الی حال وعلم - فان مشاهدة الحق بقلبه کانه یراه حال له وصفة قائمة به فلیست علما-

احسان منقسم ہے حال صوفیہ اور علم پر - کیونکہ قلب سے حق کا مشاہدہ کرنا ، گویا سالک نے آنکھوں سے دیکھا ، یہ ایک حالت ہے جو



اس کی صوفی سالک کی صفت قائمہ ہے اور ظاہر ہے کہ یہ حالت علم نہیں

فیض الباری کی عبارت سے ظاہر ہے کہ احسان یا تصوف وسلوک صرف علم کا نام نہیں - اس لئے اس علم کے پڑھ لینے سے آدمی عارف باللہ نہیں بن جائے گا - جیسے کسی شخص کو نماز ، روزہ اور حج کے مسائل کا علم ہو تو محض علم ہونے سے وہ نہ نمازی بن گیا نہ صائم نہ حاجی - یہ تو اعمال ہیں جن کا تعلق محض علم سے نہیں بلکہ کرنے سے ہے ، اسی طرح تصوف وسلوک حال اور کیفیات ہیں - جو شیخ کے سینے سے نکل کر سالک کے قلب کو منور کرتی ہیں - ان احوال اور کیفیات کے لئے واضع نے کوئی الفاظ وضع نہیں کئے - کتب تصوف سے تصوف وسلوک کے متعلق علم کی حد تک رہنمائی تو مل سکتی ہے ، لیکن وہ احوال وکیفیات جو اصل مطلوب ہیں وہ شیخ کامل کی توجہ کے بغیر ممکن نہیں - تحدیث نعمت کے طور پر میں یہ کہے دیتا ہوں کہ جسے اپنے رب سے رشتہ جوڑنے اور تعلق باللہ قائم کرنے کی طلب ہو وہ اس عاجز کے پاس آجائے انشاء اللہ تعالیٰ اس نعمت غیر مترقبہ سے محروم نہیں رہے گا -

تصوف وسلوک کا انکار علم یا استدلال پر مبنی نہیں ہے بلکہ جہالت ، ضدیا عناد پر مبنی ہے ، کیونکہ قرآن کریم کی بیسیوں آیات تصوف وسلوک کی اصل اور بنیاد ہیں - محدثین نے آیات احسان اس سلسلے میں بطور ثبوت پیش کی ہیں ، ان کی تفصیل احادیث نبویؐ اور اقوال مشائخ میں ملتی ہے - حقیقت یہ ہے کہ تصوف کے کلیات کے علاوہ جزئیات تک نصوص قرآنی اور آثار سے مؤید ہیں ، ہم بلا خوف تردید کہتے ہیں کہ صوفیہ کے مختلف طرق اور سلسلے جن میں اشغال واعمال اور ان کے نتائج وثمرات کا ذکر ہے ، ان کے کلیات اور جزئیات تک کی تائید نصوص وآثار اور روایات سے ہوتی ہے جن کی تفصیل آگے آئے گی -

اسلامی عقائد فقہی جزئیات ' اعمال ' اخلاق اور عبادات ' اسلام کا قالب ہیں۔ مگر اس کا قلب اور روح اخلاص واحسان یعنی تصوف وسلوک ہے - مثلاً تمام فقہاء نے لکھا ہے کہ غیبت سے روزہ نہیں ٹوٹتا ' یعنی اس عبادت کا قالب مجروح نہیں ہوتا اور قانون اور ضابطے کی رو سے روزہ نہیں ٹوٹتا مگر صحیح حدیث میں موجود ہے کہ روزہ کی روح غیبت سے نکل جاتی ہے ظاہر ہے کہ جیسے جسد بے روح بے کار اسی طرح جس روزہ سے روح نکل گئی ؟ اس کی حیثیت کیا رہ گئی ؟ یہ حقیقت تصوف سے ہی حاصل ہو سکتی ہے اس لئے مولوی علم ہے اور صوفی عمل ہے - مولوی قالب ہے ' صوفی قلب ہے ' مولوی جن اعمال کی جزاوسزا آخرت میں دیکھے گا ' صوفی دنیوی زندگی میں برزخ کے حالات دیکھتا ہے مولوی جو چیزیں خواب میں دیکھتا ہے صوفی عالم بیداری میں بذریعہ کشف دیکھتا ہے - اسی لئے صوفی کو ایک دا   کی ملائکہ سے مشابہت ہے -

عن جابر فی شان اهل الجنة قال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم
یلهمون التسبیح والتحمید کما یلهمون النفس

حضرت جابرؓ سے اہل جنت کے متعلق روایت ہے کہ حضورؐ نے فرمایا
ان پر تسبیح وتحلیل الہام کی جائے گی ' جیسے سانس لینا تمہاری فطرت
میں رکھ دیا گیا ہے -

صوفیہ کے ذکر پاس انفاس میں یہی حالت ہوتی ہے - جو اہل جنت کی بیان ہوئی ہے - یہی حدیث سانس سے ذکر کرنے کی اصل اور اس کا ثبوت بھی ہے - حدیث جبرئیل علیہ السلام میں حبس دم کی کیفیت پائی جاتی ہے ' حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جبرئیل نے مجھے اتنا بھینچا کہ **بلغ منی الجهد حتی ظننت انه الموت** یعنی مجھے اتنی تکلیف ہوئی کہ میں نے اسے موت خیال کیا - یہ کیفیت اس وقت ہوتی ہے جب سانس رک جائے دم گھٹنے لگے ' یہی حبس دم کے وقت کیفیت



ہوتی ہے اور جب انوار وتجلیات باری کی کثرت ہوتی ہے تو اس وقت ذاکر پر دباؤ پڑتا ہے اور سانس رکنے لگتی ہے -

حضرت علامہ انور شاہ محدث کشمیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں :

واعلم ان لفظ الاحسان شامل لجمیع انواع البر من الاذکار والاشغال وغیرها - والاذکار تقال الاوراد المسنونة وماذکره المشائخ من الضربات والکیفیات یقال لها الاشغال والنسبة فی اصطلاحهم ربط خاص سوی ربط الخالقیة والمخلوقیة فمن حصل له ربط سوی الربط العام یقال له صاحب النسبة والطرق المشهورة فی التصوف اربعة السهروردیة والقادریة والجشتیة والنقشبندیة والسلسلة السهروردیة فتتسلسلت فی اجد اونا من عشرة متصلة ثم ما نقل الینا من الاوامر والنواهی والوعد والوعید سمی شریعة والتخلق بها یسمی طریقة وحینئذ تنصبغ الاعمال بصبغ الایمان کما کان فی السلف اما الیوم علم بلا عمل وایمان بلا تصدیق من الجوارح رب تال القران والقران یلعنه ثم الفوز بالمقصد الاسنی والنیل بالمارب الاعلی یسمی حقیقة ومن ههنا ظهران الشریعة والطریقة لا تتغایران کما زعم العوام ؎

احسان کا لفظ تمام نیکیوں پر مشتمل ہے ' خواہ ازکار ہوں یا اشغال صوفیہ - ازکار کا اطلاق اوراد مسنونہ پر ہوتا ہے - اور مشائخ صوفیہ نے جو ضربوں اور کیفیتوں کا ذکر کیا ہے انہیں اشغال کہتے ہیں اور نسبت اصطلاح صوفیہ میں ایک خاص قسم کے ربط کو کہا جاتا ہے جو خالقیت اور مخلوقیت سے جدا ہے اور جسے یہ ربط خاص حاصل ہو جائے اس کو صاحب نسبت کہتے ہیں اور تصوف میں چار مشہور سلسلے

ہیں - سہروردی قادری ، چشتی اور نقشبندی ، اور سلسلہ سہروردی ہمارے خاندان میں دس پشتوں سے متصل چلا آرہا ہے پھر جو اوامرونواہی وعدے اور وعید نقل ہو کر ہم تک پہنچے ہیں اسے شریعت کہتے ہیں - اور ان پر عمل پیرا ہونا اور اس رنگ میں رنگا جانا طریقت کہلاتا ہے - اس وقت تمام اعمال ، ایمان کے رنگ میں رنگے جاتے ہیں - سلف صالحین کی یہی حالت تھی ، مگر آج کل علم ہے عمل نہیں ، ایمان ہے مگر اعضاء وجوارح سے اس کی تصدیق نہیں ، بہت سے قرآن پڑھنے والے ایسے ہیں کہ قرآن ان پر لعنت کر رہا ہوتا ہے - پھر اعلی مقصد کو حاصل کرنا ، اعلی نصب العین تک پہنچنا اصل کامیابی ہے - اس کا نام حقیقت ہے - لاتنغایران کما زعم العوام - اس سے ظاہر ہوا کہ شریعت اور طریقت دو مختلف چیزیں نہیں جیسا کہ عوام میں مشہور ہے -

انوار ۳۸
۳۵ - ۲۸ - ۶
۱۴ - ۹ - ۳۱
۳۵ - ۱۱ - ۴

**الفاظ اور معنی کا تعلق واضح کرتے ہوئے فرماتے ہیں -**

انی لست ممن یاخذون الدین من الفاظ بل اقلی الامر علی توارث الامۃ واختیار الائمۃ فانہم ھداۃ الدین واعلامہ فلم یصل الدین الینا الامنہم فعلیہم الاعتماد فی ھذا الباب فلا نسیئی الظن بہم ۱۳

میں ان لوگوں میں سے نہیں ہوں جو دین کو صرف الفاظ سے اخذ کرتے ہیں - بلکہ میرے نزدیک الفاظ کے حقیقی معنی امت کا توارث اور وہ صورت ہے جو ائمہ نے اختیار کی ہے ، کیونکہ وہی دین کے ہادی اور نشان ہیں - ہمیں دین تو انہیں کے ذریعے پہنچا ، ہم اس بارے میں انہی پر اعتماد کرتے ہیں - ہم ان کے متعلق سوئے ظن سے بچتے ہیں -





بلاشبہ دین متین الفاظ کی شکل میں نقل ہو کر ہم تک پہنچا ، مگر ان الفاظ میں حقیقی معنی بتانے والی جماعت بھی ساتھ ساتھ نسلاً بعد نسل چلتی آئی - الفاظ دین کے معنی جو ان حضرات نے سمجھے اس کے مطابق عمل کر کے دکھاتے رہے - یہی تعامل اور توارث ہے جو دین کی روح ہے - اس پر حقیقی اعتمادہی اصل دین ہے - اور یہی دین ایک طرف چار فقہی مذاہب میں اور دوسری طرف چار روحانی سلسلوں میں محفوظ ہو کر ہم تک پہنچا ہے اہل السنت والجماعت کا مدار نبوت کے انہی دو پہلوؤں پر ہے -

اگر الفاظ کو معانی پہنانے کے سلسلے میں آزادی ہو تو وہ دین نہیں بلکہ نفس پرستی ہو گی - اس لئے جہاں تک منقول دین کے الفاظ کے معانی سمجھنے کا تعلق ہے اس کا انحصار تعامل امت اور عرف پر ہو گا -

دین سے کیا مراد ہے :- عمدۃ القاری ۱:۳۳۹ زیر حدیث

جاء جبرئیل یعلمکم دینکم ای یعلموا العقائد الدینیۃ والاعمال الظاھرۃ والاعمال القلبیۃ -

جبرئیل آئے کہ تمہیں دین سکھائیں - یعنی تاکہ تم جان لو کہ عقائد دینیہ کیا ہیں - اعمال ظاہری اور اعمال قلبی کون کون سے ہیں

اور تحفۃ القاری ۱:۱۲۱

دل الحدیث علی ان علوم الدین ثلاثۃ الاول العقائد فھو علم الکلام والثانی علم الحرام والحلال فمعرفۃ الاحکام فھو علم الفقہ والثالث علم المکاشفات والمراقبات فھو علم التصوف فمجموعھا الدین - والاحسان ھو اھل التصوف الذی ھو عبارۃ عن صدق

التوجه الى الله وجميع معانى التصوف التى جاء ت عن مشائخ الطريقة

کلها راجعة الى هذا المعنى فالدين كوترثلاث ركعات الاولى ركعة الايمان والثانية ركعته والاسلام الثالثة ركعة الاحسان وهى التى توترماقد صلى ولايصح الاقتصار على ركعته الاحسان فقط مالم ينضم اليها شفع الايمان والاسلام فقال القرطبى هذا الحديث يصح ان يقال له ام السنة وقال قاضى عياض اشتمل هذا الحديث على جميع وظائف العبادات الظاهرية والباطنية من اعمال الجوارح ومن اخلاص السرائر قال علامة الزمان الشيخ محمود الحسن الديوبندى قدس سره ان مقصود المولف بهذا الترجمة ان الاصول والفروع والاعمال والايمان والاسلام والاحسان والاخلاص والاخلاق كلها من الدين وفى حديث هرقل ذلک بشاشة الايمان هو الاحسان واشار هذا الباب الى ان من ذاق حلاوة الايمان شرح الله صدره للاسلام وخالط بشاشة القلب خلطارابطيا اتحاديا فيجوزان يقال فى حقه انه محفوظ من الارتدادواما من ليس كذالک فلا يجوزله الوثوق على ايمانه –

حدیث جبرئیل علیہ اسلام تین علوم پر دلالت کرتی ہے – اول عقائد – یہ علم کلام ہے – دوسرا حلال وحرام اور احکام کی معرفت ' یہ فقہ ہے – تیسرا مکاشفات اور مراقبات کا علم ہے – یہ علم تصوف ہے – اور تینوں کے مجموعے کا نام دین ہے – اور احسان تصوف کی اصل ہے اور اس سے مراد صدق توجہ یا اخلاص ہے ' مشائخ سے تصوف کے جتنے معنی منقول ہیں وہ اسی حقیقت کی طرف راجع ہیں –



پس دین اسلام وتر ہوا تین رکعات پہلی رکعت ایمان ہے ' دوسری اسلام اور تیسری احسان – اور یہ احسان وتر بنائے گا – فقط ایک رکعت احسان پر اقتصار کرنا درست نہ ہو گا جب تک ایمان اور اسلام کی دو رکعتیں ساتھ نہ ملائی جائیں – علامہ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا حدیث جبرئل کے متعلق یہ کہنا صحیح ہے کہ یہ سنت کی اصل اور بنیاد ہے – قاضی عیاض نے کہا کہ حدیث جبرئل علیہ السلام تمام وظائف عبادات ظاہری اور باطنی اور اعمال جوارح اور دل کے اخلاص سب پر مشتمل ہے – اور شیخ الہندرحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اس ترجمہ سے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا مقصدیہ ہے کہ اصول وفروع اعمال ' ایمان ' اسلام ' احسان ' اخلاص ' اخلاق سب دین کے اجزاء ہیں اور ہرقل روم والی حدیث میں بشاشۃ الایمان سے مراد یہی احسان ہے اور اس سلسلے میں اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ جس نے ایمان کی حلاوت چکھ لی ' اس کا سینہ اللہ تعالیٰ نے کھول دیا ' اور ایمان کی لذت دل کی گہرائیوں میں پیوست ہو چکی اس کے متعلق یہ کہنا درست ہے کہ وہ مرتد نہیں ہو گا' اور جس میں یہ حقیقت نہیں پائی جاتی ' اس کے متعلق وثوق سے نہیں کہا جاسکتا کہ ایمان پر قائم رہے گا –

امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے مکتوبات میں لکھا ہے کہ مراقبہ فنافی اللہ اور بقاباللہ جب سالک کو راسخ ہو جائے تو وہ یقیناً ایمان پر مرتا ہے – حدیث میں لفظ بشاشت آیا ہے – امام صاحب نے اسی سے راسخ کی قید لگائی ہے –

علامہ قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کو از قبیل جوامع الکلم قرار دیا

ہے - فرماتے ہیں :

هذا الحديث من جوامع الكلم صلى الله عليه وسلم اى تعبد ربک كانک تراه فان لم تكن تراه الخ الاول اشارة الى مقام المشاهدة والمكاشفة والثانى تنزل من مقام المشاهدة والمكاشفة الى المراقبة -

" پہلی صورت اشارہ ہے - مقام مشاہدہ اور مکاشفہ کی طرف دوسری صورت اشارہ مقام مراقبہ کی طرف ہے -

گویا سالک کی دو حالتوں کی طرف اشارہ ہے - بعض صوفیاء کو کشف ہو جاتا ہے - وہ دل کی آنکھوں سے مشاہدہ کرتے ہیں - تجلیات باری تعالے ' ملائکہ اور ارواح وغیرہ کا بعض کو کشف نہیں ہوتا وہ مشاہدہ نہیں کر سکتے مگر اس کے باوجود ان میں مراتب کا فرق نہیں ہو گا -

حدیث جبرئیل علیہ السلام کی تاریخی حیثیت اس حدیث کی اہمیت میں اور بھی اضافہ کرتی ہے - جبرئیل علیہ السلام کا انسانی صورت میں آکر یہ کلام کرنا اس زمانے کا واقعہ ہے جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حجۃ الوداع سے واپس آچکے تھے ' گویا حضورؐ کی عمر کے آخری حصے میں یہ واقعہ پیش آیا - اس وقت دین اسلام کی تکمیل ہو چکی تھی - احکام نازل ہو چکے تھے - گویا ایک ہی مجلس میں دین کا خلاصہ جبرئیل علیہ السلام کی زبانی سنوا کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے یہ کہلوا دیا کہ **اتاكم ليعلمكم دينكم** گویا حدیث جبرئیل کا مقصد **لتقرير جميع امور الدين متفرقة فى مجلس واحد لتضبيطه** - یعنی مجلس واحد میں احکام دین کو منضبط اور پختہ کرنے کے لئے دین کا خلاصہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کر دیا کہ دین مرکب ہے تین امور سے جیسے مغرب کی نماز میں تین رکعتیں ہوتی ہیں - اگر کسی شخص نے دو رکعتیں پڑھ لیں مگر تیسری چھوڑ دی تو اس کی



نماز نہ ہو گی - اسی طرح جب تصوف کو چھوڑ دیا تو دین کا تیسرا حصہ چھوڑ دیا - ظاہر ہے کہ تکمیل دین نہیں ہوئی - جہاں تک تصوف کا تعلق ہے لوگ دو قسم کے پائے جاتے ہیں - اول وہ جو تارک تصوف ہیں ان کی حیثیت ایسی ہے جیسے کوئی تارک صلوۃ ہو ' ایسے شخص کو فاسق کہتے ہیں ' مگر جو منکر تصوف ہو اس نے تو دین کے تہائی حصے کا انکار کر دیا- اور انکار جزء مستلزم ہے انکار کل کو ' تو ایسے شخص کے متعلق اس کے بغیر کیا کہا جا سکتا ہے کہ اللہ اسے ہدایت دے -

شرح عقیدۃ السفارینی ۱؍۴۳۰ میں اس حدیث کے متعلق لکھا ہے :-

وحاصل ذالک ان الدين واهله كما اخبر خاتم النبيين وامام المرسلين ثلاث طبقات اولها الاسلام واوسطها الايمان واعلاها الاحسان فمن وصل الى العليا فقد وصل الى التى تليها فالمحسن مومن والمومن مسلم هكذا جاء فى القرآن فجعل الامة على هذه الاصناف الثلاثة قال الله تعالى ثم اورثنا الكتب الذين اصطفينا من عبادنا فمنهم ظالم لنفسه ومنهم مقتصد ومنهم سابق بالخيرات باذن الله ذالک هو الفضل الكبير فالمسلم الذى لم يقم بواجب الايمان هو الظالم لنفسه والمقتصد الذى ادى الواجب وترک المحرم هو المومن المطلق والسابق بالخيرات هو المحسن الذى عبدالله كانه يراه فان لم يكن يراه فانه يراه -

اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ دین اور اہل دین کے تین طبقے ہیں جیسا کہ خاتم النبیین اور امام المرسلینؐ نے خبر دی ہے - پہلا طبقہ لفظ اسلام سے دوسرا ایمان سے اور تیسرا احسان سے ظاہر ہے ' پس جو شخص درجہ اعلی پر ' پہنچا وہ انتہائی بلندی کو پہنچ گیا - پس محسن ' مومن ہے اور مومن مسلم ہے اسی طرح قرآن مجید میں آچکا ہے اللہ

نے امت کو تین قسموں میں تقسیم کیا ہے۔ فرمایا اللہ تعالے نے کہ پھر وارث کر دیا ہم نے کتاب کا ' ان لوگوں کو جنہیں ہم نے اپنے بندوں میں انتخاب کر لیا ہے ان میں سے کچھ وہ ہیں جو اپنے نفس کے حق میں ظالم ہیں کچھ وہ ہیں جو میانہ روی اختیار کرتے ہیں ' کچھ وہ جو اللہ کی مدد سے نیکیوں کی طرف سبقت کرنوالے ہیں ' اور یہ اللہ کا بہت بڑا فضل ہے مسلم وہ جو واجبات ایمان کو قائم نہ کرے وہی اپنے نفس کے حق میں ظالم ہے اور مقتصد وہ ہے جس نے واجبات کو ادا کیا اور محرمات سے پرہیز کیا یہ مطلق مومن ہے اور سابق بالخیرات وہ محسن ہے جس نے اللہ کی عبادت کی گویا کہ وہ اللہ کو دیکھ رہا ہے - اور اگر وہ اللہ کو نہیں دیکھ رہا تو اسے اللہ تو دیکھ رہا ہے

## قرب نوافل :-

قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم ماتقرب الیّ عبدی بمثل ماافترضت علیہ ثم لایزال عبدی یتقرب الیّ بالنوافل حتیٰ احبہ فاذا احببتہ کنت سمعہ الذی یسمع بہ وبصرہ الذی یبصربہ الخ

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالے فرماتا ہے ' میرا بندہ فرائض کی پابندی سے جو قرب حاصل کرتا ہے اس جیسا اور کوئی قرب نہیں ' پھر میرا بندہ نوافل کے ذریعے میرا قرب حاصل کرنے میں کوشاں رہتا ہے۔ حتیٰ کہ میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں تو جب میں اُسے پسند کر لیتا ہوں تو میں اس کے کان بن جاتا ہوں جن سے وہ سنتا ہے اور اس کی آنکھیں بن جاتا ہوں جن سے وہ دیکھتا



ہے اس حدیث کا ترجمہ گزشتہ صفحے پر لکھا جا چکا ہے ' اس کی تشریح فیض الباری میں حضرت انور شاہ رحمتہ اللہ علیہ صاحب نے یہ فرمائی ہے :

ومر علیہ الذھبی فی المیزان فقال لولا ھیبۃ الجامع لقلت فیہ سبحان اللہ قلت اذاصح الحدیث فلیضعہ علی الراس والعین فاذا تعالیٰ شیئ منہ من الفھم فلیکلہ الیٰ اصحابہ فلیس سبیلہ ان یجرح فیہ اماعلماء الشریعۃ فقالوامعناہ ان جوارح العبد تصیر تابعۃ للمرضاۃ الالھیۃ حتیٰ لاتتحرک الاعلیٰ مایرضی بہ فبہ فاذاکانت غایتہ سمعہ وبصرہ وجوارحہ کلھا ھواللہ تعالیٰ سبحانہ فحینئذ صح ان یقال انہ لایسمع الالہ ولایتکلم الا لہ فکان اللہ صار سمعہ وبصرہ قلت وھذاعدول عن حق الالفاظ لان قولہ کنت سمعہ بصیغۃ المتکلم یدل علیٰ انہ لم یبق من المتقرب بالنوافل الاجسدہ وشبحہ وصار المتصرف فیہ الحضرۃ الالھیہ فحسب فھوالذی عناہ الصوفیہ بالفناء فی اللہ ای انسلخ من دواعی نفسہ حتیٰ لایکون المتصرف فیہ الا ھو کما ھذا فی القران فی قصہ موسیٰ علیہ السلام فلما جاء ھا نودی ان بورک من فی النار - فالمرئی والمشاھد لم یکن الا النار ولکن الرب جل مجدہ ولکن اللہ تعالیٰ سبحانہ لما تجلی فیھا قال یا موسیٰ انی انااللہ الخ قال فانظرفیہ انہ کیف سمع صوتا من النار انی انااللہ فھونار ثم صح قولہ انی انا اللہ ایضا فالمتکلم فی المرئی کان ھوالشجرۃ ثم اسند تکلمھا الیٰ اللہ تعالیٰ وذالک لان الرب جل مجدہ لما تجلی فیھا صارت الواسطۃ لمعرفتہ اباہ ھما الشجرہ فاخذ المتجلی فیہ

حکم المتجلی بنفسه الی ان قال وانماتجلی ربه فی النار لحاجة موسی الیها ثم قال فان فهمت معنی التجلی کما حقه فبلغت مبلغه فدع الامثال والصور المنصوبة وارق الی ربک حنیفا فانه اذا اصح للشجرة ان ینادی فیها بانی انا الله فما بال المتقرب بالنوافل ان لایکون الله سمعه فبصره ویده فرجله کیف فان آدم الذی خلق علی صورة الرحمن لیس مادون من شجرة موسی فقال المحشی وعلیک ان تتامل تلک المباحث بعین التحقیق فانها لا تنحل بالعلوم الظاهره فقط مالم ترجع الی کتب الصوفیة فان لکل فن رجالا فلا تعدها -

میزان الاعتدال میں جب امام ذہبی رحمتہ اللہ علیہ اس حدیث پر پہنچے تو کہا کہ اگر صحیح بخاری کی ہیبت میرے دل پر نہ ہوتی تو اس حدیث کے متعلق میں یوں یوں کہتا - شیخ انور فرماتے ہیں کہ سبحان اللہ ! امام ذہبی نے علم منطق نہ پڑھا تھا ' میں کہتا ہوں - جب حدیث صحیح ہے تو چاہیے کہ بسر وچشم قبول کی جائے جب کوئی مسئلہ کسی کے فہم سے بالاتر ہو تو اس علم کے جاننے والوں کے سپرد کر دینا چاہئے یہ نہیں کہ اس مسئلہ پر خود ہی جرح شروع کردے - بہر حال علمائے ظواہر نے اس حدیث کا معنی یہ بیان کیا ہے کہ بندہ کے اعضاء جوارح اللہ کی رضا کے تابع ہو جاتے ہیں ' ان سے وہی حرکت ہوتی ہے جو اللہ کو پسند ہو ' اور اس کے تمام اعضاء کی انتہا اور غایت ذات باری تعالی ہو تو یہ کہنا درست ہو گا کہ وہ بندہ سنتا ہے تو خدا کے لئے ' دیکھتا ہے تو خدا کے لئے 'گویا اللہ تعالی اس بندے کے کان اور آنکھیں بن گیا ہے میں کہتا ہوں یہ معنی لینا حدیث کے الفاظ



سے پھر جانا ہے حدیث میں صیغہ متکلم استعمال ہوا ہے جو اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ جو بندہ نوافل سے قرب الہی حاصل کر چکا ہو ' جسم اور صورت کے بغیر اس کی کوئی چیز باقی نہیں رہتی اور اس میں تصرف کرنیوالا رب العلمین ہی ہے ' یہ وہ مقام ہے جس کو صوفیہ فنائی اللہ کہتے ہیں - یعنی خواہشات کے دواعی سے وہ شخص نکل جاتا ہے اور اس میں صرف اللہ کا تصرف رہ جاتا ہے جیسے قرآن مجید میں موسی علیہ السلام کے قصہ میں موجود ہے کہ جب آپ آگ کے پاس پہنچے تو اس کے اندر سے آواز آئی ' برکت والی ہے وہ ذات جو آگ کے اندر ہے مگر سامنے آگ ہی تھی ' جب اللہ تعالے کی تجلی اس آگ سے ظاہر ہوئی تو آواز آئی " میں اللہ ہوں " تو اس میں غور کرو کہ حضرت موسی علیہ السلام نے کس طرح آگ میں سے کلام باری تعالی سنی ' کلام کرنے والا بظاہر وہ درخت ہے - پھر کلام کی نسبت اللہ تعالی کیطرف کر دی گئی کیونکہ رب العلمین کے نور کی تجلی درخت میں ظاہر ہوئی تو وہ درخت معرفت الہی کا واسطہ بن گیا - تو متجلی فیہ (درخت ) متجلی بنفسہ ( رب العالمین ) کے حکم میں آگیا ' بات یہ تھی نور کا ظہور آگ میں ہوا ' کیونکہ حضرت موسی علیہ السلام کو اس وقت آگ کی ضرورت تھی - پھر فرمایا کہ اگر تم نے تجلی کے حقیقی معنی سمجھ لئے تو مثالوں اور صورتوں سے آگے بڑھ اور ترقی کر کے قرب الہی حاصل کر ' کیونکہ جب ایک درخت کے متعلق درست ہے کہ اس میں آواز آئے میں اللہ کے ہوں تو اللہ کے مقرب بندہ کے لئے کیوں درست نہ ہو کہ رب العالمین اس کے کان ' آنکھ وغیرہ بن جائے جب بندہ صورت رحمن پر پیدا ہوا ہے تو اسے شجر موسیٰ علیہ

السلام سے کم تو خیال نہ کرنا چاہئے - ان بحثوں پر پوری تحقیق سے غور کرنا چاہئے - یہ عقدے صرف علوم ظاہری سے نہیں کھل سکیں گے ' جب تک علوم صوفیہ کی طرف رجوع نہ کیا جائے گا - کیونکہ ہر مردے وہرکارے یہ کام صوفیہ ہی کا ہے '

اس بحث سے ایک عقدہ یہ کھلا کہ کلام الٰہی قدیم اور تجلی ذات باری قدیم ' مگر حادث درخت میں ظاہر ہوئی اور سنائی دی اسی طرح قرآن کریم کلام قدیم ہے غیر مخلوق ہے مگر اسکا ظہور حادث مخلوق کی زبان سے ہوتا ہے - اسی طرح کلام باری تعالے بطور کشف والہام ایک صوفی عارف کی زبان پر ظاہر ہونا بعید نہیں جبھی تو عارف رومی نے فرمایا -

گفتہ اوگفتہ اللہ بود گرچہ از حلقوم عبداللہ بود -

حدیث کی شرح کی ابتدا میں جو شیخ انور نے سبحان اللہ کہہ کر بات ابہام میں رکھ دی اس کی تفصیل میزان الاعتدال ۱:۶۴۰ پر یوں ملتی ہے -

فلولاھیبۃ الجامع الصحیح لعددتہ فی منکرات خالد بن مخلد -

اگر صحیح بخاری کی ہیبت میرے دل پر طاری نہ ہوتی تو میں اس حدیث کو خالد بن مخلد کی منکرات میں شمار کرتا -

حافظ العصر علامہ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے فتح الباری میں اس قول کو بڑی خوبی سے رد کیا ہے اور شیخ انور نے بات فیصلہ کن کہہ دی کہ ہر فن کی بات صاحب فن کے سپرد کرنی چاہئے وہی اس پر فیصلہ کن رائے دینے کا اہل ہوتا ہے ' آدمی کو جس فن سے واقفیت نہ ہو اپنا بھرم رکھنے کے لئے خواہ مخواہ اس پر جرح نہ شروع کردے -



## قرب فرائض اور قرب نوافل میں فرق :

فیض الباری ۴:۴۲۷ و ھھنا بحث

ھھنا بحث للصوفیۃ فی فضل القرب بالنوافل والقرب بالفرائض فقالوا ان العبد فی القرب الاول یصیر جارحۃ اللہ جل مجدہ واللہ سبحانہ نفسہ یکون جارحۃ لعبدہ فی القرب الثانی -

یہاں قرب فرائض اور قرب نوافل کے سلسلے میں صوفیوں کے لئے بحث ہے - صوفیہ نے فرمایا کہ قرب فرائض میں بندہ اعضائے خدا تعالیٰ بنتا ہے اور قرب نوافل میں خدا تعالیٰ اعضائے بندہ بن جاتا ہے

جب بندہ اپنے رب کا قرب اس درجہ کا حاصل کر لیتا ہے تو رب کی طرف سے یہ اعلان کوئی انوکھا نہیں معلوم ہوتا

من عادی لی ولیا الخ

وان قال من عادی لی فلم یقل ولیا لی تفخیماً لشان العداوۃ لان فی الاول ایذانا بان عداوۃ ولی کانھا عداوۃ اللہ تعالی بخلاف الثانی -

حضور اکرم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے "عادی لی" ولیا فرمایا " ولیا لی " نہیں فرمایا اس سے دشمنی کی شان ظاہر کرنا مقصود تھا - کیونکہ پہلی صورت میں حقیقتاً دشمنی خدا سے ہے ولی سے نہیں دوسری صورت میں یہ بات نہیں پائی جاتی -

علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کی تفصیل کی غرض سے ایک مستقل رسالہ لکھا ہے ' جس کا نام ہے **القول الجلی فی حدیث الولی** - یہ رسالہ ہمارے کتب خانے میں موجود ہے - اور الحاوی للفتاوی میں علامہ نے اس حدیث کو مختلف الفاظ کے ساتھ مختلف راویوں سے نقل کیا ہے مثلاً :

1:عن انس بن مالک عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم عن جبرائیل عن اللہ یقول عزوجل من اھان لی ولیا فقد بارزنی بالمحاربۃ وانی لاغضب لاولیائی کما یغضب اللیث المرودماتقرب الی عبدی الخ

2 : عن عائشہ رضی اللہ عنہا قالت قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من اذی لی ولیا فقد استحل محاربتی ومانقرب الی عبدی بمثل الفرائض -

3: عن میمونہ ام المومنین ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال قال اللہ عزوجل من اذی لی ولیا فقد استحل محاربتی وماتقرب الی عبدی بمثل اداء الفرائض الخ -

4:عن ابن عباس قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول تعالی من عادی لی ولیا فقدناصبنی بالمحاربہ الخ -

5:عن ابی امامۃ عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال ان اللہ تعالی یقول من اھان لی ولیا فقد بارزنی بالعداوۃ ابن ادم لم تدرک ماعندی الاباداء ماافترضت علیک ولایزال عبدی یتحبب الی بالنوافل حتی احبہ ناکون سمعہ الذی یسمع بہ وبصرہ الذی یبصربہ ولسانہ الذی ینطق بہ وقلبہ الذی یعقل بہ فاذادعانی اجبتہ وان سالنی اعطیتہ وان استنصرنی نصرتہ -

ان احادیث سے حقیقت واضح ہو گئی کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کو تعلیم فرمائی ہے کہ اولیاء اللہ سے محبت پیدا کریں اور ان سے دشمنی رکھنے کی جرات نہ کریں - چنانچہ آخری حدیث کے متعلق ابن جوزی رحمتہ اللہ علیہ لکھتے ہیں :



فارتد تفھیمنالتحقق المحبۃ للولی ولی اللہ کی محبت اپنے دل میں ثابت کرنے کے لئے ہمیں سمجھایا گیا ہے ' پھر حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ دعا ملتی ہے ' اسئلک حبک وحب من یحبک یعنی اے خدا میں تجھ سے تیری محبت کا سوال کرتا ہوں اور اس کی محبت کا جو تجھے دوست رکھتا ہے ' علامہ شوکانی رحمتہ اللہ علیہ نے تحفۃ الذاکرین میں صفحہ نمبر۲۳۱ پر اس حدیث کی شرح میں فرمایا-

فقدوردفی السنۃ ذکر الاسباب التی یتسبب بھا العباد الی محبۃ اللہ سبحانہ وسالہ حب من یحبہ فانہ لا یحب اللہ عزوجل الا المخلص من عبادہ فیھم طاعتہ من الطاعات وقربہ من القرب -

اور حدیث میں ان اسباب کا ذکر ہے جن کو خدا کے بندے محبت الٰہی کا ذریعہ بناتے ہیں اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے ان لوگوں کی محبت کا سوال کیا ' جو اللہ تعالے سے محبت رکھتے ہیں اور یہ ایک حقیقت ہے ' کہ صرف مخلص بندے ہی خدا سے محبت رکھتے ہیں ' پس ان کی محبت اطاعتوں میں ایک اطاعت ہے اور قرب الٰہی کی ایک صورت ہے -

ان روایات میں دوامور کی تلقین اور تاکید کی گئی ہے ' ایک کا تعلق پرہیز یا اجتناب سے ہے ' اور وہ ہے اولیاء اللہ کی دشمنی - اس سے اتنا ڈرایا گیا ہے کہ اولیاء اللہ کی دشمنی حقیقت میں اللہ سے دشمنی ہے - دوسرے کا تعلق ایک کام کرنے کی تاکید سے ہے اور وہ ہے اولیاء اللہ سے محبت کرنا ' اور اسے طاعت اور ذریعہ قرب قرار دیا گیا ہے - وجہ ظاہر ہے کہ اللہ والوں سے محبت اس لئے کی جاتی ہے کہ وہ اللہ سے محبت کا سلیقہ سکھاتے ہیں ' ان حضرات کے پاس ایک ہی مجرب نسخہ ہے کہ وہ بندے کو اللہ کا ذکر کرنے کا سلیقہ سکھاتے ہیں ' نتیجہ یہ ہوتا

ہے کہ ان کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق ان کی صحبت میں رہ کر جب ذکر کیا جاتا ہے تو لازماً اللہ کی محبت پیدا ہو جاتی ہے ۔ چنانچہ بخاری اور مسلم میں اس اجتماعی ذکر کے فوائد اور نتائج کی نشاندہی کی گئی ہے ۔

لایقعد قوم یذکرون اللہ الاحفتھم الملائکۃ وغشیتھم الرحمۃ ونزلت علیھم السکینۃ وذکرھم اللہ فیمن عندہ ھم القوم لایشقی جلیسھم ۔

جب کچھ لوگ مل کر ذکر کے لئے بیٹھتے ہیں تو ملائکہ انہیں ڈھانپ لیتے ہیں اور رحمت ان پر چھا جاتی ہے ۔ اور ان پر سکینہ نازل ہوتی ہے ۔ اور اللہ تعالیٰ ملائکہ میں ان کا ذکر کرتا ہے ' وہ ایسی جماعت ہے کہ ان کے پاس بیٹھنے والا بدبخت نہیں رہ سکتا ۔

اس حدیث سے ذکر الٰہی اور اولیاء اللہ کی صحبت کا اثر واضح طور پر معلوم ہو جاتا ہے ۔ حتیٰ کہ ان کی صرف صحبت سے ہی اتنا فائدہ ہوتا ہے کہ انسان بدبخت ہو کر نہیں مرتا ۔

فیض الباری شرح بخاری میں حضرت انور شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں :

الاحفتھم الملائکۃ باجنحتھم ففی الحدیث انھم یحطیون بھم کالھالۃ بالقمر علی شاکلۃ الدائرۃ حول الذاکر کماانک تقذف حجرافی الماء فترالامواج تتلاطم من حولہ تمتد بقدر قوۃ الرامی وضعفھا فکما ان الماء یتحرک منی الحرکۃ وکذالک حال الاشیاء التی تشملھا دائرۃ الذکر فانھا تصیر ذاکرۃ فنقل عن الشعرانی انہ جلس مرۃ یذکر اللہ فرای مامن شیئی حولہ الاجمل یذکراللہ حتی اذا اصبح رای ان ذکرہ قداستغرق الارض بنواحیھا فلم یبق شیئی



الا کان یساعدہ فی الذکرفھومعنی قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم ھوالقوم لایشقی جلیسھم فانہ بجلوسہ بین الذاکرین صار مشمولابالذکروالذاکرین فکان حصھم والسرفیہ ان ذکر اللہ حیاۃ وحینئذ تتسع دائرۃ الذکر بقدر اتساع صوت الذاکر حتی تصیر الاشیاء کلھا حول الذاکراحیاء ذاکرین وان کنت قدذقت حلاوۃ ماالقینا علیک تنبیت مع تسبیح الجبال والطیر مع داؤد علیہ السلام لم یکن یذکر ویسبح ربہ کما اخبربہ القران الاجمل ماحولہ من الجبال والطیر یسبح معہ لدخولہ فی حلقۃ ذکرہ واذکان نبیا من الانبیاء علیھم السلام کان ذکرہ ایضا بقدر مرتبتہ فکانت الا شیاتتاثر منہ مالاتتاثر بذکراحد ۔

ملائکہ اپنے پروں سے ان پر سایہ کر لیتے ہیں ' اور حدیث میں ہے کہ ملائکہ ان کا یوں احاطہ کر لیتے ہیں ' جیسے چاند کے گرد ہالہ ' اور جان لو کہ اللہ کا ذکر ' ذاکرین کے گرد دائرہ کی طرح پھیل جاتا ہے ' جیسے تو پانی میں پتھر پھینکے ' تو دیکھتا ہے کہ لہریں ارد گرد موجیں مارنے لگتی ہیں ' اور لہروں کا پھیلاؤ پتھر پھینکنے والے کی قوت کے متناسب ہو گا جس طرح پتھر پھینکنے سے پانی متحرک ہوتا ہے تو وہ حرکت پانی میں دور تک پہنچ جاتی ہے اسی طرح جو چیزیں دائرہ ذکر میں آتی ہیں وہ سب متاثر ہوتی ہیں اور ذاکرین جاتی ہیں ' امام شعرانی رحمتہ اللہ علیہ سے نقل کیا گیا ہے کہ وہ ایک مرتبہ ذکر کرنے بیٹھے ' دیکھا کہ ارد گرد کی تمام چیزیں ذکر کرنے لگی ہیں ' حتیٰ کہ جب صبح ہوئی تو دیکھا کہ ان کے ذکر کا اثر پوری زمین میں پھیل چکا ہے اور ہر چیز ذکر میں ان کی موافقت کر رہی ہے ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم

کے فرمان کہ یہ وہ جماعت ہے کہ جس میں بیٹھنے والا بدبخت نہیں رہ سکتا کا مطلب یہی ہے کیونکہ ذاکرین میں بیٹھنا ان میں شامل ہو جانا ہے ' اس میں راز یہ ہے کہ اللہ کا ذکر زندگی ہے - جس چیز تک یہ پہنچتا ہے اسے زندہ کر دیتا ہے اور ذاکر کی آواز کے مطابق یہ دائرہ وسیع ہوتا رہتا ہے حتیٰ کہ سارا ماحول زندہ ہو جاتا ہے اور ذاکرین جاتا ہے۔ اگر تجھے اس حقیقت کا احساس ہوجائے تو داؤد علیہ السلام کے ساتھ جبال وطیور کی تسبیح کا راز معلوم ہو جائے کہ آپ جب ذکر کرتے تو ماحول ذاکرین جاتا ' جیسا کہ قرآن حکیم بتاتا ہے کیونکہ یہ چیزیں ان کے حلقہ ذکر میں داخل ہو جاتی تھیں ' اور چونکہ آپ نبی تھے ' اس لئے ان کے ذکر کی قوت بھی ان کے منصب کے متناسب تھی تمام اشیاء ان کے ذکر سے متاثر ہوتی تھیں ' جو دوسروں کی شان سے بلند ہے :

شجر وحجر اور جبال وطیور کے ذکر کرنے کا ثبوت واضح طور پر حدیث میں موجود ہے چنانچہ ابن ماجہ باب الحج ' ترمذی باب الحج اور بخاری شریف باب الاذان میں ہے :

۲ھ
۱۵ - ۴ - ۸
۳۶ - ۶ - ۱۸



"عن سهل بن سعد مرفوعا مامن مسلم يلبي الالبى عن يمينه و شماله من حجر الشجر المدر حتى تنقطع الأرض من ههنا فهنا ففي البخاري عن ابي سعيد الخدري في الاذان ايضا قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم لايسمع صدى صوت المؤذن جن والانس ولاشيئى الاشهد له يوم القيامة۔"

"حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو مسلمان تلبیہ کرتا ہے تو اس کے دائیں بائیں کے تمام پتھر درخت ' ڈھیلے تک تلبیہ کہتے ہیں - حتیٰ کہ مشرق سے مغرب تک تمام تلبیہ کہتے ہیں - اور بخاری میں اذان کے سلسلہ میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جنوں اور انسانوں اور دوسری مخلوق میں سے جو بھی اذان کی آواز سنتا ہے وہ مؤذن کے حق میں قیامت کے دن گواہی دے گا۔"

شرح حدیث سے واضح ہوا کہ شیخ کی توجہ کے اثرات سارے ماحول میں پھیل جاتے ہیں ' حلقہ ذکر کے دوران شاگردوں کا شیخ کے قریب یا دور بیٹھنے میں کوئی فرق نہیں پڑتا ' جیسا کہ آپ نے دیکھ لیا کہ ذاکر جب ذکر میں بیٹھتا ہے تو اثر ذکر سے سارا ماحول زندہ ہوجاتا ہے اور تمام چیزیں ذاکر بن جاتی ہیں

اس حدیث سے ضمناً ایک اور فائدہ بھی اٹھاتے جائیں جو لوگ سماع موتی کے منکر ہیں وہ ذرا آنکھیں کھولیں اور اس پر غور کریں کہ جب مٹی شجر حجر غرض تمام چیزیں تلبیہ اور اذان کی آواز سنتی ہیں تو وفات کے بعد آدمی کے ریزہ ریزہ اور مٹی ہوجانے سے کیا فرق پڑتا ہے ' جب مٹی سنتی ہے تو جس آدمی کا جسم مٹی ہوگیا وہ کیوں نہ سنے گا ؟ ہاں اس میں اختلاف ہے کہ جب میت کے اجزاء بکھر گئے ' مٹی میں مل گئے یا پانی میں گھل گئے یا ہوا میں اڑ گئے تو اس وقت اجزا نے

جو صورت اختیار کی ، اسی کی خصوصیت کے مطابق ذکر و تسبیح کرے گا ، یا میت کے اجزا کی ہی مناسبت سے ذکر کرے گا ، اس اختلاف کے باوجود اس امر سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ جب مٹی پتھر ، شجر ، حجر میں فہم و ادراک موجود ہے تو میت مٹی بن کر بھی شعور و ادراک اور فہم سے محروم نہیں رہ سکتا ، ورنہ غیر ذی شعور اور غیر ذی فہم سے ذکر و تسبیح کرنے کا تصور ہی نہیں ہوسکتا ۔

گزشتہ صفحات میں جو روایات اور ان کی شرح بیان ہوئی ہے اس سے مندرجہ ذیل باتیں ثابت ہوتی ہیں ۔

1 ۔ اولیاء اللہ کی محبت ، اللہ تعالی کی محبت کا ایک مجرب ذریعہ ہے ۔

2 ۔ اولیاء اللہ کے پاس کامیاب نسخہ ذکر الہی کی تلقین اور اس کا سلیقہ سکھانا ہے ۔

3 ۔ ذکر الہی کی کثرت اور اولیاء اللہ کی صحبت سے انسان کے دل میں اللہ کی محبت پیدا ہوجاتی ہے اور وہ کبھی بدبخت ہو کر نہیں مرتا ۔

4 ۔ اولیاء اللہ سے دشمنی خدا سے دشمنی ہے ۔ حضرت تھانوی رحمتہ اللہ نے ایک روز فرمایا تھا " اولیاء اللہ سے دشمنی کفر تو نہیں مگر توہین کرنے والے مرتے کفر پر ہی ہیں " ۔

5 ۔ فرائض راس مال ہیں ، ترقی ہمیشہ نوافل سے ہوتی ہے ۔ مگر جس کے فرائض پورے نہیں اس کے نوافل کا کوئی اعتبار نہیں ہوگا ۔

6 ۔ ان احادیث سے فنافی اللہ اور بقا باللہ کا ثبوت بھی ملتا ہے ۔

7 ۔ منکرین کشف و الہام کو سوچنا چاہئے کہ کیا امت محمدیہ شجر موسوی سے بھی گئی گزری ہے ؟

8 ۔ اس حدیث سے اجتماعی حلقہ ذکر کا ثبوت بھی مل گیا ۔

9 ۔ ذاکرین صوفیہ محل نزول انوار و تجلیات باری ہیں ۔



۴

# بحثِ قلب

اصل مکلّف قلب ہے ۔

عقل کا مقام قلب ہے ۔

محل تقویٰ قلب ہے ۔

مخاطب اور محل وحی قلب ہے ۔

جزا اور سزا کا تعلق اعمالِ قلب سے ہے ۔

علم و فہم کی ضد کی نسبت قلب کی طرف ہے

قلبِ سلیم

# بحث قلب

موضوع تصوف اصلاح باطن ہے ' اور اس کا مدار اصلاح قلب پر ہے ' اس لئے اب ہم اس موضوع پر ذرا تفصیل سے گفتگو کریں گے ۔ '

" قال رسول اللہ صلی علیہ وسلم ان فی الجسد لمضغہ اذا صلحت صلح الجسد کلہ فاذا فسد ت فسد الجسد کلہ الاوھی القلب "۔

" حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا جسم انسانی میں گوشت کا ایک ٹکڑا ہے ۔ اگر وہ ٹھیک ہو گیا تو سارا جسم درست ہو گیا ' اور اگر وہ بگڑا تو سارا جسم بگڑا 'سنو ! وہ قلب ہے "

اس حدیث میں بیان تو مضغہ لحم صنوبری کا ہوا ہے ' مگر حکم اس لطیفہ کا ہے ' جس کو اس مضغہ سے گہرا تعلق اور اتصال ہے ' اسی وجہ سے بیان مضغہ کا کر دیا گیا ۔ حدیث میں درستی قلب کو درستی ' بدن کا سبب بتایا گیا ہے اور یہ درستی قلب بغیر فناء بقاء محال ہے جو' اس درجہ میں سالک فنائیت قلبی کے بعد واصل باللہ ہوتا ہے ' اس سے پہلے ایمان کے متزلزل ہونے کا خطرہ ہوتا ہے ۔ صوفیاء کرام میں مشہور مقولہ ہے :

" **الفانی لایرد والواصل لایرجع** "

اس کی تصدیق بخاری کی اس حدیث سے ہوتی ہے جس میں ابوسفیانؓ اور ہرقل روم کا مکالمہ درج ہے :

" وسالتک ھل یرتد احد منھم عن دینہ بعد ان ید خل فیہ سخطہ فزعمت لا وکذالک الایمان اذا خالطہ بشاشۃ القلب " ۔

" میں نے تجھ سے سوال کیا تھا کہ کیا لوگ اس کا دین قبول کر لینے کے بعد اسے برا سمجھ کر ترک بھی کردیتے ہیں ' تو تم نے جواب دیا

کہ "نہیں" اور ایمان کی بھی یہی حالت ہے، جب اس کی تازگی
قلب میں جم جاتی ہے (تو پھر دور نہیں ہوتی)

فنائی اللہ وبقاباللہ کے مقامات پر فائز ہونے کے بعد ایمان دل میں جم جاتا ہے
اسی حقیقت کو اللہ تعالی نے قرآن مجید میں اس طرح بیان فرمایا ہے۔

"ولکنّ اللہ حبب الیکم الایمان وزینہ فی قلوبکم" (الحجرات)

"لیکن اللہ تعالے نے تم کو ایمان کی محبت دی اور اس کو
تمہارے دلوں میں مرغوب کر دیا۔"

اس کی تفصیل یہ ہے کہ اصل مکلف قلب ہے، مخاطب قلب
ہے، عالم متکلم، فاہم قلب ہے سمع وبصر رکھنے والا قلب ہے، ماخوذ
قلب ہے، باقی بدن سے اس کا تعلق صرف تدبروتصرف کا ہے،
آنکھیں اور کان قلب کے جاسوس ہیں، زبان قلب کی ترجمان ہے،
اصل انسان اور بدن کا بادشاہ قلب ہے۔

## اصل مکلف قلب ہے

تکلیف مشروط ہے عقل اور فہم سے اور ان دونوں کا ذکر قرآن مجید میں
موجود ہے۔

"کماقال اللہ تعالی حاکیا عن اہل النار - وقالوا لو کنا نسمع
اونعقل ماکنا فی اصحاب السعیر - فمعلوم ان العقل فی القلب
ولان التکلیف مشروط بالعقل والفہم وقال اللہ تعالی ان السمع
والبصر والفواد کل اولئک کان عنہ مسئولا - وقرن تعالی
بذکرالسمع والبصر لانہما آلتان للقلب فی تادیہ صورالمحسوسات
والمسموعات" ۱۵



"اللہ تعالے نے دوزخیوں کا قول نقل فرمایا کہ کہیں گے کہ اگر ہم
سنتے یا سمجھتے تو دوزخ میں نہ ہوتے۔ معلوم ہوا کہ عقل قلب میں
ہے اور مدار تکلیف کا عقل اور فہم پر ہے اور فرمایا 'کان' آنکھ اور
دل، ہر شخص سے ان سب کی پوچھ ہو گی اور سمع وبصر کو قلب سے
جوڑ دیا ہے کہ یہ دونوں دیکھی اور سنی ہوئی چیزوں کو پہچاننے کے لئے
آلہ کا حکم رکھتے ہیں۔"

## عقل کا مقام قلب ہے

"قال اللہ تعالی فتکون لہم قلوب یعقلون بہا" (الحج)

"ان کے دل ہوتے کہ ان سے سمجھنے لگتے"

## محل تقوی قلب ہے

"اولئک الذین امتحن اللہ قلوبہم للتقوی"۔
(الحجرات)

"یہ وہ لوگ ہیں جن کے قلوب کو اللہ تعالے نے تقوے کے لئے
خالص کر دیا ہے"

## مخاطب اور محل وحی قلب ہے

1: "وانہ لتنزیل رب العلمین - نزل بہ الروح الامین علی قلبک
لتکون من المنذرین"- (الشعراء)

"اور یہ قرآن رب العالمین کا بھیجا ہوا ہے، اس کو امانت دار
فرشتہ لے کر آیا ہے آپ کے قلب پر، تاکہ آپ منجملہ ڈرانے
والوں کے ہوں"

11: "فانہ نزلہ علی قلبک وثبت ان القلب ہوالمخاطب فی
الحقیقۃ لانہ موضع التمیز والاختیار واماسائر الاعضاء فمسخرۃ

لہ " ۔

" اس قرآن کو آپ کے قلب پر اتارا " پس ثابت ہوا کہ حقیقت میں مخاطب قلب ہے ' کیونکہ یہی مقام تمیز واختیار کا ہے ' اور باقی اعضاء اس کے ماتحت ہیں ۔ '

111: " ان فی ذالک لذکری لمن کان لہ قلب" ۔ ( ق )

" تحقیق اس میں اس شخص کے لئے بڑی نصیحت ہے جس کے پاس قلب ہو "

## جزاو سزا کا تعلق اعمال قلب سے ہے '

" ولکن یواخذکم بماکسبت قلوبکم " ۔

( البقرہ )

" لیکن مواخذہ فرمائیں گے اس چیز پر جو تمہارے دلوں نے کمائی ہے "

## علم وفہم کی ضد کی نسبت قلب کی طرف ہے

1: " ختم اللہ علی قلوبھم " ۔ ( بقرہ )

1: " اللہ نے ان کے دلوں پر مہر لگادی ہے "

" وقالواقلوبنا غلف "۔

11:" اور انہوں نے کہا کہ ہمارے قلوب محفوظ ہیں "

111: " بل ران علی قلوبھم " ( التطفیف )

111:بلکہ ان کے دلوں پر زنگ بیٹھ گیا ہے ۔ "

1v:" لھم قلوب لا یفقھون بھا" ( الاعراف )

فثبت ان موضع الجھل والغفلۃ ھوالقلب ۔

1v :ان کے دل ایسے ہیں جن سے سمجھتے نہیں " " اور ثابت



ہو گیا کہ جہالت اور غفلت کا محل قلب ہے "

(فائدہ) ان آیات قرآنی سے ثابت ہوا کہ امین وحی ونبوت ' امین اسرار الٰہی اور شریعت اور خزانہ اسرار غیبیہ قلب ہے ۔ یہ وہ خزانہ ہے جس پر عقل کا راہزن ڈاکہ نہیں ڈال سکتا ' قلب ہی تجلیات باری ' ولایت اولیاء اللہ اور کشف والہام کا خزانہ ہے ۔ '

ہر انسان کے سینے میں ایک ہی دل ہے ' اور وہی محل تجلیات باری کے لئے مخصوص ہے ' اس لئے باری تعالے اس میں غیر کا قبضہ پسند نہیں فرماتا ' جب قلب تجلیات باری کا مسکن بن جاتا ہے تو تمام رذائل ذلیل ہو کر چلے جاتے ہیں ۔ **ان الملوک اذا دخلوا قریۃ افسدوھا وجعلوااعزۃ اھلھا اذلۃ ۔** چنانچہ جب قلب کی پورے طور پر اصلاح ہو جاتی ہے تو غیر اللہ کا اس میں گزر نہیں ہوتا اور ولی اللہ کہہ اٹھتا ہے " **الیس اللہ بکاف عبدہ** " ۔ معاصی کی وجہ سے قلب اندھا اور بہرہ ہو جاتا ہے مگر معالج روحانی کے علاج سے یہ امراض دور ہو جاتے ہیں ' قلب سقیم قلب سلیم بن جاتا ہے ' اور اخروی فلاح کیلئے راس المال بن جاتا ہے

" یوم لاینفع مال ولابنون الا من اتی اللہ بقلب سلیم " ۔

" اس روز نہ مال کام آئے گا نہ اولاد ' ہاں مگر اللہ کے پاس جو شخص پاک دل لے کر آئے " ( اس کیلئے مفید ثابت ہوگا )

## قلب سلیم

قلب کے سلیم ہونے کیلئے دو شرائط ہیں ' اول : صحت از امراض ۔ قرآن مجید نے قلب کے امراض کفر' شرک ' شک اور خواہشات نفسانی کے اتباع کو قرار دیا ہے ' ان امراض سے صحت حاصل کرنیکا واحد ذریعہ یہ ہے کہ کسی معالج روحانی سے علاج کرایا جائے ۔ '

دوسری شرط یہ ہے کہ قلب کو غذائے صالح بہم پہنچائی جائے ' جس طرح غذائے صالحہ سے جسم انسانی صحت مند اور قوی ہو جاتا ہے ' اسی طرح قلب کی صحت اور قوت کے لئے بھی غذائے صالح درکار ہے ' مگر قلب کے غذا جسم کی غذا سے مختلف ہے ' قلب کے لئے غذائے صالح کی نشان دہی یوں کی گئی ہے :

" قال اللہ تعالیٰ الابذکر اللہ تطمئن القلوب "۔

" سنو! ذکر الٰہی سے ہی قلوب مطمئن ہوتے ہیں ۔ "

علاج قلب اور غذائے قلب ' عارفین کاملین کے بغیر کہیں سے نہیں ملتی ۔ '



# ۵

# بحثِ رُوح

رُوح کی تعریف

رُوحِ جسم لطیف ہے ۔

رُوح جوہر فرد نہیں ہے ۔

رُوح لامکانی ہے ۔

رُوح عالمِ امر سے ہے ۔

عالمِ امر کیا ہے ؟

کونسی چیزیں عالمِ امر سے ہیں ؟

رُوح کی شکل و صورت ۔

# بحثِ رُوح

پہلے یہ جان لینا چاہئے کہ یہاں روح کی تعریف بالوجہ ہو گی نہ کہ با لکنہ - کیونکہ روح کی حقیقت کے متعلق ارشادباری تعالے ہے کہ " **وما اوتیتم من العلم الا قلیلا** "- تعریف روح میں اختلاف ہے ' اہل السنت والجماعت کے مذہب کے مطابق اس کی تعریف یہ ہے :

## روح کی تعریف

" دل علیہ الکتاب والسنۃ واجماع الصحابۃ وادلۃ العقل انہا جسم مخالف بالماھیۃ لھذالجسم المحسوس لھوجسم نورانی علوی خفیف حیٌّ متحرک ینفذ فی جوھرالاعضا فیسری فیہا سریان الماء فی الوردوسریان الدھن فی الزیتون والنار فی الفحم "[۴۲]

"کتاب وسنت اجماع صحابہؓ اور عقلی دلائل دال ہیں کہ روح ایک جسم ہے ' جو اپنی ماہیت کے لحاظ سے اس محسوس جسم عنصری کے مخالف ہے وہ جسم نورانی علوی ہلکا ' زندہ اور متحرک ہے جو تمام اعضاء بدن میں نفوذ کر جاتا ہے - بدن میں اس کا سریان ایسا ہے ' جیسے گلاب کے پھول میں پانی ' زیتون میں روغن اور کوئلہ میں آگ کا سریان ہوتا ہے "

## روح جسم لطیف ہے

روح کا جسم لطیف ہونا اور اس جسم عنصری کا مخالف ہونا قرآن مجید سے ثابت ہے :-

" فاذا سویتہ ونفخت فیہ من روحی " - ( الحجر )

" پس جب میں بدن آدم کو پورا بنا چکوں اور اس میں اپنی روح پھونکوں "

پس معلوم ہوا کہ تسویہ بدن کے بعد نفخ روح ہے ۔ اس سے ثابت ہوا کہ بدن اور روح دو مختلف چیزیں ہیں ۔ پھر یہ کہ بدن میں روح کا نفخ کیا اور نفخ جسم کا ہوتا ہے ۔ اس سے روح کا جسم لطیف ہونا ثابت ہوا جیسا کہ ایک اور آیت " **ثم انشانٰہ خلقا اخر** " میں اس کا بیان ہے کہ پہلے جسم انسانی وجود میں آیا ۔ جس کی تفصیل منی ' خون ' گوشت ' ہڈی اور ہڈی پر گوشت چڑھانے کے مدارج سے کی ۔ اس کے بعد ایک دوسری طرح کی مخلوق بنا دیا ۔ یعنی اس میں روح پھونکی اور وہ تمام اجزائے بدن میں سریان کر گئی ' اس سے روح کا جسم سے الگ ایک مستقل حقیقت ہونا ثابت ہوا اور یہ کہ وہ ایک جسم لطیف رکھتی ہے ' جو اس جسم کثیف میں [illegible]بت کئے ہوئے ہے ۔

## روح جوہر فرد نہیں

حدیث میں موت کے وقت روح کی کیفیت یوں بیان ہوئی کہ " **فتفرق فی جسدہ** " کہ میت کے بدن میں متفرق ہو جاتی ہے ' اس سے روح کا جوہر فرد ہونا باطل ہوا ۔ بہر حال روح کوئی جسم لطیف ہے مگر اس کی حقیقت سوال کرنے کے باوجود اللہ تعالے نے نہیں بتائی ' حالانکہ ملائکہ جنوں اور انسانوں کی پیدائش بغیر پوچھے بتادی اور روح کے متعلق سوال کرنے پر بھی صرف اتنا بتایا کہ :

" قل الروح من امرربی "۔

" کہہ دو کہ روح تو میرے رب کے امر سے ہے "

اگر اس کی پیدائش کسی مادہ مثلاً پانی ' ہوا ' آگ ' مٹی یا نور سے ہوتی تو اس کا ذکر کیا جاتا معلوم ہوا کہ یہ نور سے بھی زیادہ لطیف ہے :

کماقال سہیلی فالارواح خلقت بماقال اللہ تعالی فھوالنفخ



المتقدم المضاف الی الملک فالملائکہ من نور کما جاء فی حدیث المسلم فھو ( ای روح ) ایضا جسم فلکنہ من جنس الریح فلذالک یسمی روحامن لفظ الریح فنفخ الملک فی معنی الریح غیر انہ ضم اللہ فھی من ذوات الواوالھذا تجمع علی الارواح ای ضم اللہ لانہ نورانی فالریح ھو المتحرک " ۔

" ابوالقاسم سہیلی نے کہا کہ روح کی پیدائش اس چیز سے ہے جو اللہ نے فرمائی ہے اور وہ نفخ ہے جو مضاف فرشتہ کی طرف ہے اور فرشتوں کی پیدائش نور سے ہے ' جیسا کہ حدیث مسلم میں ہے ' اور وہ روح بھی جسم ہے ' مگر ریح یعنی ہوا کی جنس سے ہے ۔ اس وجہ سے اس کو روح سے موسوم کرتے ہیں جو ریح سے مشتق ہے ۔ نفخ ملک ریح کے معنی میں ہے سوائے اس کے کہ اس کا اول مضموم ہے اور لفظ روح صاحب " واؤ " ہے ' اس وجہ سے اس کی جمع ارواح آتی ہے ۔ روح کی " ر " پر ضمہ ہے کہ وہ جسم نورانی ہے اور ہوا تو جسم متحرک ہے "

**فائدہ :** معلوم ہوا کہ ملائکہ کے نفخ سے روح کی پیدائش ہوئی اور ملائکہ نور سے ہیں ۔ اس لئے روح ملائکہ سے زیادہ لطیف ہوئی جیسے انسان جسم عنصری ہے ' انسان کا سانس اس کے جسم سے زیادہ لطیف ہے ۔ اسی طرح ملائکہ کا سانس ان کے جسم سے زیادہ لطیف ہوا ۔

## روح لامکانی ہے

امام رازی رحمتہ اللہ علیہ نے روح کی تعریف میں جو بیان فرمایا ہے وہی اہل حق کا مذہب ہے :

" واعلم ان القائلین فی اثبات النفس فریقان الاول منھم ھم

المحققون منهم من قال الانسان غیر موجود فی داخل العالم ولافی خارجه وغیرمتصل فی داخل العالم ولافی خارجه وغیر متصل ولامنفصل عنه لکنه بالبدن تعلق التدبیر والتصرف "[۱۷]

" خوب جان لیں کہ روح کے اثبات کے قائلین کے دو فریق ہیں - اول جو محققین ہیں ' ان میں سے بعض کا قول ہے کہ روح نہ عالم میں داخل ہے نہ خارج ' نہ داخل میں متصل ہے نہ خارج میں ' نہ متصل ہے نہ اس سے منفصل لیکن انسانی بدن سے اس کا تعلق تدبیر وتصرف کا ہے "

معلوم ہوا کہ روح ایک جو ہر مجرد ہے ' بہت لطیف ہے ' لامکانی ہے ( لامکانی روح کے لئے مجازا بولا گیا ہے ) اس کے لئے مکان نہیں - مکان مادیات کے لئے ہوتا ہے ' نہ مجردات کے لئے ' یہ بدن سے پہلے بھی موجود تھا اور اس کے بعد بھی موجود رہتا ہے ' سنتا ہے ' دیکھتا ہے ' کلام کرتا ہے ' اس کی لامکانی کیفیت حدیث میں لفظ " عماء " سے بیان کی گئی ہے ' جب رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا **این کان ربنا** تو آپ نے فرمایا **فی عماء** مکان ذات باری کے لئے منفی ہے -

سوال : متکلمین کے نزدیک " تجرد " اخص صفات باری تعالی سے ہے ' اگر یہ صفت روح کے لئے تسلیم کر لی جائے تو شرک فی الذات لازم آئے گا -

الجواب : اخص صفات باری تعالے سے وجوب اور قدم مطلق ہے ' نہ وہ تجرد جو مسبوق بالعدم ہو اور ممکن اور حادث بھی ہو - امام رازی رحمتہ اللہ علیہ نے خوب جواب دیا ہے -

" فاعلم ان الجماعۃ من الجہال یظنون انہ لما کان الروح موجود الیس بمتحیز وجب ان یکون مثلا للّٰہ وذالک جہل فاحش وغلط



قبیح فتحقیقہ ماذکرناان المساواۃ فی انہ لیس بمتحیز ولاحال فی المتحیز مساواۃ فی صفۃ سلبیۃ لاتوجب المماثلہ "-[۱۸]

" خوب جان لیں کہ جہال کی ایک جماعت گمان کرتی ہے کہ جب روح موجود ہے کسی چیز میں متحیز نہیں ہے ' اور نہ متحیز میں حال ہے تو اس سے لازم آئے گا کہ خدا کی مثیل ہو - یہ کھلا صریح جہالت اور بدترین غلطی ہے حقیقت یہ ہے جو ہم نے بیان کی ہے کہ وہ " غیر متحیز اور نہ متحیز میں حال ہے " یہ اوصاف سلبیہ مساوات ہے جس سے مماثلت لازم نہیں آتی "

فائدہ 1: ثابت ہوا کہ باری تعالے کے اوصاف سلبیہ اور اضافیہ میں غیر کا شریک ہونا شرک نہ ہو گا -

11: لامکان کی حقیقت سمجھنے کے لئے عقل اندھی ہے ' حدیث کا لفظ " عماء " اس پر دلالت کرتا ہے ' کیونکہ لفظ " عماء " عدم بینائی پر بولا جاتا ہے -

ارشاد ربانی ہے **الروح من امر ربی** - یعنی روح عالم امر کی چیز ہے - جب عقل انسانی عالم امر کی حقیقت کا ادراک کرنے سے قاصر ہے تو عالم امر کی چیزوں کا ادراک کیونکر کر سکتی ہے اس لیے علوم عقلی یا علوم ظاہری سے روح کی معرفت با کنہ محال ہے - درحقیقت روح کی معرفت کا تعلق دلائل ذوقیہ ' نور بصیرت یعنی کشف سے ہے اور جب دلائل ظاہریہ ' ذوق اور کشف کی تائید کر دیں تو نور علی نور ہے -

جہاں تک ذوق اور کشف کا تعلق ہے اس بارے میں صرف محققین اصحاب کشف اور ارباب ذوق کا فیصلہ ہی حجت قرار دیا جا سکتا ہے اور دیا جانا چاہیئے - اور محققین صوفیہ کاملین اصحاب کشف کا فیصلہ یہ ہے کہ روح مادی ' نورانی اور لطیف چیز ہے اور جہاں ہم نے یہ کہا ہے کہ جو ہر مجرد ہے اس میں جوہر سے مراد

یہ ہے کہ عرض نہیں اور مجرد سے مراد یہ ہے کہ کثیف نہیں - بلکہ جسم لطیف نورانی ہے اور اس کی شکل اس جسم کی شکل کے عین مطابق ہوتی ہے جس بدن کا وہ روح ہے - قدو قامت اور ہیت میں ہو بہو اس جسم کے مطابق ہوتی ہے اور جمہور علمائے اسلام بھی اسی کی تائید کرتے ہیں جیسا کہ حضرت انور شاہ صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے ترمذی کی شرح " عرف شذی " کے صفہ 10پر فرمایا -

" واما الروح فعند اہل الاسلام جسم لطیف علی شکل کل ذالک الروح فاحتجو اعلی ھذا ای علی جسمیۃ الروح بما وردفی الاحادیث کمافی حدیث براء ابن عازب فینتزعھا کما ینزع السفود من الصوف المبلول الی ان قال فاحادیث اخروا لۃ علی جسمیۃ الروح ...... فانا نتمسک بنصوص الشریعۃ من القران والحدیث ...... والمتقد مون من علماء الاسلام یریدون بالتجرد عدم الکثافۃ یظہر ذالک من تفسیر الاخلاص للحافظ ابن تیمیہ - ثم اختلف الصوفیۃ بعد اتفاقھم علی مادیۃ الروح "-

اور جہاں تک روح کا تعلق ہے اہل اسلام کے نزدیک وہ ایک لطیف جسم ہے اور اسی بدن کی شکل پر ہوتا ہے جس میں وہ ہو - روح کی اس جسمیت پر احادیث سے استدلال کیا گیا ہے جیسا کہ حدیث براء بن عازبؓ میں وارد ہے - فرشتہ روح کو بدن سے یوں کھینچ لیتا ہے جیسا کہ سیخ گیلی اون سے کھینچی جاتی ہے ....اور دوسری حدیثیں جسمیت روح پر دلالت کرتی ہیں ....

پس ہم تو شریعت کی نصوص یعنی قرآن وحدیث سے تمسک کرتے ہیں -

اور متقدمین علماء اسلام نے تجرد سے مراد عدم کثافت لی ہے - یہ



حقیقت امام ابن تیمیہ رحمتہ اللہ علیہ کی تفسیر سورہ اخلاص سے ظاہر ہے

روح کے مادہ ہونے پر متفق ہونے کے بعد صوفیہ نے کچھ اختلاف کیا ہے

پھر رسالہ روح وما ہیتہا علامہ سیوطی صفحہ 67

قال الامام مالک فھو من المحققین قال الروح ھی صورۃ نورانیۃ علی شاکلۃ الجسم تماما -

امام مالک رحمہ اللہ جو محققین میں سے ہیں فرماتے ہیں کہ روح نورانی جسم ہے جو مکمل طور پر اس بدن کی شکل پر ہوتا ہے جس میں وہ ہے -

اور روح المعانی 53:24

" واعلم اولا لان المسلمین اختلفوافی ان الانسان ماھو ؟ فقیل ھو ھذا الھیکل المحسوس مع اجزاء ساریۃ فیہ سریان ماء الوردفی الورد والنار فی الفحم فھی جسم لطیف نورانی مخالف بالحقیقۃ والماھیۃ للاجسام التی منھا التلف ھذا الھیکل وان کان لسریانہ فیہ بشبھۃ صورۃ ولانعلم حقیقۃ ھذا الجسم فھوالروح المشارالیھا بقولہ تعالی قل الروح من امرربی عند معظم السلف الصالح فبینہ وبین البدن علاقہ "-

پہلے یہ سمجھو کہ مسلمانوں نے اس میں اختلاف کیا ہے کہ انسان کیا چیز ہے کہا گیا ہے کہ وہ ایک شکل محسوس ہے جس میں اجزا اس طرح ساری ہیں جیسے پھول میں نمی اور انگارے میں آگ اور یہ جسم لطیف نورانی ہے جو حقیقت اور ماہیت میں ان اجسام سے مختلف

ہے جن سے یہ شکل محسوسہ مرکب ہے - یہ روح اس بدن میں جاری وساری ہے اور شکل وصورت میں اس کے مشابہ ہے اور اس جسم یعنی روح کی حقیقت ہم نہیں جانتے جس کی طرف قول باری تعالیٰ میں اشارہ کیا گیا ہے - قل الروح من امرربی اور یہ بات سلف صالحین کے نزدیک مسلم ہے - روح اور بدن کے درمیان تعلق ہے -

"وهذاالجسم المعبر عنه بالروح على ماقال الامام القرطبى فى التذكرة مسالة اول وليس له اخر بمعنى انه لايفنى وان فارق البدن المحسوس وذكر فيها ان من قال انه يفنى فهو ملحد" -

اور یہ جسم جسے روح سے تعبیر کیا گیا ہے جیسا کہ امام قرطبی رحمتہ اللہ علیہ نے تذکرہ میں فرمایا ہے اس کیلئے ابتدا ہے مگر اس کیلئے انتہا نہیں یعنی اس کیلئے فنا نہیں اگرچہ بدن سے جدا ہو جائے اور اسی ضمن میں ذکر کیا ہے کہ جو شخص یہ کہے کہ روح فانی ہے وہ ملحد ہے -

ثابت ہوا کہ محققین سلف صالحین اور محققین صوفیہ کا یہی مذہب ہے -
دوسرا قول جو مردود ہے اس کی تفصیل یہ ہے -
حضرت انور شاہ صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے عرف شذی صفحہ 11- 10 پر نقل کیا ہے جس قول کے قائلین اصل میں فلاسفہ ہیں اور جن صوفیہ یا علماء نے اس قول کو نقل کیا ہے وہ محض فلاسفہ سے متاثر اور مرعوب ہو کر کیا ہے -

" قال جهلاء الفلاسفة ان الروح مجرد"

جاہل فلاسفہ کہتے ہیں کہ روح مجرد ہے -

اور روح المعانی 53:24 اور عرف شذی صفحہ 11



وذهب الى تجرد الروح قاضى زاده والحليمى والغزالى والراغب وابوزيد الدبوسى من الحنفية ومعمر من قدماء المعتزلة وجمهور متاخرى الامامية وكثير من الصوفية - وعندهم الروح جوهر مجرد ليست داخله فى البدن ولاخارجه عنه فنسبتها اليه كنسبت الله تعالىٰ الى العالم وهى بعد حدوثها الزمانى عند هم لاتفنى - ايضا وهذا المذهب ابن القيم فى كتاب الروح مالامزيد عليه" -

اور تجرد روح کا قول قاضی زادہ ' علامہ حلیمی ' امام غزالی رحمتہ اللہ علیہ اور امام راغب رحمتہ اللہ علیہ اور ابوزید دبوسی رحمتہ اللہ علیہ حنفی اور قدیم معتزلہ سے معمر اور تمام متاخرین شیعہ کا ہے اور بہت سے صوفیہ کا قول بھی ہے - ان کے نزدیک روح جوہر مجرد ہے نہ بدن میں داخل ہے نہ بدن سے خارج ہے اور اس کا تعلق بدن سے ایسا ہے جیسا اللہ کا تعلق جہان سے ہے - انکے نزدیک روح کیلئے حدوث زمانی ہے اور روح فانی نہیں ہے اور ابن قیم نے اس مذہب کو کتاب الروح میں ان دلائل سے رد کیا ہے کہ مزید تردید کی حاجت نہیں چھوڑی -

اس اقتباس سے معلوم ہوا کہ روح کے متعلق اس دوسرے مذہب میں شافعی ' حنفی ' معتزلہ اور امامیہ کے افراد شامل ہیں جو سارے کے سارے فلاسفہ سے مرعوب ہو کر اس رو میں بہہ گئے ہیں اور قول اول جو بیان ہو چکا اس میں جمہور علماء اسلام اور محققین صوفیہ کا ایک عظیم گروہ شامل ہے - بالخصوص عظیم سلف صالحین نے یہی مذہب اختیار کیا ہے کہ روح جسم مادی ہے ' لطیف ہے ' نورانی ہے - جس بدن میں وہ ہے اسی کی شکل پر ہے - بدن سے جدا ہونے کے بعد اس

کے لیے جسم مثالی کی ضرورت نہیں - اس کی تفصیل یہ ہے کہ سب سے پہلے یہ معلوم کر لینا چاہیئے کہ حیات کسے کہتے ہیں ؟ حیات نام ہے حس حرکت ' دیکھنا ' سننا ' بولنا ' قوی ظاہری وباطنی کا موجود ہونا - روح دنیا میں بدن کو زندگی بخشتا ہے - دنیا میں مادی چیزوں کو سنانے میں مادی آلات کا محتاج ہے نہ کہ اپنی حیات میں مادی بدن کا محتاج ہے بلکہ روح بدن کو حیات بخشتا ہے - برزخ میں جاکر روح مادی دنیا کو اپنی آواز نہیں سنا سکتا - اسی لیے مادی آنکھیں اسے نہیں دیکھ سکتیں ' مادی کان اسکی بات نہیں سن سکتے حالانکہ وہ خود بولتا ہے ' سنتا ہے ' اس کے سارے اعضاء ذاتی ہیں جیسا کہ ثابت ہوچکا ہے کہ روح اپنے بدن کی شکل پر ہوتا ہے - روح خود جسم لطیف ' اس کے کان لطیف ' اسکی آواز لطیف ' اس کو تمام لطیف چیزیں دیکھ لیتی ہیں ' اس کی آواز سن لیتی ہیں جیسا کہ ملائکہ قلوب انبیاء ' قلوب اولیا' لطیف چیزوں کو دیکھنے یا سننے سنانے میں کسی غیر جسم کے آلات کا محتاج نہیں تاکہ برزخ میں ان کے لیے جسم مثالی تسلیم کیا جائے - اگر لطیف چیزوں کو دیکھنے یا سننے سنانے میں جسم مثالی کا محتاج مانا جائے تو پھر یہ بھی ماننا پڑے گا کہ روح حیات بخش نہیں بلکہ روح کو جسم مثالی حیات بخشتا ہے اور روح کے کوئی ذاتی آلات نہیں وہ ایک پتھر ہے ( العیاذ باللہ ) جسم مثالی کا تسلیم کرنا خلاف قرآن ' خلاف حدیث اور خلاف سلف صالحین ہے اور جو شخص جسم مثالی کا قائل ہوا ہے اس نے سخت ٹھوکر کھائی ہے اللہ اسکو ہدایت دے -

## روح عالمِ امر سے ہے

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ روح کی پیدائش کس چیز سے ہوئی ؟ امام رازی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں :

الروح عند اله العرش مبداه

وتربه الارض اصل الجسم والبدن



فتالف ملک المنان بینهما

لیصلحا بقبول الامر والمحن

فالروح فی غربة والجسم فی وطن

فاعرف زمام الغریب النازح الوطن

" روح کی ابتدا صاحب عرش سے ہے ( من امرربی ) اور بدن انسانی کی اصل مٹی ہے - اللہ تعالے نے ان دونوں میں الفت ڈال دی - تاکہ ان میں اوامر اور محنتیں قبول کرنے کی صلاحیت پیدا ہو جائے پس روح مسافر ہے اور بدن اپنے وطن میں ہے پس غریب الوطن مسافر کی ذمہ داری کا خیال رکھو - "

## عالم امر کیا ہے ؟

حضرت امام غزالی نے عالم امر اور عالم خلق پر بحث کی ہے ' اور یہ بتایا ہے کہ ان دونوں کے درمیان عرش بطور برزخ حائل ہے - '

" وعالم الامر عبارة عن الموجودات الخارجیة من الحس والخیال والجهة والمکان فهو مالایدخل تحت المساحة والتقدیر لانتفاء الکمیة عنه " - ۴۹

" عالم امر عبارت ہے - موجودات سے جو حس ' خیال ' جہت ' مکان اور حیز سے خارج ہے ' عالم امر انتفائے کمیت کی وجہ سے مساحت وتقدیر کے تحت نہیں آسکتا - "

کون سی چیزیں عالم امر سے ہیں صاحب تفسیر مظہری نے " الاله الخلق والامر " کی تفسیر میں اسکی تفصیل بیان فرمائی ہے

" قالت الصوفیة المراد بالخلق والامر - عالم الخلق یعنی جسمانیة العرش فماتحته فمافی السموت والارض فمابینهما

واصولها الاربعة العناصر- النار والماء والهواء والتراب ومايتولد منها من النفوس الحيوانية والنباتية والمعدنية فهى اجسام لطيفة سارية فى اجسام كثيفة- وعالم الامر يعنى المجردات عن القلب والروح والخفى والاخفا التى هى فوق العرش سارية فى النفوس الانسانية والملكية والشيطانية سريان الشمس فى المراة سميت بعالم الامر لان الله تعالى خلقها بلامادة بامره كن فيكون – قال البغوى قال سفيان بن عيينه فرق بين الخلق والامر فمن جمع بينها فقد كفر" -۲۰

صوفیہ کرام نے کہا کہ مراد عالم خلق اور عالم امر سے یہ ہے کہ عالم خلق میں عرش اور جو ماتحت عرش ہے اور جو چیز آسمان اور زمین اور ان کے مابین ہے ' شامل ہے ' اور اس کے اصول عناصرِاربعہ آگ ' پانی ' ہوا اور مٹی اور جو چیزیں ان سے پیدا ہوتی ہیں – یعنی نفوس حیوانی ' نباتاتی اور معدنی ہیں ' اور یہ اجسام لطیفہ ان اجسام کثیفہ میں ساری ہیں – سب عالم خلق سے ہیں – اور عالم امر سے مراد مجردات ہیں ' یعنی ( لطائف خمسہ ) قلب ' روح ' سری خفی اور اخفاء ' یہ فوق العرش ہیں ' اور یہ نفوس انسانیہ ملکیہ اور شیطانیہ میں یوں ساری ہیں جیسے سورج کی شعاعیں آئینہ میں ساری ہوتی ہیں – لطائف کو عالم امر اس لئے کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو کسی مادہ سے نہیں ' بلکہ اپنے امر کن سے پیدا کیا ' اور بغوی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ سفیان بن عیینہ نے فرمایا کہ عالم امر اور عالم خلق دو مختلف چیزیں ہیں جس نے ان دونوں کو ایک سمجھا اس نے کفر کیا "

**فائدہ :** – معلوم ہوا کہ روح اور دیگر لطائف عالم امر کی مخلوق ہیں جو بغیر



مادہ کے پیدا کئے گئے – عالم امر کو عالم حیرت اور لامکان بھی کہتے ہیں –

## روح کی شکل وصورت

جسم انسانی ایک ٹھوس مادی شکل رکھتا ہے اس کی وضع قطع قدوقامت اور اس کے اعضاء ہم اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں – کیا روح انسانی کی بھی کوئی شکل وصورت ہے یا بس جوہر لطیف ہے ' یہ سوال ذہن میں پیدا ہونا قدرتی بات ہے ' اس کے متعلق بخاری شریف میں ایک بحث کی گئی ہے :

" فللروح صورة لطيفة على صورة الجسم لها عينان واذنان ويدان ورجلان فى داخل الجسم يقابل كل جزء منه عضو نظيره فى البدن فقدابهم الله تعالى امرالروح فترك تفصيله " –

جسم کی شکل کے مطابق روح کی بھی لطیف صورت ہے روح کی بھی دو آنکھیں ہیں ' کان ہیں – ہاتھ اور پاؤں ہیں بلکہ روح کے ہر عضو کی نظیر بدن انسانی میں موجود ہے اور روح کی حقیقت کو اللہ تعالے نے مبہم رکھا اور اس کی تفصیل چھوڑ دی ہے –

( تحفۃ القاری شرح صحیح البخاری 44:2)

اس سے معلوم ہوا کہ روح کی شکل بعینہٖ وہی ہوتی ہے جو بدن کی شکل ہے جس میں وہ روح داخل کی گئی ہے –

عالم برزخ قیامت صغریٰ ہے جہاں روح زندہ رہتی ہے اور عالم آخرت قیامت کبریٰ ہے جس کے متعلق ارشاد باری تعالیٰ ہے :

"ان الدارالاخرة لهى الحيوان " –

یقیناً آخرت کا گھر ہی تو زندگی ہے –

اور ظاہر ہے کہ دنیا کی زندگی کے مقابلے میں اکمل زندگی ہے ۔ دنیا اور اس کی ہر شے کے لئے موت اور فنا ہے مگر آخرت کی زندگی ابدی ہے ۔ اس لئے دار آخرت کی ہر شے کیا جزو کیا کل موت سے پاک ہے جب روح کے لئے جزاو سزا ہے تو ظاہر ہے کہ وہ زندہ ہے کیونکہ مردہ اور معدوم کے لئے جزاوسزا نہیں ہے ' اس لئے روح سنتی دیکھتی ہے ' بولتی ہے بلکہ اس کی ساری قوتیں اور تمام صلاحیتیں اسی جگہ کامل درجے پر معرض اظہار میں آتی ہیں

روح کو بدن میں جب داخل کیاجاتا ہے تو بدن کی خصوصیات سامنے آتی ہیں مثلاً بچپن ' جوانی ' بڑھاپا اور بچپن میں ذہن ' عقل ' فہم ادراک وغیرہ کا ناقص ہونا ۔ پھر رفتہ رفتہ عمر کے ساتھ ترقی کرنا وغیرہ ' یہ بدن کی خصوصیات ہیں ورنہ روح تو اپنی پیدائش کے وقت سے ہی عاقل ' بالغ اور ذی فہم ہے اور اگر یہ بات نہ ہوتی تو " **الست بربکم** " کے جواب میں " بلی " کیوں کہتی ۔ سوال سننا سمجھنا اور جواب دینا روح کے پیدائشی عاقل بالغ ہونے کی دلیل ہے '

جب روح کو کسی بدن کے ساتھ متعلق کر دیا جاتا ہے تو اس کے ساتھ اس کا تعلق استقرائی ہوتا ہے ۔ پھر اسے بدن کے اعضاء دیئے جاتے ہیں ' اس بدن میں کچھ قوتیں اور آلات ودیعت کر دیئے گئے ہیں ۔ جن میں بعض حسی اور بعض معنوی قوتیں ہیں ' یہاں رہ کر روح ان ہی قوائے بدن کے ذریعے علم حاصل کرتی ہے حسی قوتیں پیدائش کے وقت کمزور ہوتی ہیں اور چونکہ روح کو یہاں جسم کے تابع بنایا گیا ہے اس لئے جسم کی ترقی کے ساتھ ساتھ ان قوتوں میں ترقی محسوس ہوتی ہے ۔ اگر یہاں روح کو بدن کے تابع نہ بنایاجاتا تو پیدا ہوتے ہی ہر شخص مکلف ہوتا ' کیونکہ روح تو پیدائش سے ہی عاقل بالغ ہے ۔ مگر بدن سے وابستگی کی وجہ سے مکلف ہونے کے لئے عمر کی ایک حد مقرر کر دی گئی ہے جسے سن بلوغت کہتے ہیں ۔ انسان دنیا سے رخصت ہوا ' روح کی جسم سے مفارقت ہوئی تو روح



بالذات مکلف ہو گئی ۔ یہاں سے بعض لوگوں نے ایک بڑی ٹھوکر کھائی ہے کہ برزخ میں روح کے لئے جسم مثالی ثابت کرنے کی کوشش کی جس کا مطلب یہ ہے کہ روح کسی وقت بھی بدن کے بغیر مکلف نہیں ' یہ عقیدہ باطل ہے ۔ اہل السنت والجماعت کا اجماعی عقیدہ یہ ہے کہ برزخ میں روح بالذات مکلف ہے اور بدن تابع روح کے ہوتا ہے اور اس بدن خاکی کو روح ہی حیات بخشتی ہے ۔ اس سلسلے میں شاہ عبدالعزیز رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں ۔

محرک تن روح است ' ومحرک روح نور ومحرک نور ' ذات ن ایں مقام راکما ینبغی دانستن کمال محال است وشب وروزبذکر وفکروسیر وطیران مقامات ماندن بجز طالب صادق وتوجہ مرشد کامل حصول انتہائی تواندشد (فتاویٰ عزیزیہ ۲:۱۱۲)

بدن کو حرکت دینے والا روح ہے اور روح کو حرکت اور زندگی نور سے ملتی ہے اور نور کو حیات اور حرکت دینے والا ذات باری تعالےٰ ہے میرے عزیز اس مقام کو کما حقہ ' سمجھنا محال ہے رات دن ذکر وفکر ' سیر ملکوتی اور عالم بالا میں پرواز سوائے طالب صادق اور بغیر مرشد کامل کی توجہ کے ممکن نہیں ۔

# ۶

# بحثِ نفس

وجہ تسمیہ

نفس اور رُوح ایک حقیقت کے دو نام ہیں۔

نفس اور رُوح میں فرق

سکون کیا ہے؟

مسمیٰ واحد کے مختلف اسماً

# بحث نفس

## وجہ تسمیہ

نفس کا لفظ یا تو نفاست سے ہے ' تو بوجہ شرافت ولطافت کے نفس کہا جاتا ہے یا تنفس سے ہے تو بوجہ سانس کی آمدوشد کے نفس کہا جاتا ہے - اگر آنے جانے کی صفت کی وجہ سے نفس سے مراد روح لی جائے تو یہ اس لئے درست ہے کہ نیند کے وقت روح خارج ہو جاتی ہے پھر لوٹ آتی ہے -

## نفس اور روح ایک حقیقت کے دو نام ہیں

النفس والروح اسمین لمعنی واحد -

نفس اور روح ایک حقیقت کے دو نام ہیں -

اس کی دلیل حدیث لیلۃ التعریس ہے : -

قال بلال اخذ بنفسی الذی اخذ بنفسک فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اللہ قبض ارواحنا-

" میری روح کو اسی ذات نے پکڑا جس نے آپ کی روح کو پکڑا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالے نے ہمارے ارواح کو قبض کر لیا تھا - "

**فائدہ :** - ایک ہی چیز کو حضرت بلال رضی اللہ عنہ ' نفس سے تعبیر فرماتے ہیں اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم روح سے - تو اس کی تطبیق یوں ہوتی ہے کہ روح اور نفس کو ایک ہی مانا جائے قرآن کریم نے بھی روح پر لفظ نفس کا اطلاق فرمایا ہے -

قال تعالی اللہ یتوفی الانفس حین موتھا -

" اللہ تعالے ہی قبض کرتا ہے جانوں کو ان کی موت کے وقت



وقولہ تعالی اخرجوا انفسکم -

" اپنی جانیں نکالو "

**فائدہ :** - ان دونوں آیتوں میں ذکر نفس کا ہے اور مراد روح ہے ' جمہور علماء بھی نفس اور روح کے اتحاد کے قائل ہیں -

ان النفس والروح مسماھما واحد فھم الجمھور : ۴۲

" نفس اور روح کا مصداق واحد ہے اور جمہور اس کے قائل ہیں "

## نفس اور روح میں فرق

علامہ ابوالقاسم سہیلی نے روض الانف میں بحث کی ہے کہ روح اور نفس شے واحد ہے - تغائر بوجہ اوصاف کے ہے باعتبار اولیت کے تو روح ہے ' جب فرشتہ ماں کے پیٹ میں پھونکتا ہے روح ہے جب پیدا ہوتا ہے اور کسب اخلاق واوصاف حمیدہ یا ذمیمہ کرتا ہے ' اور بدن سے عشق ومحبت پیدا کر لیتا ہے اور مصالح بدن میں مشغول ہو جاتا ہے تو اس پر لفظ نفس بولا جاتا ہے ' قبل از اکتساب اوصاف روح پر لفظ نفس کا بولنا ٹھیک نہیں ' جب یہ اوصاف سے متصف ہو جاتا ہے تو اس میں صفت غفلت اور شہوت پیدا ہو جاتی ہے تو اس پر لفظ نفس کا اطلاق ہوتا ہے کیونکہ نفس کا فعل بھی غفلت اور شہوت ہے -

## سکون کیا ہے

نفس کی صفت غفلت اور شہوت کو مجاہدہ اور ریاضت سے کم کیا جا سکتا ہے - ان رذائل کو قلت طعام ' قلت کلام ' تخلیہ اور تقوے سے کم کیا جا سکتا ہے -

ان رزائل کی کمی کا نام اصطلاح صوفیہ میں سکون ہے۔ سکون کے تین مدارج ہیں۔ اول : سکون تام وکامل یہ درجہ اطمینان نفس کا ہے ' اس درجہ میں نفس کو مطمئنہ کہتے ہیں۔ دوم : سکون غیر تام وغیر کامل ' یہ نفس لوامہ ہوا۔ سوم : عدم سکون ( مطلقاً ) یہ نفس امارہ ہوا۔

## مسمی واحد کے مختلف اسماء '

اگر ذات واحد کو مختلف الفاظ سے بیان کر دیا جائے اور ان الفاظ کا مرجع واحد ہو تو کوئی تضاد لازم نہیں آئے گا۔ جیسے آدم علیہ السلام کی پیدائش کے متعلق قرآن مجید میں مختلف الفاظ آئے ہیں۔

قال تعالی مرة - خلقه من تراب - خلق من حمامسنون -

من طین لازب - من صلصال کالفخار -

" اسے مٹی سے پیدا کیا " " بدبودار کیچڑ سے پیدا کیا " " چکنی مٹی سے پیدا کیا " " بجنے والی مٹی سے پیدا کیا "

پس روح اور نفس شے واحد کے دو نام ہیں۔ فرق باعتبار صفات کے ہے۔

الفرق بین النفس والروح فرق بالصفات لافرق بالذات :

" نفس اور روح کے درمیان فرق باعتبار صفات کے ہے نہ کہ باعتبار ذات کے "



# ۷

# لطائف اور شیخ کامل

لطائف پانچ ہیں۔

لطائف کے بارے میں اختلاف

وجہ اختلاف

شیخ کامل کی پہچان

ضرورت شیخ

# لطائف اور شیخ کامل

صوفیاء کرام فن طریقت وعلم حقیقت وتصوف کے احکام باطنیہ میں مجتہد کا درجہ رکھتے ہیں - وہ حضرات احکام ظنیہ باطنیہ کا اسی طرح استخراج کرتے ہیں جیسے فقہا مجتہدین بغیر نصوص صریحہ کے بعض احتمالات کی بناء پر محض اپنے ذوق سے احکام ظنیہ ظاہرہ کا استنباط کرتے ہیں - صوفیاء کرام میں فقہاء مجتہدین کے مقابلے میں ایک قوت زائد ہوتی ہے کہ وہ صاحب کشف والہام ہوتے ہیں - فقہا محض ذاتی رائے سے مسائل کا استخراج کرتے ہیں اور یہ لوگ الہام وکشف کی روشنی میں - اور کشف والہام اعلام واطلاع من اللہ ہوتی ہے اور یہ ظاہر ہے کہ اعلام من اللہ محض ذاتی رائے سے افضل ہے - جس طرح قیاس ورائے کی صحت کا معیار یہ ہے کہ کتاب وسنت کے مخالف نہ ہو ' اسی طرح کشف والہام کی صحت کا معیار بھی کتاب وسنت کی موافقت ہے ' بہر حال اس کی فوقیت مسلم ہے :

انما الالہام نور یختص بہ اللہ تعالی من یشاء من عبادہ[۴۴]

" الہام ایک نور ہے ' اللہ تعالے اپنے بندوں میں سے جسے
چاہے اس کے ساتھ مختص کر دیتا ہے "

میں ذاتی طور پر فقہائے مجتہدین کے اجتہاد کو صوفیہ کے کشف والہام پر مقدم سمجھتا ہوں ' اس کی دلیل صوفیاء کا تعامل ہے - تمام صوفیاء محققین مجتہدین کے مقلد رہے ہیں - پس فقیہ کے اجتہاد کا مقدم ہونا ثابت ہو گیا -

## لطائف پانچ ہیں '

اس اصولی تمہید کے بعد اب یہ سمجھ لیں کہ صوفیاء کرام بدن انسانی کو دس اجزاء سے مرکب مانتے ہیں ' عناصر اربعہ اور نفس مادی اور پانچ لطائف جن کا ذکر

پہلے ہو چکا غیر مادی بلکہ مجرد ہیں۔

بعض کے نزدیک گیارہ ہیں۔ یعنی پانچ مادی ' پانچ مجرد۔ اور ایک سلطان الاذکار بعض فرماتے ہیں کہ دس لطائف ہیں۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ لطائف تو مجرد اور لطیف چیزوں کا نام ہے ' پھر دس لطائف کیوں کر ہوئے ' البتہ تغلیباً انہیں لطائف سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ جیسے لطائف خمسہ کے علاوہ نفس بھی تغلیباً لطائف میں شمار کیا جاتا ہے اور سلطان الاذکار لطیفہ نہیں ' بلکہ ایک طریقہ ذکر ہے ' جس میں یہ تصور کیا جاتا ہے کہ سارے بدن سے بلکہ ہر بن موسے ذکر جاری ہے ' بہر حال لطائف پانچ ہی ہیں ' باقی تغلیباً ان میں شامل کئے جاتے ہیں۔

## لطائف کے بارے میں اختلاف

بعض صوفیاء لطائف کے تغائر کے قائل ہیں ' اور یہ تغائر حقیقی ہے۔ بعض محققین اتحاد لطائف کے قائل ہیں ' اور اصل حقیقی لطیفہ صرف قلب کو بتاتے ہیں اور اسی کو اوصاف متعددہ سے موصوف مانتے ہیں ' جیسے زید متعدد اوصاف سے موصوف ہو ' مثلاً عالم ' قاری ' کاتب ' واعظ وغیرہ تو اس تعدد اوصاف کی وجہ سے زید میں تعدد پیدا نہ ہو گا۔ تو گویا دیگر لطائف کا محل ومصداق وموصوف بھی قلب ہے۔ رہی یہ بات کہ ہر لطیفہ کے آثار و الوان انوار جدا ہوتے ہیں ' اور یہ کہ ہر لطیفہ کا فعل جدا ہے مثلاً قلب کا فعل ذکر ہے ' روح کا حضور ' سری کا مکاشفہ۔ خفی کا شہود ومشاہدہ اور فنا اور اخفا کا معائنہ اور فناء الفناء تو یہ دراصل تعدد اوصاف کی وجہ سے افعال میں تعدد پیدا ہوا۔ ورنہ اصل حقیقی لطیفہ صرف قلب ہے ' اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ اصل لطیفہ صرف قلب ہے تو یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ صوفیاء کرام ذکر کی تعلیم میں مختلف مقام اور محال کی طرف خیال کرنے کی ہدایت کیوں فرماتے ہیں ' حالانکہ صوفیاء کا طریقہ ذکر متواتر اور متوارث چلا آ رہا



ہے اور اسے کشف کی تائید بھی حاصل ہے ' اس لئے تغایر کو ہی تسلیم کرنا پڑتا ہے جس طرح ذکر قلبی میں قلب ہی پر توجہ مرکوز رہتی ہے ' کیونکہ وہ تجلیات باری کا محل ہے مگر جس طرح لطیفہ ربانی قلب کو قلب صنوبری سے تعلق ہے ' اسی طرح دیگر لطائف کو بھی خواہ مجازاً سہی ان محال ومقام سے تعلق ہے۔ محال ومقام کی تخصیص کی تائید حدیث ابی محذورہ رضی اللہ عنہ سے ہوتی ہے :

ثم وضع یدہ علی ناصیہ ابی محذورہ ثم امر علی وجھہ من بین ثدیہ وفی نسخہ من بین یدیہ علی کبدہ ثم بلغت ید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سرۃ ابی محذورہ ثم قال صلی اللہ علیہ وسلم بارک اللہ لک وعلیک ؂ ۲۳

" پھر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابو محذورہ رضی اللہ عنہ کے ماتھے پر ہاتھ رکھا۔ پھر آپؐ اپنے ہاتھ کو اس کے چہرے پر لے گئے پھر سینے پر ۔۔ ( اور ایک نسخے میں ہے کہ ) اس کے جگر پر لے گئے پھر آپؐ کا ہاتھ ان کی ناف تک پہنچا۔ پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا دی کہ اللہ تجھے برکت دے۔ "

**فائدہ :** حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خواہ اتفاق سے ہاتھ پھیرا ' خواہ کسی غرض سے مانا جائے ' ان مقامات کا متبرک ہونا ثابت ہو گیا۔

**فھو المقصود**

قائلین اتحاد کہتے ہیں کہ حدیث شریف میں صرف ذکر قلبی ملتا ہے ' باقی لطائف کا ذکر نہیں ہے ' چنانچہ امام غزالی رحمتہ اللہ علیہ نے بعض لطائف کا ذکر کیا ہے اور ان میں اتحاد ثابت کیا ہے اور بتایا ہے کہ روح ' قلب ' عقل اور نفس ایک ہی چیز ہے۔ تغایر اعتباری ہے اور اتحاد ذاتی ؂ ۲۴

## وجہ اختلاف

چونکہ لطائف میں سخت اتصال ہے ' اس لئے ذکر قلب سے باقی لطائف میں بھی آثار انوار ' الوان وافعال سرایت کر جاتے ہیں جیسے متعاکس آئینوں میں شعاع آفتاب ۔ جو آئینہ سورج کے مقابل ہو ۔ اس کے مقابل دوسرا تیسرا آئینہ رکھ دیں تو شعاع آفتاب کا عکس سب میں ظاہر ہو گا ۔

عدم تغایر کی دلیل کشف صحیح بھی ہے ۔ چنانچہ جب سالک کے لطائف منور ہو جاتے ہیں تو منازل سلوک شروع ہوتے ہیں اور ان منازل کا تعلق زمین وآسمان سے نہیں بلکہ عرش اول سے شروع ہوتے ہیں تو ان منازل میں سالک کو اپنی روح پرواز کرتی نظر آتی ہے ' مگر دیگر لطائف نظر نہیں آتے ۔ اگر سالک کو اپنی روح پرواز کرتی نظر نہ آئے ' تو اسے کیسے معلوم ہو سکتا ہے کہ وہ منازل سلوک طے کرتا جا رہا ہے ۔ رہا یہ سوال کہ اتنی دور تک روح نظر کیسے آتی ہے تو اس کا تعلق عقلی موشگافیوں سے نہیں ' بلکہ اس راہ میں چلنے اور شیخ کامل کی صحبت اختیار کرنے سے ہے ۔ '

میں دعوی تو نہیں کرتا مگر بطور تشکر اور تحدیث نعمت اتنا واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ اگر کسی میں طلب صادق ہو ' نکتہ چینی اور امتحان مقصود نہ ہو ' اور اس کے علاوہ کوئی اور غرض فاسد نہ رکھتا ہو تو صرف چھ ماہ کے لئے اس ناچیز کے پاس آجائے ' اس پر چند پابندیاں عائد کی جائیں گی مثلاً صالح اور پاک غذا اور وہ بھی مقدار میں کم دی جائے گی ' قلت کلام کا عادی بنایا جائے گا ' نیند کم کرنی ہو گی ۔ خلوت میں رکھا جائے گا ۔ ذکر واذکار میں مشغول رکھا جائے گا دو وقت توجہ دی جائے گی ' پھر انشاء اللہ تعالے وہ دیکھ لے گا کہ روح کیسے پرواز کرتی ہے ' اور دوران پرواز کیسے نظر آتی ہے یہ چھ ماہ کا عرصہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عرصہ کی مقدار پر ہے ' اور کثرت ذکر ارشادربانی کی تعمیل کے طور پر کرایا جائے گا



کہ : واذکر ربک کثیرا وسبح بالعشی والابکار ۔ اور خلوت وقلت کلام کی پابندیاں الاتکلم الناس ثلثہ ایام الا رمزا کے مطابق تربیت سالک کے لئے ضروری ہیں ۔

عزیزمن ! طلب صادق کا فقدان ہے ' عوام کا تو ذکر ہی کیا ' علماء بھی اس ضرورت کے احساس سے محروم ہیں ' الاماشاء اللہ ' علماء کا کہنا یہ ہے کہ ظاہر شریعت پر عمل کر لینا کافی ہے میں کہتا ہوں کہ تزکیہ باطن کے بغیر شریعت پر کما حقہ ' عمل ہو ہی نہیں سکتا **لاالہ الااللہ** پڑھنے سے آلہ ظاہری کی نفی تو ہو گئی ' مگر جب تک تزکیہ نفس نہ ہو گا آلہ باطنیہ کی نفی نہ ہو سکے گی ۔

علمائے ظواہر حلال وحرام بیان کر سکتے ہیں ' مگر حلال وحرام میں تمیز نہیں کر سکتے ' کیونکہ اس کا انحصار نور بصیرت پر ہے اور وہ ناپید ہے ۔ اللہ تعالے نے سمجھنے کے لئے انسان کو تین قوتیں عطافرمائی ہیں ۔ وہم ' عقل اور نور بصیرت ۔ عقل کے مقابلے میں وہم ہیچ ہے اور نور بصیرت کے مقابلے میں عقل کوئی چیز نہیں ۔ عالم ظاہر بین نور بصیرت سے محروم ہے ۔ یہ دولت انبیاء علیہم السلام کے ہاں سے ان کے صحیح ورثاء علمائے ربانین اور صوفیائے کرام کو کو ملی ہے ۔ '

دوستو ! یہ دولت تصوف کے ادارے قائم کرنے سے نہیں ملتی ' نہ تصوف کے جرائد جاری کرنے سے ہاتھ آتی ہے ' نہ تصوف کی کتابوں کے مطالعہ سے حاصل ہو سکتی ہے ۔ یہ القائی اور انعکاسی چیز ہے ' جو القاء اور صحبت شیخ سے حاصل ہوتی ہے ۔

## شیخ کامل کی پہچان ؛

1: عالم ربانی ہو - کیونکہ جاہل کی بیعت ہی سرے سے حرام ہے - ۲۶
2: صحیح العقیدہ ہو کیونکہ فساد عقیدہ اور تصوف وسلوک کا آپس میں کوئی رشتہ ہی نہیں -
3: متبع سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہو ' کیونکہ سارے کمالات حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع سے حاصل ہوتے ہیں -
4: شرک وبدعت کے قریب بھی نہ جائے کیونکہ شرک ظلم عظیم ہے اور بدعت ضلالت وگمراہی ہے - '
5: دنیا دار نہ ہو ' کیونکہ ایک دل میں دو محبتیں جمع نہیں ہو سکتیں
6: علم تصوف وسلوک میں کامل ہو کیونکہ جس راہ سے واقف نہ ہو اس پر گامزن کیسے ہو سکتا ہے -
7: شاگردوں کی تربیت باطنی کے فن سے واقف ہو ' اور کسی ماہرفن سے تربیت پائی ہو -
8: حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روحانی تعلق قائم کر دے جو بندے اور خدا کے درمیان واحد واسطہ ہیں ۲۷

اس ناچیز کا طریقہ یہی ہے کہ اولا اپنے ہاتھ پر بیعت طریقت کبھی نہیں لی صرف تعلیم دیتا ہوں ' اور ابتدائی منازل طے کرا کے دربار نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں پیش کر دیتا ہوں ' جو تمام جہان کے پیر ہیں - صرف زبانی جمع خرچ کافی نہیں کہ پیر صاحب فرمادیں کہ لو تمہیں دربار نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں پہنچا دیا - بلکہ ضرورت اس بات کی ہے کہ سالک خود مشاہدہ کرے کہ منازل سلوک طے کر رہا ہے اور دربار نبوی میں پہنچ کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مقدس پر بیعت کر رہا ہے ' اگر کوئی مدعی دربار نبوی صلی اللہ علیہ وسلم تک رسائی نہیں رکھتا ' پھر بیعت لیتا ہے تو وہ دھوکہ باز ہے ' ماخوذ ہو گا - پس کامل





وناقص کی یہی پہچان ہے خوب سمجھ لو -

بعض سادہ لوح دریافت کرتے ہیں کہ اگر پیر فوت ہو جائے تو کیا دوسری جگہ بیعت جائز ہے ؟ خدا کے بندو ! پہلے اتنا تو غور کرو کہ بیعت بجائے خود مقصد نہیں ' بلکہ ایک مقصد کے حصول کے لئے ایک ذریعہ ہے ' مقصد ہے اللہ کی رضا حاصل کرنا اور بیعت ذریعہ ہے تاکہ ایک کامل کی شاگردی اختیار کر کے یکسو ہو کر تعلیم حاصل کرتا رہے اور ترقی کرتا چلا جائے - اگر پیر کے فوت ہوجانے پر آدمی کوئی دوسرا استاد تلاش نہ کرے گا تو ظاہر ہے کہ اول تو اپنا نقصان کرے گا اور اس سے بڑا نقصان یہ ہے کہ اس کے پیش نظر رضائے الہی کا حصول نہیں بلکہ شخصیت پرستی کا شکار ہے -

پھر یہ سوچو کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد کیا صحابہ کرام رض نے خلفائے راشدین کی بیعت نہیں کی تھی ؟ پھر یہ سوال کیوں پیدا ہوا کہ پیر کے فوت ہو جانے کے بعد دوسری جگہ بیعت جائز ہے یا نہیں ؟

تصوف اور تزکیہ باطن میں شیخ اور سالک کا تعلق بڑا نازک ہے ' ظاہری علوم میں معاملہ اور قسم کا ہے ' استاد سے نفرت اور اس کی مخالفت کے باوجود آدمی ظاہری علم حاصل کر سکتا ہے ' مگر اس راہ میں شیخ کامل میسر آجائے تو اس کی مخالفت مانع فیض ہی نہیں بلکہ حرام ہے - شیخ کامل کی مخالفت دراصل تزکیہ باطن اور رضائے الہی کے حصول سے نافرور میدہ ہونے کی دلیل ہے -

## ضرورت شیخ

ضرورت شیخ کے سلسلے میں ایک سوال بعض ذہنوں میں ابھرتا ہے کہ جب کتب تصوف میں ہر قسم کے اذکار اور وظائف اور ان کے پڑھنے کے طریقے درج ہیں تو ان پر عمل کر کے انسان کامل بن سکتا ہے - پھر شیخ کی کیا ضرورت ہے - ؟

اس کا جواب یہ ہے کہ طب کی کتابوں میں ہر قسم کے نسخہ جات ' طریق علاج ' وزن ادویہ اور طریق استعمال موجود ہے ۔ پھر کسی ماہر طبیب اور ڈاکٹر کے پاس جانے کی کیا ضرورت ہے ؟ کیا کسی معقول آدمی کے ذہن میں یہ سوال بھی ابھرتا ہے ؟ ظاہر ہے کہ ایسا نہیں ' آخر اس کی وجہ ؟ وجہ صرف یہی ہے کہ جان عزیز ہے ' اور احتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ طب کی کتابوں اور اپنے علم پر بھروسہ نہ کیا جائے ' بلکہ اچھی طرح چھان بین کر کے کسی ماہر طبیب کو تلاش کیا جائے ۔ اور اسی سے علاج کرایا جائے ' اسی طرح اگر ایمان عزیز ہو ' اور اللہ تعالٰے سے تعلق پیدا کرنا مقصود ہو تو معقولیت کا تقاضا یہی ہے کہ آدمی کسی معالج روحانی کو تلاش کرے ' کیونکہ روحانی طبیب کے بغیر روحانی صحت اور تزکیہ باطن اور تعلق مع اللہ پیدا ہونا محال ہے ۔



# ۸

# منازلِ سلوک

سلوک کی ابتدائی منازل ۔
استغراق کی حقیقت ۔
انبیاءؑ کی نیند ناقضِ وضو نہیں ۔
نومِ انبیاءؑ وحی ہے ۔
مراقبات کی حقیقت
دوائر ثلاثہ
سیر کعبہ
منازلِ سالک المجذوبی
ولایت اولیاء کی منازل طے کرنے کیلئے چند شرائط

# منازلِ سلوک

## سلوک کے ابتدائی منازل

جب سالک کے لطائف منور ہو جائیں اور اس میں مزید استعداد پیدا ہو جائے تو شیخ کامل اسے سلوک کی منازل اس ترتیب سے طے کراتا ہے ۔ اول ۴ ستغراق اور رابطہ کرایا جاتا ہے ' پھر مراقبات ثلاثہ ' پھر دوائر ثلاثہ ' پھر مراقبہ اسم الظاہر والباطن ' پھر سیر کعبہ ' سیر صلوۃ اور سیر قرآن اور اس کے بعد فنائی الرسول ' کی منزل آتی ہے ۔

## استغراق کی حقیقت

استغراق ایک کیفیت ہے ' اس کی صحیح حقیقت تو مستغرق کو ہی معلوم ہوتی ہے ' مگر اتنا بیان کیا جا سکتا ہے کہ اس میں جسم کی مادی آنکھیں محو خواب ہوتی ہیں مگر قلب بیدار ہوتا ہے ۔ آدمی باتیں سنتا ہے ' وضو ٹوٹ جائے تو معلوم ہو جاتا ہے ' جس طرح بیداری میں معلوم ہوتا ہے ۔ البتہ انبیاء علیہم السلام اور اولیائے کرام کے استغراق میں بڑا فرق ہے ' انبیاء کا استغراق تام ہوتا ہے ' ناقض وضو نہیں ہوتا اور اولیاء کا استغراق تام نہیں ہوتا ' اس لئے ناقض وضو ہوتا ہے کیونکہ اس میں نیند مل جاتی ہے ' علامہ شامی نے اس پر بحث کی ہے نوم الانبیاء غیر ناقض کہ انبیاء کی نیند ناقض وضو نہیں ہوتی ۔

> الاجماع علی انہ صلی اللہ علیہ وسلم فی نواقض الوضوء کالامۃ
> الا ماصح من استثناء النوم ان عینی تنامان ولاینام قلبی ۲۸
>
> " اور اجماع امت اس پر ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نواقض وضو میں امت کے ساتھ شریک ہیں ' مگر ان کی نیند نواقض

سے مستثنیٰ ہے کیونکہ حدیث میں آیا ہے کہ میری آنکھیں سو جاتی ہیں مگر میرا دل نہیں سوتا۔"

(الحدیث)

## انبیاء کی نیند ناقض وضو نہیں

محدثین وفقہا کا اس بارے میں اتفاق ہے کہ نوم انبیا ناقض وضو نہیں، چنانچہ قاضی عیاض نے شفاء میں صفحہ ۲۸۱ پر اور بحرالرائق صفحہ ۳۹ پر اس پر بحث کی ہے۔

فان النوم مضطجعا ناقض الا فی حق النبی صلی اللہ علیہ وسلم صرح فی قنیہ بانہ صلی اللہ علیہ وسلم من خصوصیاتہ فھذا ھوالمشھور فی کتب المحدثین والفقھاء

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ سب کے لئے لیٹ کر سوجانا ناقض وضو ہے۔ صاحب فتاوی قنیہ نے اس کی تصریح کی ہے کہ نیند سے وضو کا نہ ٹوٹنا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیات سے اور محدثین اور فقہا کا مشہور مذہب یہی ہے۔

اور فتاوی قنیہ ۱:۵ پر ہے:۔

ففی مشکل الاثار وشرح السنہ ان نوم الانبیاء لیس بحدث وروی محمد عن ابی حنیفہ انہ نام صلی اللہ علیہ وسلم علی جنبہ وصلی بغیر وضوء قال تنام عینای ولاینام قلبی فھو من خصائصہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

امام طحاوی کی مشکل الآثار اور بغوی کی شرح السنہ میں ہے کہ انبیاء کا سو جانا ناقض وضو نہیں ہے۔ اور امام محمد رحمہ اللہ نے امام



ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے روایت کیا کہ حضورؐ پہلو کے بل سو گئے اور اٹھ کر وضو کئے بغیر نماز پڑھی اور فرمایا میری آنکھیں سوتی ہیں اور میرا قلب نہیں سوتا، اور یہ بات حضورؐ کی خصوصیات میں سے ہے اور کتاب الاثار امام محمد رحمتہ اللہ علیہ صفحہ ۹:۔

عن حماد عن ابراھیم قال توضا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فخرج الی المسجد فوجد المؤذن قد اذن فوضع جنبہ فنام حتی عرف منہ النوم وکانت لہ نومتہ تعرف کان ینفخ اذا نام ثم قام فصلی بغیر وضوء قال ابراھیم ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم لیس کغیرہ قال محمد ویقول ابراھیم ناخذ ما بلغنا ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال ان عینی تنامان ولا ینام قلبی فالنبی صلی اللہ علیہ وسلم فی ھذا لیس کغیرہ فاماسواہ فمن وضع جنبہ فنام فقدوجب علیہ الوضو وھو قول ابی حنیفہ رحمہ اللہ۔

حماد بیان کرتے ہیں ابراہیم سے کہ وہ کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو کیا پھر مسجد میں گئے دیکھا کہ مؤذن اذان کہہ چکا ہے آپ پہلو کے بل لیٹ گئے اور سو گئے اور آپ کا سو جانا معلوم ہو گیا، آپ کے سو جانے کی علامت یہ تھی کہ آپ خراٹے بھرتے تھے جب آپ جاگے تو اٹھ کر وضو کئے بغیر نماز پڑھی، ابراہیم کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم دوسرے لوگوں کی طرح نہیں ہیں۔ امام محمد کہتے ہیں کہ ہمارا مذہب وہی ہے جو ابراہیم نے بیان کیا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری آنکھیں سوتی ہیں میرا دل نہیں سوتا پس حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس نیند اور وضو کے معاملے میں دوسرے لوگوں کی طرح نہیں ہیں دوسروں میں جو پہلو کے

بل سو جائے اس کے لئے وضو کرنا واجب ہے ۔ امام ابوحنیفہ کا قول
یہی ہے اور یہی ان کا مذہب ہے ۔

ان اقتباسات سے معلوم ہوا کہ محدثین فقہا اور بالخصوص امام ابوحنیفہ کا مذہب یہی ہے کہ نیند سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا وضو نہیں ٹوٹتا ۔

" شیخ القرآن " نے اپنی تفسیر جواہر القرآن جلد اول صفحہ ۱۲۳'۱۲۴ پر اس عنوان کے تحت تفصیل دے کر لکھا ہے کہ "محدثین کرام کا مسلک یہ ہے کہ وہ ناقض وضو نہیں " یہاں تک تو درست فرمایا ' لیکن آگے صفحہ ۱۲۵ پر فرماتے ہیں کہ یہ کوئی قانون نہیں ' چنانچہ لیلۃ التعریس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سو گئے تھے " یعنی شیخ القرآن کے اجتہاد نے محدثین کرام کے مسلمہ مذہب کو باطل قرار دیا 'گویا شیخ القرآن کا مذہب یہ ہے کہ ع مستند ہے میرا فرمایا ہوا ۔

اپنے اس قول کی تائید میں فرمایا کہ شیخ ( مولانا حسین علی ) کا فرمان ہے کہ اس حدیث کے راویوں میں اختلاف ہے ۔

راویوں میں اختلاف کا مطلب کیا ہے ؟ کیا کسی راوی نے یہ بیان کیا ہے کہ نوم انبیاء ناقض وضو ہے ؟ اگر ایسا ہے تو وہ حدیث پیش کریں ۔

اصول یہ ہے کہ جب راویوں کے الفاظ میں اختلاف آجائے تو قدر مشترک نکالا جائے گا تو روایات کا قدر مشترک یہ ہے کہ نوم انبیاء غیر ناقض ہے ۔ خواہ کوئی راوی بعد عشاء کے ' خواہ وقت سحر کے ' یا بعد وتر کے بیان کرے ' یا فجر کی سنتوں کے بعد کے ' یہ بات تو سب نے کہی کہ نوم انبیاء ناقض وضو نہیں ۔ پھر راویوں کے اختلاف نے آپ کے قول کو کیا تقویت دی ہے ؟

جب آپ تسلیم کر چکے ہیں کہ محدثین کا مذہب یہی ہے کہ نوم انبیاء غیر ناقض ہے ' پھر آپ کے قول سے جمہور محدثین کے اجماعی مذہب کو کیونکر ترک کر دیا جائے ؟ رہا لیلۃ التعریس کا حوالہ تو تمام محدثین فقہا اس کا جواب دے چکے



ہیں کہ آفتاب مدرک قلب نہیں بلکہ مدرکات چشم سے ہے ' یعنی آفتاب کا ادراک قلب کا کام نہیں ' بلکہ آنکھ کا کام ہے ۔ قلب تو لطیف چیزوں کو دیکھ سکتا ہے ' پھر ہو سکتا ہے کہ نیند استغراق تام ہو توجہ الی باری تعالے ہو اور شمس سے غفلت ہو ۔ مختصر یہ کہ شیخ القرآن کا مذہب حدیث وفقہ کے خلاف ہے محدثین کے مخالف ہے امام حماد ابراہیم ' امام محمد اور امام ابوحنیفہ رحمہم اللہ کے خلاف ہے پھر لطف یہ کہ آپ حنفی بھی ہیں اور شیخ القرآن بھی ہیں ۔ اور باہمت اور جرات مند ایسے کہ قول رسول ؐ کو ٹھکرادیں محدثین اور فقہاء کے اجماعی فیصلہ کو ٹھکرادیں اور ان کی توحید پر اور حنفیت پر کوئی حرف نہ آئے ۔

ترجمان القرآن اور حبرالامت حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا مذہب ابوداؤد ا:۲۷ اور اس کی شرح بذل المجہود ا:۱۲۵ میں بیان ہوا ہے ۔

> قال ابن عباسؓ کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم محفوظا من ان یخرج منہ حدث فلم یشعر بہ عن عائشہؓ تنام عیناہ ولا ینام قلبہ ای ھذا من خصائص الانبیاء علیہم الصلوۃ والسلام وقلب المصطفٰے فانہ اکرام لہ لئلا یخلو وقتہ من معارف الالھیہ والمصالح الدینیہ
>
> حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس امر سے محفوظ تھے کہ آپ کے اندر سے ریح خارج ہو اور آپ کو معلوم نہ ہو سکے ۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھیں سو جاتی تھیں اور قلب پر نیند یا غفلت نہ آتی تھی اور نیند میں وضو نہیں ٹوٹتا تھا یہ بات انبیاء علیہم السلام کی خصوصیات سے ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب کی خصوصیات سے ہے ' تاکہ حضور کے قلب پر کوئی ایسا وقت نہ گزرے کہ معارف الٰہیہ اور مصالح دینیہ کے

حصول سے غافل ہو -

اس روایت سے حضرت عبداللہ ابن عباسؓ کا مذہب واضح ہے کہ نوم انبیاء ناقض وضو نہیں رہا لیلۃ التعریس کا سوال تو اس کے جواب میں یہ کہا جاتا ہے کہ :-

وقیل انہ کان فی وقت ینام قلبہ وفی وقت لاینام فصارت الوادی نومہ والصواب الاول

کہا گیا ہے کہ کسی وقت حضورؐ کا قلب غافل ہو جاتا اور کسی وقت غافل نہیں ہوتا - اس میں نیند آگئی ' اور صحیح بات اول ہی ہے ( انبیاءؑ کے قلب پر غفلت نہیں آتی )

اصل بات تو وہی کہ والصواب الاول یعنی بات صحیح یہی ہے کہ انبیاءؑ کے قلب پر غفلت نہیں آتی - مگر پہلی بات بھی آخر کہی تو گئی ہے ' مگر دیکھنا یہ ہے کہ " قیل " کا قائل کون ہے ' اگر قائل کا پتہ ہی نہیں تو اس کی بات کو حجت قرار دینا کون سی دانش مندی ہے -

حدیث تنام عینای ولاینام قلبی بخاری ۱:۲۲۳ پر اور صفحہ ۹۷ پر اور صفحہ ۱۱۹ پر اور صفحہ ۲۵۴ پر بھی موجود ہے ' اسی طرح مسلم شریف میں بھی موجود ہے ' اور خصائص کبری ۱:۱۷۳ پر متعدد احادیث مذکور ہیں :-

۱: اخرج الشیخان عن عائشہ قالت قال النبیؐ صلی اللہ علیہ وسلم تنام عینی ولا ینام قلبی

۲: اخرج ابونعیم عن ابی ہریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تنام عینی ولاینام قلبی

۳: واخرج الشیخان عن انس ابن مالک قال قال رسول اللہ صلی



اللہ علیہ وسلم الانبیاء ینام اعینہم ولاتنام قلوبہم

۴: واخرج ابن سعد عن عطاء عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال انا معشرالانبیاء وینام اعینہم تنام اعیننا ولاتنام قلوبنا -

۵: وعن الحسن مرفوعا تنام عینای ولاینام قلبی

۶: واخرج ابونعیم عن جابر ابن عبداللہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان تنام عیناہ ولا ینام قلبہ

۷: واخرج ابونعیم عن ابن عباس الخ الی ان قال ان ھذا النبی تنام عیناہ ولا ینام قلبہ

۸: واخرج الحاکم وصححہ عن انس قال کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم تنام عیناہ ولاینام قلبہ

جمہور اہل اسلام کا عقیدہ یہی ہے کہ انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کی آنکھوں پر نیند طاری ہوتی ہے ' مگر ان کے قلب پر غفلت طاری نہیں ہوتی - یہی عقیدہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام صحابہؓ کو سکھایا ' جیسا کہ حضرت عائشہؓ ' ابن عباسؓ ' انس بن مالکؓ ' ابوہریرہؓ اور امام حسن بصری ' امام بخاری ' امام مسلم ' محدث حاکم ' محدث ابونعیم اور ابوداؤد اور امام نووی ' امام سیوطی ' قاضی عیاض عطا خراسانی ' اور امام محمد اور امام ابوحنیفہ رحمہم اللہ کا مذہب یہی ہے - اس کے علاوہ بحرالرائق فتاوی شامی اور فتاوی قنیہ میں یہی عقیدہ ہے اور ملا علی قاری کا یہی عقیدہ ہے اور سابقہ امتوں کا بھی یہی عقیدہ چلا آیا ہے جیسا کہ خصائص کبری ۱:۱۷۹ پر تفصیل موجود ہے -

اس عظیم جماعت کے مقابلے میں " شیخ القرآن " کا مذہب ہے جو جمہور کے مخالف ہے - اور اس کی بناء یا تو شیخ القرآن کی ذاتی رائے پر ہے یا " قیل " پر ہے جس کا قائل نہ تو روایت میں بیان ہوا ہے نہ شیخ القرآن نے نشاندھی فرمائی اور اس نامعلوم شخص کی بات پر اپنے مذہب کی بنیاد رکھ دی -

# نوم انبیاء وحی ہے

قال تعالی – قال یبنی انی اری فی المنام انی اذبحک فانظر ماذاتری قال یابت افعل ماتومر ( الصّٰفّٰت )

" حضرت ابراہیم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ برخوردار میں خواب دیکھتا ہوں کہ میں تم کو ذبح کر رہا ہوں ' سو تم بھی سوچ لو ' تمہاری کیا رائے ہے – وہ بولے اباجان ! آپ کو جو حکم ہوا ہے آپ کیجئے "

کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا نام لم یوقظ حتی یکون هو یستیقظ لاندری مایحدث له فی نومه ۲۹

" نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب نیند میں ہوتے تو اپ کو جگایا نہیں جاتا تھا ' جب تک خودبیدار نہیں ہوتے ' کیونکہ ہم نہیں جانتے تھے کہ نیند میں اپ پر کیا کچھ نازل ہو رہا ہے ؟ "

ابن کثیر اور بخاری میں ہے کہ : –

قال ابن ابی عمیر رویا الانبیاء وحی –

" ابن ابی عمیر جلیل القدر تابعی فرماتے ہیں کہ انبیاء کا خواب وحی ہوتا ہے – "

علامہ سہیلی لکھتے ہیں کہ : –

حتی اتوہ لیلہ اخری فیما یری قلبه تنام عینه ولاینام قلبه وکذالک الانبیاء تنام اعینهم ولاتنام قلوبهم ۳۰

" ملائکہ کرام – رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس رات کو سوتے میں آئے ' اس حالت میں کہ حضورؐ کا قلب بیدار تھا ' اور



آنکھیں سورہی تھیں اور دل نہیں سو رہا تھا اسی طرح انبیاء علیہم السلام کی آنکھیں سو رہی ہوتی ہیں اور قلب بیدار ہوتا ہے "

اور فتح الباری میں ہے کہ : –

قال الخطابی فانما منع قلبه من النوم لیعی الوحی الذی یاتیه فی المنام ۳۱

" خطابی فرماتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قلب کو نیند سے روکا گیا ہے ' تاکہ اس وحی کو یاد رکھیں جو نیند میں نازل ہوتی ہے – "

وعن ابی هریرة ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال بینما انا نائم رایت فی یدی سوارین من ذهب فاهمنی شانهما فاوحی فی المنام ان انفخهما ۳۲

" حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میں سو رہا تھا ' میں نے دیکھا کہ میرے ہاتھ میں سونے کے کنگن ہیں –

سوارین من ذهب فاهمنی شانهما فاوحی فی المنام ان انفخهما

مجھے ان کی وجہ سے رنج ہوا ' پس میری طرف وحی کی گئی کہ انہیں پھونک دے "

قال ابن عباس رویا الانبیاء وحی ۳۳

ان الوحی یاتی الانبیاء من اللہ ایقاظا ومناماً ۳۴

" ابن عباس نے فرمایا کہ انبیاء علیہم السلام کا خواب وحی ہوتا ہے "

" اللہ تعالی کی طرف سے انبیاء علیہم السلام کی طرف خواب اور

بیداری میں وحی آتی ہے"

**فائدہ :** نص قرآن سے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کا یہ عقیدہ ثابت ہوا کہ انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کا خواب وحی ہوتا ہے ۔ حدیث وآثار سے صحابہؓ کا یہی عقیدہ ثابت ہوتا ہے ' تابعین رحمہم اللہ علیہم کا بھی یہی عقیدہ تھا ' فقہائے امت رحمہم اللہ علیہم کا یہی عقیدہ تھا ' جیسا کہ شامی میں آچکا ہے ' بلکہ ساری امت کا یہی عقیدہ ہے جیسا روض الالف کی عبارت میں لفظ "**کذالک**" سے متبادر ہوتا ہے ۔

سوال : لیلۃ التعریس میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نماز فوت ہو گئی ' اگر نوم انبیاء علیہم السلام میں قلوب غافل نہ ہوتے تو وقت نماز اور وقت طلوع شمس معلوم کر لیتے

الجواب : آفتاب چشم ظاہری کے مدرکات سے ہے ' تعطل چشم سے اس کے مدرکات میں بھی تعطل آگیا ۔ آفتاب قلب کے مدرکات سے نہیں ' یہ سوال ہی جاہلانہ ہے ۔

۲: استغراق میں قلب ماسوائے اللہ سے منقطع ہو جاتا ہے اور انوار وتجلیات میں مستغرق ہوجاتا ہے ۔

سوال : حدیث لیلہ التعریس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہؓ کی غفلت کا سبب نیند ہی بیان کیا گیا ہے ۔ استغراق نہیں اور استغراق کا ذکر حدیث میں نہیں ہے '

الجواب : اثر سے موثر پر استدلال غلط ہے ۔ نماز سے غفلت ایک اثر ہے ' مگر ممکن ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا موثر غفلت استغراق ہو جس کا قرینہ دوسری حدیثیں ہیں اور صحابہؓ کا سبب موثر نیند ہو ۔

سوال : اگر قلب کی غفلت تسلیم نہ کی جائے تو خدا سے شرکت لازم آتی



ہے **لاتاخذہ سنۃ ولانوم** ۔

الجواب : قرآن مجید سے ثابت ہے کہ ملائکہ کو نیند نہیں آتی ۳۵؎ اور شیطان کو بھی نیند نہیں آتی ۔ دیکھئے احیاء العلوم جلد ۳ صفحہ ۲۱ ' صاحب ! یہ اوصاف سلبیہ ہیں ' اور اوصاف سلبیہ میں شرک کہاں ؟ آنکھیں خود حادث ہیں اور حادث مسبوق بالعدم کو خالق کل سے کیا نسبت ؟

حدیث میں استغراق کے مذکور نہ ہونے کی وجہ سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نیند کو سبب غفلت نہیں قرار دیا جا سکتا ' کیونکہ حدیث شریف میں غفلت نوی کو بوجہ شیطان بیان کیا گیا ہے ' کیا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی غفلت نماز کا سبب نیند ہو سکتی ہے ؟ نیز کسی امر کے نص میں مسکوت عنہ ہونے سے اس کا دعویٰ کرنا نص کے مخالف نہیں ہوتا ۔

## مراقبات کی حقیقت '

مراقبہ احدیت کا مفہوم اور حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات کے مقابلے میں تمام عالم معدوم ہے ۔

پناہ بلندی وپستی توئی     ہمہ نیستند آنچہ ہستی توئی

مراقبہ معیت میں سوچے کہ ہر جگہ ذات باری تعالیٰ حاضر وناظر ہے ' صرف باعتبار علم کے نہیں بلکہ باعتبار ذات کے میرے ساتھ ہے ' اس کی ہیبت اپنے قلب پر طاری رکھے ۔

مراقبہ اقربیت میں قرب ذات کے وجود کا خیال رکھے کہ وہ باعتبار ذات کے قریب اور باعتبار وجدان کے بعید ہے ۔

## دوائر ثلاثہ

ان مراقبات میں اس کی مشق کرائی جاتی ہے کہ غیر اللہ کی محبت دل سے دور کر دے وہ ذات محبت اختیاری میں غیر کی شرکت پسند نہیں کرتی کیونکہ یہ شرک فی المحبت ہے ۔ ۳۶

## سیر کعبہ ؛

اس مراقبہ میں یہ احتیاط ہوتی ہے کہ سالک یہ خیال نہ کرے کہ ان پتھروں کا مراقبہ کر رہا ہوں 'کعبہ کی حقیقت تو کچھ اور ہی ہے ۔

فالبیت عبارة من لطیفه ربانیه فی بعد موهوم مهبط التجلیات الذاتیه فمختصه به صورة الکعبه مع کونها من عالم الخلق امر مبطن لایدرک حس ولاخیال بل هو مع کونه من المحسوسات لیس بمحسوس وکونه فی جهه لیس له جهه فتمثل ولامثل له هذا شان الکعبه فحقیقه الکعبه ۳۷

بیت اللہ عبارت ہے لطیفہ ربانیہ سے جو بعد موہوم ہے جو مہبط تجلیات ذاتیہ ہے جو اسی سے مختص ہیں ' پس صورت کعبہ کی باوجودیکہ عالم خلق سے ہے باطن ہے جسکو حس اور خیال نہیں سمجھ سکتے محسوسات میں سے ہے مگر محسوس نہیں اور جہت میں ہے مگر اس کیلئے جہت نہیں اور وہ متمثل ہے مگر اس کی مثال نہیں یہ ہے شان کعبہ کی اور یہ ہے حقیقت بیت اللہ کی "

جب یہ مراقبہ راسخ ہو جاتا ہے تو استعداد کے بعد سالک کو کعبہ ملا کہ بیت العزۃ اور بیت المعمور کا مراقبہ کرایا جاتا ہے اور تجلیات انوار الٰہی کعبہ سے لے کر عرش تک نظر آتی ہیں ۔



## منازل سالک المجذوبی

اس کے بعد مراقبہ فناء وبقاء کرایا جاتا ہے ' اس کے بعد سالک المجذوبی کے منازل طے کرائے جاتے ہیں ' خیال رہے کہ سالک المجذوب اور مجذوب سالک میں بڑا فرق ہے ' سالک المجذوب متبع شریعت ہوتا ہے اور مجذوب سالک ظاہرا متبع شریعت نہیں ہوتا اس کے قوی باطنی جل چکے ہوتے ہیں ' اس کی مثال ایسی ہے ' جیسے کسی نابینا کو ' یا بینا کو اس کی آنکھوں پر پٹی باندھ کر موٹر میں بٹھا کر پشاور سے لاہور لے جائیں ' پھر اس سے راستے کی تفصیلات یا نشان راہ پوچھے جائیں تو وہ کچھ نہ بتاسکے گا ' اس لئے مجذوب سالک سے کسی کو فیض نہیں مل سکتا ۔ کیونکہ راستہ سے واقف ہی نہیں ہوتا 'مگر سالک المجذوب منازل طے کر کے جاتا ہے ' اسے راستے کی تفصیلات معلوم ہوتی ہیں ' یہ منازل بہت اونچے ہیں مگر عوام جہلا تو ہر مجنوں اور پاگل کو مجذوب ہی خیال کرتے ہیں ' اور کامل واکمل ولی اللہ سمجھتے ہیں ۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس سے بعض عجیب باتیں صادر ہوتی ہیں ' حالانکہ ایسی باتیں مجنون سے بھی صادر ہو سکتی ہیں ' کیونکہ اسے یکسوئی حاصل ہوتی ہے ۔ شرح اسباب میں موجود ہے کہ مجنون کو یکسوئی حاصل ہو جاتی ہے ' ایسے آدمی کے متعلق احتیاط لازم ہے ' نہ اسے برا کہا جائے ' نہ ولی اللہ سمجھ لیا جائے ۔ قرآن کریم نے اصول بتایا ہے : **ولا تقف ماليس لک به علم** ۔ اس لئے مجذوب نما آدمی کے بارے میں توقف مطابق قرآن ہو گا ۔ اگر عارفین میں سے کوئی صاحب نظر بتا دے کہ وہ بدکار ہے تو مردود سمجھا جائے 'کامل واکمل تصور کر کے شریعت کی توہین نہ کی جائے ۔

اس سے آگے سلوک کی منازل ماوراء الورا ہیں ۔ گوباقی سلسلوں میں سالک المجذوب منتہی ہوتا ہے مگر ہمارے سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ میں سالک المجذوب مبتدی ہوتا ہے ۔ ولایت صغریٰ یعنی ولایت اولیاء کی انتہا ' مقام تسلیم ہے' اس

سے آگے ولایت انبیاء علیہم السلام شروع ہوتی ہے جسے ولایت کبریٰ کہتے ہیں ۔ ہم ولایت کے منازل کی تفصیل بیان کر دیتے ، اور ہر مقام کی نشان دہی بھی کرتے ، مگر ایک قابل ہستی نے ایسا نہ کرنیکا مشورہ دیا ، وہ بات دل میں بیٹھ گئی کہ اس تحریر سے فائدہ اٹھا کر کوئی جھوٹا مدعی ولایت مقامات کا نام بتا کر اور اپنی ولایت کا سکہ جما کر اللہ کے بندوں کو گمراہ کرتا رہے گا ، ہاں اتنا اشارہ کر دینا ضروری سمجھتے ہیں کہ اگر اللہ تعالے کو منظور ہو تو ولایت اولیاء کے منازل انتہا تک طے ہو سکتے ہیں اور کرائے جا سکتے ہیں ، مگر چونکہ اس کی انتہا عالم امر اور عالم حیرت میں جا کر ہوتی ہے ، اس لئے مدت درکار ہے اور ولایت انبیاء کی انتہا نہ کسی ولی کو بتائی گئی ہے ، نہ معلوم ہو سکتی ہے ۔

## ولایت اولیاء کے منازل طے کرنے کیلئے چند شرائط

ان منازل ومقامات کے طے کرنے کے لئے پانچ شرائط ہیں :

١ ۔ شیخ کامل واکمل اور صاحب تصرف ہو جو توجہ دے کر سالک کو اس راہ پر چلاتا جائے مگر اس کے لئے کافی عرصہ تک دوام صحبت شیخ لازمی ہے ، گاہے گاہے توجہ اور صحبت شیخ سے تو ولایت صغرے کے منزل طے ہونے سے رہے ۔

٢ ۔ کسی کامل کی روح سے رابطہ پیدا ہو جائے ، لیکن یہ مبتدی کا کام نہیں ۔ البتہ بعض منازل طے ہونے کے بعد ایسا ہو سکتا ہے ۔ اس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ کامل کے مزار پر جا کر اس کی روح سے رابطہ قائم کر کے فیض حاصل کرے ، اس کے لئے بھی مسلسل کافی عرصہ تک محنت کرنے کی ضرورت ہے جس طرح زندہ شیخ کی صورت میں مسلسل توجہ لینے کی ضرورت ہوتی ہے ۔

٣ ۔ قبر پر جانے کی بجائے روحانی طور پر رابطہ قائم کر کے فیض حاصل کرے ۔



نوٹ : فیض سے مراد وہ روحانی تربیت ہے جو اہل اللہ سے حاصل کی جاتی ہے ، جہلاوالا فیض نہیں کہ قبروں کا طواف کرتے رہیں ، قبروں پر سجدے کرتے رہیں ، یا ندا غائبانہ کرتے رہیں اور انہیں حاجت روا اور مشکل کشا سمجھتے رہیں ۔

۴ ۔ شیخ زبردست جذبے کامالک ہو مقناطیسی قوت رکھتا ہو ، اس کے انوار میں اتنی طاقت ہو کہ سالک کی روح کو اپنے انوار کے ذریعے کھینچ کر لے جائے اور توجہ غیبی سے روحانی طور پر سالک کی تربیت کر سکے ۔

۵ ۔ سالک اور اللہ تعالے کی ذات کے درمیان نسبت پیدا ہو جائے جس کی وجہ سے سالک کو اس طرح فیض ملے جیسے انبیاء علیہم السلام کو براہ راست فیض ملتا ہے فرق اتنا ہے کہ انبیاء علیہم السلام اور اللہ تعالی کے درمیان کوئی واسطہ نہیں ہوتا مگر ولی اللہ اور اللہ تعالی کے درمیان اتباع نبویؐ کا واسطہ ہو گا ۔

یعنی اسے یہ فیض بواسطہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ملے گا ۔ اور حضورؐ کی جوتیوں کے صدقے فیض حاصل کرے گا ۔

آخری دو شعبوں میں جن حضرات کا ذکر کیا گیا ہے ، اس قسم کے آدمی صدیوں کے بعد کہیں پیدا ہوتے ہیں ۔ جس طرح انبیاء علیہم السلام تو عام آتے رہے مگر اولوالعزم رسول قلیل بلکہ اقل ۔ اسی طرح ایسے آدمی بھی بہت کم ہوتے ہیں ، ایسے آدمی غوث ، قیوم ، فرد یا قطب وحدت ہوتے ہیں ، ان کے بلند مناصب کی وجہ سے ان کی توجہ اور فیض رسانی میں بڑا فرق ہے ، قیوم کی ایک توجہ غوث کی سو توجہ کے برابر ہوتی ہے ، اور اسی طرح سے سلسلہ آگے چلتا ہے ۔ قیوم ، فرد اور قطب وحدت دراصل اولوالعزم رسولوں کے مناصب ہیں ، ان تینوں کی شان اولیاء میں اس طرح ہوتی ہے جس طرح انبیاء کرام میں حضور علیہ الصلوۃ والسلام حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت موسی علیہ السلام کی ہے ۔

ان انتہائی بلند منازل سلوک میں سب سے اونچا درجہ صدیقیت ہے ، ان

کی ترتیب یوں ہے غوث ' قیوم ' فرد ' قطب وحدت اور صدیق ' ان مناصب پر صحابہ کرامؓ تو کافی تعداد میں تھے ' مگر بعد میں بہت ہی قلیل لوگوں کو یہ منصب عطا ہوئے ' مگر خیال رہے کہ ان مناصب میں بظاہر برابری کے باوجود صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ہم پلہ کوئی نہیں ہو سکتا - ان کی فضیلت نص سے ثابت ہے -

قطب وحدت میں تین امتیازی خصوصیات ہوتی ہیں :

۱ - اگر کوئی آدمی رات دن مسلسل اس کی صحبت میں رہے تو القاء کئے بغیر اس کے لطائف منور ہو جاتے ہیں ' بلکہ منازل سلوک بھی شروع ہو جاتے ہیں -

۲ : اس کا کوئی تربیت یافتہ اس کی اجازت کے بغیر بھی اگر کسی کو لطائف کرانا شروع کر دے تو دوسرے آدمی کے لطائف منور ہو جاتے ہیں ' بلکہ صرف لطائف والا شاگرد بھی کسی کو تربیت شروع کر دے تو اسے ضرور فائدہ پہنچتا ہے -

۳ : وہ اپنے شاگردوں کو توجہ غیبی سے فیض دیتا ہے ' اور منازل بدستور طے ہوتے رہتے ہیں ' مگر مبتدی شاگرد کے لئے یہ حکم نہیں

صدیق اور نبیؑ میں اتنا قریبی اتصال ہے کہ جہاں صدیقیت ختم ہوتی ہے ' وہاں سے نبوت شروع ہوتی ہے -

کما قال اللہ تعالی ومن یطع اللہ والرسول فاولئک مع الذین انعم اللہ علیہم من النبیین والصدیقین اور واذکر فی الکتاب ابراھیم انہ کان صدیقانبیا -

" اور جو شخص اللہ اور رسول کا کہنا مان لے گا تو ایسے اشخاص بھی ان لوگوں کے ساتھ ہوں گے ' جن پر اللہ نے انعام فرمایا یعنی انبیاء علیہم السلام اور صدیقین - اور اس کتاب میں ابراہیم علیہ السلام کا ذکر کیجئے وہ صدیق اور نبی تھے - "

صدیقیت سے بلند تر ولایت کا کوئی مرتبہ نہیں ' اس کے بعد منازل نبوت



شروع ہوتے ہیں - جن میں کسی ولی کا عارضی طور پر داخل ہونا تو ممکن ہے ' جیسے کوئی معمولی خادم بادشاہ کے حکم سے شاہی محل میں کسی خدمت کے لئے چلا جائے یا جیسے جنت میں انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کے ہمراہ غیرانبیاء جائیں گے جیسے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جنت میں ازواج مطہرات کا جانا ہے - مگر مستقل مقام اور مستقر کے طور پر ان منازل میں جانا کسی ولی کے لئے ممکن نہیں - ان منازل کی تفصیل یہ ہے :

دائرۂ قرب نبوتؑ - قرب رسالت ' قرب او الوالعزمی قرب محمدی ' وصال محمدی ' قرب الہی ' رضائے الہی ' قرب رحمت بحر رحمت ' خزانہ رحمت ' منبع رحمت اور حجابات الوہیت - ان حجابات کو طے کرنے کے لئے عمر نوح بھی ناکافی ہے حجابات کے بعد بھی غالبا اور منازل سلوک ہوں گے مگر ابھی تک علم نہیں ہوا - ممکن ہے اس گنہگار پر اللہ تعالی اپنا خاص فضل فرما کر آگے منازل بھی طے کرا دے وہ قادر کریم ہے اسکی رحمت سے کوئی بعید نہیں -

ان منازل کے طے کرنے کے تین ہی طریقے ہیں :

اول : یہ کہ عارف کی تربیت روح پر فتوح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خود فرمائے -

دوم : یہ کہ اتباع نبویؐ کے واسطے سے براہ راست اللہ تعالی کی ذات بابرکات سے فیض ملے -

سوم : یہ کہ جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا فیض ربی سے تربیت مل رہی ہو اسکی تربیت میں رہ کر کامل بن کر اسکی " غیبی توجہ " سے فیض حاصل کرے ' مگر مستقل مقام اور مستقر کے طور پر ان منازل میں جانا کسی ولی کے لئے ممکن نہیں -

کلامنا اشارات وبشارات واسرار وکنوز ورموز لانصیب

للاکثر فیہا الاان یومنوا بہا بحسن الظن فینتج ایمانہم ثمرات تنفع لہم ولایومن بہا الامن آمن بقدرۃ القادر فبحکمۃ الحکیم -

" ہماری باتیں حقیقت کی طرف اشارے ہیں بشارتیں ہیں اور اسرار ہیں - ان سے فائدہ صرف وہی اٹھا سکتا ہے جو حسن ظن کے ساتھ ان پر یقین رکھے ' صرف اسی صورت میں اس کا یقین نتیجہ خیز ہو سکتا ہے اور ان پر یقین وہی رکھ سکتا ہے جس کا اللہ تعالے کی قدرت اور اس کی حکمت پر ایمان ہو -



# ۹

# وِلایتِ اَنبیاؑ علیھمُ السَّلام

# ولایت انبیاء علیہم السلام

انسانی نسل کے وجود کا باعث اور زمین کی آبادی کا سبب حضرت آدم علیہ السلام کا وجود مسعود ہے اور محبت اور محبوبیت کا سبب بھی ان کا وجود ہے کما قال تعالے **انی جاعل فی الارض خلیفہ** - اس بناء پر رب العالمین نے دائرہ محبت کا صدر نشین بھی انہی کو بنایا - ولایت انبیاء علیہ السلام کے کئی دائرے اور بھی ہیں - ولایت عیسویؑ ' ولایت موسویؑ اور ولایت محمدیؑ کے دائرے ' ان کے علاوہ مقام تکلمی اور دائرہ ولایت ابراہیمیؑ بھی ہیں -

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو طرح طرح کی آزمائشوں میں ڈالا گیا ' وہ ہر امتحان میں پورے اترے ' اس لئے رب العالمین نے انہیں اپنا خلیل بنایا - ان کی ولایت کے دائرہ کا نام مقام خلہ ' ہے جس طرح بادشاہ کے مقربین خاص ہوتے ہیں ' جن سے راز ونیاز کی باتیں کی جاتی ہیں - خفیہ اسرار بتائے جاتے ہیں ' یہ کلیم اللہ ہیں جن سے راز ونیاز کی باتیں ہوئیں ان کی ولایت کے دائرہ کا نام محبیّت ہے - پھر راس ورئیس المحبوبین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں ' ان کی ولایت کے دائرہ کا نام دائرہ محبوبیت ہے اور دائرہ حب صرفہ - حب صرفہ کے بعد مقام رضا ہے ' جس کے متعلق امام ربانی مجدد الف ثانی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ :

> انہ ینبغی مجاوزتہا والوصول الی مقام الرضاء التی ہونہایہ مقامات السلوک والجذبہ فہو عزیز جدا لا یصل الیہ الاآحاد من الوف -
>
> (روح المعانی ۱۲: ۲)

" شان یہ ہے کہ کشف وکرامت سے آگے قدم رکھا جائے اور مقام رضا کو حاصل کیا جائے جو مقامات سلوک وجذبہ کی انتہا ہے اور

اس کا حصول بہت ہی مشکل ہے ' ہزاروں اولیاء میں سے کوئی ایک
اس مقام تک پہنچتا ہے -

بعض صوفیہ کرام کا خیال ہے جیسا امام ربانی رحمتہ اللہ علیہ کے قول سے معلوم ہوتا ہے کہ ولایت انبیاء علیہ السلام مقام رضا پر ' منتہی ہوتی ہے ' مگر مقام رضا کے آگے دائرہ کمالات نبوت ' پھر دائرہ کمالات رسالت اور دائرہ کمالات اولوالعزمی ہیں - اور اس پر تمام محققین کا اتفاق ہے کہ یہ دائرے مقام رضا کے بعد آتے ہیں - پھر مقام رضا کو انتہا کیوں کر کہا جائے گا ان تمام دائروں کے مراقبات میں اصل مقصود مراقبہ ذات باری تعالیٰ کا ہے اور اس کی ذات کے فیض کا انتظار ہے - پس کمالات نبوت ورسالت اور کمالات اولوالعزمی کا منشاء وہی ذات ہے مگر حیثیت بدلتی ہے اور باعتبار حیثیت کے یہ مراقبات اور ان کی کیفیات بدلتی ہیں ' مثلاً اس حیثیت سے کہ وہ ذات منشاء ہے جمیع قربات یعنی مسجودیت وغیرہ کا یہ دائرہ حقیقت صلوۃ کا ہے اور اس حیثیت سے کہ وہ ذات تمام نقائص تمام احتیاجات اور تمام رذائل سے مبرا اور منزہ ہے یہ دائرہ حقیقت صوم کا ہے اور اس حیثیت سے کہ وہ جمیع خلائق کا مسجود ومعبود ہے ' اسے دائرہ حقیقت کعبہ کہتے ہیں اور اس حیثیت سے کہ وہ ذات منشاء ہے کتب سماوی کا اور ذات واسع بے کیف وبے جہت ہے ' اس کو دائرہ حقیقت قرآن کہتے ہیں - قرآن مجید ذات واسع بے کیف کا مظہر ہے ' دائرہ حقیقت صوم کے علاوہ باقی تینوں دائرے حقیقت الٰہیہ ہیں اس کو سیرالی حقائق اللہ کہا جاتا ہے ' یہ تمام دائرے مقام رضا سے آگے ہیں ' اسکے بعد دائرہ قیومیت ' اس کے بعد دائرہ افرادیت ' پھر دائرہ قطبیت وحدت اور اس کے بعد دائرہ صدیقیت ہے جو سلوک کی انتہا ہے - مقام احدیت سے لے کر دائرہ اولوالعزمی تک نصف سلوک ہے اور باقی نصف اس کے بعد ہے ' جب یہ سننے میں آتا ہے کہ فلاں ولی اللہ نے یا فلاں خلیفہ صاحب نے پورا سلوک طے کیا



ہوا ہے تو حیرت ہوتی ہے ' کسی عارف نے فنا بقا تک منازل طے کر لیئے تو یہ بھی بڑی بات ہے . **ذالک فضل اللہ یوتیہ من یشاء** حالانکہ مقام فنابقا سلوک کی بالکل ابتدا ہے ' اور اولیاء اللہ کے تمام کمالات بمقابلہ ولایت نبوت کے مثل مشک کی رطوبت کے ہیں ' جیسے مشک پانی سے بھری ہوئی ہو اور اس کی بیرونی سطح پر رطوبت ظاہر ہو رہی ہو - پھر یہ کمالات جو بمنزلہ رطوبت کے ہیں صرف مدرسہ تقوی میں معلم متقی سے حاصل کئے جا سکتے ہیں تمام علوم ظاہری محبت دنیا کے ساتھ جمع ہو سکتے ہیں ' مگر علوم صوفیہ اور محبت دنیا کا ایک جگہ جمع ہونا اجتماع نقیضین کا حکم رکھتا ہے -

ان العلوم كلها لايبعد تحصيلها مع محبة الدنيا والاخلال بحقائق التقوى فربما كانت محبة الدنيا عونا على اكتسابها وعلوم هولاء القوم يعني الصوفيه لاتحصل بمحبة الدنيا ولاتنكشف الا بمجانبة الهوى فلاتدرس الافي مدرسة التقوى قال الله تعالى واتقوالله يعلمكم ۳۸

" تمام علوم محبت دنیا کے ساتھ حاصل ہو سکتے ہیں بلکہ اکثر محبت دنیا ان کے حصول میں معاون ہوتی ہے سوائے علوم صوفیہ کے ' یہ علوم محبت دنیا کے ساتھ حاصل نہیں ہو سکتے - ان کا حصول خواہش نفس کے دور ہونے پر موقوف ہے ' اور ان علوم صوفیہ کی تعلیم مدرسہ تقوی میں دی جاتی ہے - اللہ تعالے فرماتا ہے کہ تقوے اختیار کرو ' وہ تمہیں علم عطا فرمادے گا - "

حقیقت یہ ہے کہ اسلامی تصوف وسلوک محض شجرہ خوانی ' ٹوپی اوڑھنے ' خرقہ پہننے ' لمبی تسبیح ہاتھ میں رکھنے ' عرس منانے ' قوالی سننے ' وجد وتواجد اور ناچنے کودنے سے حاصل نہیں ہوتا ' بلکہ اس کے حصول کے لئے دوسری شرطیں ہیں '

جن میں سے سر فہرست اتباع شریعت ہے ' جس کا بنیادی تقاضا یہ ہے کہ توحید کا عقیدہ دل میں راسخ ہو اور اتباع سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اس کامل درجے کا ہو کہ اس میں بدعت کو مطلق دخل نہ ہو ' شرک وبدعت کی ہوا بھی مانع فیض ہے پھر شیخ کامل سے تعلق اور اس سے دلی عقیدت ضروری ہے ' اس کی مخالفت مانع فیض ہے ' اس پر قصہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت خضر علیہ السلام شاہد ہے ' پھر پورے خلوص سے ذکر الٰہی کی کثرت اور مجاہدہ وریاضت ۔ ان شرائط کے ساتھ منازل سلوک دس بیس سال میں طے ہو سکتے ہیں ' بشرطیکہ اللہ تعالےٰ کو ایسا منظور ہو ۔ تصوف تعلق مع اللہ اور اخذ حقائق کا نام ہے اور اس کا حصول ایسے اخلاص مع اللہ پر منحصر ہے ' جس میں مخلوق سے کسی قسم کی امید کی آمیزش نہ ہو ۔

ولایت علیا جو ولایت انبیاء علیہم السلام ہے ' ان لوگوں کو حاصل ہوتی ہے جن کو انبیاء علیہم السلام سے ظاہری اور باطنی مناسبت ہو ' ظاہری مناسبت یہ ہے کہ کامل اتباع شریعت ہو ۔ احکام ظاہری کی بجا آوری میں ہرگز سستی نہ ہو ۔ اتباع سنت میں قدم راسخ ہو ۔ شریعت حقہ سے بے اتفاقی اور تصوف وسلوک کا آپس میں کوئی رشتہ نہیں اور مناسبت باطنی یہ ہے کہ جس طرح انبیاء علیہم السلام کے قلوب منور ہیں اور ملائکہ کے وجود منور ہیں ۔ اسی طرح عارف کا باطن بھی منور ہو ' دل میں استمرار کبیرہ وصغیرہ کو جگہ نہ دے ' ولی اللہ معصوم نہیں ہوتا ۔ عصمت تو انبیاء علیہم السلام کا خاصا ہے ' مگر اللہ تعالیٰ کو منظور ہو تو محفوظ ہو سکتا ہے ' یہ ضروری نہیں کہ کاروبار ترک کر دے بلکہ :

کن ظاہراجسمانیاو فی الباطن روحانیا قال تعالی رجال لاتلھیھم

تجارۃ ولابیع عن ذکر اللہ ۔

گویا اللہ کے بندوں کو تجارت اور بیع وشری اللہ کے ذکر سے



غافل نہیں کرتی ۔

پس ذکر الٰہی کے لئے ترک دنیا ضروری نہیں ' ہاں یہ ضروری ہے کہ غیر اللہ کی محبت دل میں بسنے نہ پائے ۔

ہم نے مقصد اور ذریعہ حصول مقصد کی نشان دہی کر دی ہے ' صرف کتب ورسائل تصوف سے تزکیہ باطن نہیں ہو سکتا ۔ اس دولت کا ملنا شیخ کامل کی صحبت اور القاء وانعکاس کے بغیر محال ہے ۔ رسائل تصوف اور کتب تصوف کی اشاعت کا رجحان واقعی بڑھ گیا ہے ۔ مگر ان اداروں سے صرف الفاظ ملتے ہیں ' معانی ناپید ہیں ۔

کورس تو لفظ ہی سکھاتے ہیں    آدمی آدمی بناتے ہیں
جستجو ہم کو آدمی کی ہے    وہ کتابیں عبث منگاتے ہیں

(اکبر الہ آبادی)

☆ ☆

۱۰

# مناصبِ اولیاء اللہ

صوفیائے کی اصطلاحات احادیث سے ماخوذ ہیں۔

# مناصبِ اولیاءاللہ

## صوفیاء کی اصطلاحات احادیث سے ماخوذ ہیں

اولیاء اللہ کے مختلف مناصب کے متعلق عام ذہنوں میں جو غلط فہمیاں پائی جاتی ہیں ' اور جن کے خلاف " بدعت " کا نام لے کر نفرت پھیلائی جاتی ہے ' انہیں دور کرنے کے لئے ذخیرہ احادیث میں سے چند شواہد پیش کئے جاتے ہیں ' دوسرے باب میں ان مناصب پر تفصیلی بحث ہو گی -

**۱ : ذکر ابونعیم فی الحلیه خیار امتی کل قرن خمسمائة والابدال اربعون فلا الخمسمائة ینقصون ولاالابدال کلمامات رجل ابدل الله مکانه من الخمسمائة وادخله فی اربعین مکانه -**

" ابونعیم نے حلیہ میں ذکر کیا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری امت میں ہر زمانہ میں پانچسو خیار ہوں گے اور چالیس ابدال ' ان دونوں میں کمی نہ ہو گی ' ان میں سے جو فوت ہو گا ' ان پانچسومیں سے اللہ تعالے اس کی جگہ دوسرے شخص کو ان چالیس میں داخل کر دے گا - "

**۲ : فمنها حدیث احمد - الابدال فی هذه الامة ثلاثون رجلا قلوبهم علی قلب ابراهیم خلیل الرحمن کلما مات منهم رجل ابدل الله مکانه رجلا -**

" امام احمد کی حدیث - اس امت میں ابدال تیس ہوں گے جن کے قلوب حضرت ابراہیم خلیل اللہ کے قلوب پر ہوں گے ' ان



میں سے جو فوت ہو گا اللہ اس کی جگہ دوسرا بدل دے گا - "

**۳ : فمنها حدیث الطبرانی - ان الابدال فی امتی ثلاثون بهم تقوم الارض فبهم یمطرون فبهم ینصرون -**

" حدیث طبرانی - میری امت میں تیس ابدال ہوں گے ' ان کے سبب سے زمین قائم رہے گی - ان کی وجہ سے بارش کی جائے گی ' اور ان کی وجہ سے مدد دی جائے گی - "

**۴ : فمنها حدیث ابن عساکر - ان الابدال بالشام یکونون فهم اربعون رجلا بهم تسقون الغیث فبهم تنصرون علی اعدائکم یصرف بهم عن اهل الارض البلاء والغراق -**

" ابدال شام میں ہوتے ہیں اور چالیس مرد ہیں ' ان کے سبب سے تمہیں بارش دی جاتی ہے اور انکی وجہ سے دشمنوں پر فتح دی جاتی ہے ' اور ان کے سبب سے اہل زمین سے تکالیف اور مصائب دور کئے جاتے ہیں - "

**۵ : فمنها حدیث طبرانی - ان الابدال فی اهل الشام بهم تنصرون فبهم ترزقون -**

" ابدال اہل شام میں ہوں گے ' ان کی وجہ سے تمہیں مدد دی جائے گی اور تمہیں رزق دیا جائے گا - "

**۶ : فمنها حدیث احمد - الابدال بالشام فهم اربعون رجلا کلما مات رجل ابدل الله مکانه رجلا تسقون بهم الغیث فتنصرون بهم علی الاعداء فیصرف عن اهل الشام بهم العذاب -**

" ابدال شام میں ہیں اور وہ چالیس مرد ہیں ' جو ان میں سے فوت ہو جاتا ہے ' اللہ تعالے اس کی جگہ دوسرا بدل دیتا ہے ' ان

کے سبب سے تمہیں بارش دی جاتی ہے اور دشمنوں کے مقابلہ میں امداد دی جاتی ہے ۔ اور اہل شام سے ان کے سبب سے عذاب دور کیا جاتا ہے "

۷ : ومنها حدیث الخلال الذی رواہ فی کرامات الاولیاء ورواہ دیلمی ایضا ۔ الابدال اربعون رجلا وامراۃ کلمامات رجل ابدل اللہ مکانہ رجلا وکلمامات امراۃ ابدل اللہ مکانہا امراۃ

" خلال کی حدیث جو اس نے کرامات اولیاء میں بیان کی ہے ' اور دیلمی نے مسند فردوس میں ۔ ابدال چالیس مرد اور عورتیں ہیں جب ان میں سے کوئی مرد مرجاتا ہے ' اللہ اس کی جگہ دوسرا مرد بدل دیتا ہے اور جب عورت مرجاتی ہے ' تو اس کی جگہ دوسری عورت بدل دیتا ہے ۔ "

۸ : ومنها حدیث الحاکم عن عطاء مرسلا الابدال من الموالی ۔

" حاکم کی حدیث ۔ ابدال موالی میں سے ہیں "

۹ : ومنها حدیث ابن ابی الدنیا مرسلا ۔ علامہ ابدال امتی انهم لایلعنون شیئا ۔

" ابن ابی الدنیا ۔ میری امت کے ابدالوں کی نشانی یہ ہے کہ وہ کسی چیز پر لعن طعن نہیں کرتے ۔ "

۱۰ : ومنها حدیث ابن حبان ۔ لاتخلو الارض من ثلاثین وثمانین مثل ابراهیم خلیل اللہ ۔ بهم تغاثون وبهم ترزقون وبهم تمطرون ۔

" ابن حبان ۔ تیس اور اسی مردوں سے زمین خالی نہ رہے گی



جو مثل ابراہیم خلیل اللہ کے ہوں گے ' جن کے سبب سے تمہاری فریاد رسی ہو گی ' ان کے سبب سے تمہیں رزق دیا جائے گا ' اور بارش برسائی جائے گی "

۱۱ : ومنها خبر البیهقی ۔ ان ابدال امتی لم یدخلواالجنه باعمالهم ولکن دخلوها برحمه اللہ وسخاوۃ الانفس وسلامہ الصدور الخ

" بیہقی ۔ میری امت کے ابدال اپنے اعمال کے سبب سے جنت میں داخل نہ ہوں گے ۔ بلکہ اللہ کی رحمت سے نفسوں کی سخاوت سے اور سینوں کی سلامتی سے داخل ہوں گے ۔ "

۱۲ : ومنها خبر ابن عدی فی کاملہ ۔ البدلاء اربعون واثنان وعشرون بالشام وثمانیہ عشر بالعراق کلما مات منهم احد ابدل اللہ مکانہ اخر ۔ فاذاجاء الامرقبضوا کلهم فعند ذلک تقوم الساعہ

" ابن عدی ۔ ابدال چالیس ہیں ' بائیس شام میں ہوتے ہیں اور اٹھارہ عراق میں ۔ ان میں سے جو فوت ہوتا ہے ' اللہ تعالے اس کی جگہ دوسرا بدل دیتا ہے ' اور جب اللہ کا حکم آجائے گا سب فوت ہو جائیں گے ' اس وقت قیامت آئے گی ۔ "

۱۳ : ومنها حدیث الطبرانی فی الاوسط ۔ لن تخلو الارض من اربعین رجلا مثل خلیل الرحمان بهم تسقون وبهم تنصرون مامات منهم احد الا ابدل اللہ مکانہ ۔

" حدیث طبرانی چالیس مرد جو مثل خلیل اللہ کے ہیں ' ان سے زمین کبھی خالی نہ ہو گی ' ان کی وجہ سے تمہیں بارش دی جائیگی ۔ اور تمہیں مدد دی جائے گی ' جب ان میں سے کوئی فوت ہو گا اللہ تعالے اس کی جگہ دوسرا بدل دے گا ۔ "

۱۴: ومنها حدیث ابونعیم فی الحلیه – " لایزال اربعون رجلا من امتی قلوبهم علی قلب ابراهیم یدفع بهم من اهل الارض یقال لهم الابدال –

ومما جاء فی القطب کماقال بعض المحدثین خبر ابونعیم فی الحلیه انه وردت احادیث توید کیثرا مما فیه مما جاء فی جمیع ماذکر وغیرهم حدیث الترمذی الحکیم وابی نعیم فی کل قرن من امتی سابقون وحدیث ابی نعیم فی کل قرن من امتی سابقون وحدیث ابی نعیم لکل قرن من امتی سابقون ۳۹۰

" حدیث ابی نعیم – میری امت میں چالیس مرد ہمیشہ ایسے رہیں گے جن کے قلوب ' قلب ابراہیم علیہ السلام کی مانند ہوں گے ان کی وجہ سے اہل زمین سے تکالیف دور کی جائیں گی – ان کو ابدال کہا جاتا ہے – '

اور قطب کے متعلق جو بیان ہوا – جیسا بعض محدثین نے لکھا ہے – ابونعیم نے حلیہ میں بیان کیا ہے – کہ بہت سی حدیثیں اس کی تائید میں وارد ہو چکی ہیں جن کا ذکر ہو چکا ہے ' اور وہ بھی جو مذکور نہیں – مثلاً حدیث حکیم ترمذی اور ابونعیم – کہ ہر زمانہ میں میری امت میں سابقون ہوں گے اور ہر زمانہ کے لئے سابقون ہوں گے –

"

تنبیہ : مذکورہ بالااحادیث کے رواۃ پر جرح کی گئی ہے – اس سلسلے میں علامہ سیوطی رحمتہ اللہ علیہ کی تحقیق ملاحظہ ہو:

فقدورد ذکرالابدال ایضا من حدیث علی اخرجہ احمد فی



مسندہ وسندہ حسن ولہ من طرق متعددۃ ومن حدیث عبادۃ بن الصامت اخرجہ احمد وسندہ حسن ومن حدیث عون بن مالک اخرجہ الطبرانی ومن حدیث معاذ بن جبل اخرجہ ابوعبدالرحمن السلمی فی کتاب سنن الصوفیہ ومن حدیث ابی الدرداء اخرجہ الحکیم الترمذی فی نوادرالاصول ومن حدیث ابی هریرۃ اخرجہ ابن حبان فی الضعفاء والخلال فی کرامات الاولیاء ومن حدیث ابی سعید الخدری اخرجہ البیهقی فی شعب الایمان ومن حدیث ام سلمہ اخرجہ احمد وابن ابی شیبہ وابوداود فی سننہ والحاکم والبیهقی ومن مرسل الحسن اخرجہ ابن ابی الدنیا فی کتاب السخاء والحکیم الترمذی والبیهقی فی شعب – ومن مرسل عطاء اخرجہ ابوداود ومن مرسل بکر بن خنیس اخرجہ ابن ابی الدنیا فی کتاب الاولیاء – وورد عن عمر ابن الخطاب موقوفا اخرجہ الحکیم الترمذی فی نوادر الاصول وعن ابن عباس موقوفا اخرجہ احمد فی الزهد وقد جمعت هذه الحادیث کلها فی تالیف مستقل فاغنی عن سوقها ههنا ۔۴۰

علامہ سیوطی رحمتہ اللہ علیہ نے قریبا بیس کتب ورواۃ سے ابدال کی احادیث نقل کی ہیں اور تمام کو صحیح اور حسن فرمایا ہے۔' تمام طرق احادیث کو جمع کرنے پر قدر مشترک – یعنی ابدال کا وجود یقیناً تسلیم کرنا پڑے گا۔ جس مستقل کتاب کا حوالہ علامہ موصوف نے دیا ہے ' اس کا نام **الخبرالدال من وجود القطب والنجباء والابدال** ہے جو ہمارے ذاتی کتب خانہ میں موجود ہے –

———☆———☆———☆———

# ۱۱

# مناصبِ اولیاء اللہ پر تفصیلی بحث

غوث اور قطب۔
اقطاب کے فرائض۔
قطبِ مدار۔
قیّوم۔
انسان کامل۔
لفظِ غوث کی تشریح۔
مستجاب الدعوات ہونے کا مفہوم۔
شرائط و آدابِ دُعا۔
عدم قبولیتِ دُعا۔

# مناصب اولیاء اللہ پر تفصیلی بحث

ابدال ۔ قطب ۔ غوث ۔ قیوم وغیرہ اولیاء اللہ کی خاص اصطلاحات ہیں ۔ ان کے متعلق بزرگان دین اور صوفیہ کرام کا یہ عقیدہ ہرگز نہیں کہ یہ کوئی مافوق الفطرت متصرف ۔ خود مختار ۔ نافع وضار عالم الغیب ۔ حاضر وناظر یا مسجود خلائق ہستیاں ہیں جن کو غائبانہ فریاد رسی کے لئے پکارنا جائز ہو بعض اہل بدعت نے ان سے غلط مفہوم لیا ہے ' خود گمراہ ہوئے اور لوگوں کو گمراہ کیا ۔ ادھر بعض غالی حضرات نے لفظ غوث پر خواہ مخواہ اعتراض کئے ہیں ' یہ دونوں گروہ افراط تفریط کا شکار ہوئے

غوث اور قیوم کی اصطلاحات تمام کتب نظامیہ میں موجود ہیں اور بڑے بڑے موحدوں نے اپنی ذاتی تحریروں میں یہ اصطلاحات استعمال کی ہیں ۔ مولانا حسین علی صاحب نے فوائد عثانیہ میں کئی مقامات پر لفظ غوث استعمال کیا ہے ۔ اسی طرح شاہ ولی اللہ رحمتہ اللہ علیہ شاہ اسمٰعیل شہید رحمتہ اللہ علیہ امام ربانی مجدد الف ثانی رحمتہ اللہ علیہ اور قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمتہ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ' تفسیر مظہری ' میں یہ لفظ استعمال کیا ہے ۔

## غوث اور قطب

صوفیہ کی بعض اصطلاحات کی اصل تو خود قرآن وحدیث میں موجود ہے ' جیسے اَبرار ۔ اخیار اور نقباء وغیرہ ۔ علامہ سیوطی رحمتہ اللہ علیہ نے ان اصطلاحات پر ایک مستقل رسالہ لکھا ہے ' جس کا ذکر ہم گزشتہ باب میں کر آئے ہیں اس رسالہ



میں غوث اور قطب کی بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں :

عن ابن مسعود قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان للہ عزو جل فی الخلق ثلاثماۃ قلوبھم علی قلب ادم وللہ فی الخلق اربعون قلوبھم علی قلب موسی وللہ فی الخلق سبعہ قلوبھم علی قلب ابراھیم وللہ فی الخلق خمسہ قلوبھم ۔ ۔ ۔ علی قلب جبرائیل ۔ وللہ فی الخلق ثلاثہ قلوبھم علی قلب میکائیل وللہ فی الخلق واحد قلبہ علی قلب اسرافیل ۴۱

" ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ خدا کے تین سو بندے مخلوق میں ہیں جن کے قلوب حضرت آدم کے قلب کی مانند ہیں ۔ چالیس ایسے ہیں جن کے قلوب حضرت موسے علیہ السلام کے قلب کی مانند ہیں ۔ سات ایسے ہیں جن کے قلوب حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قلب کے سے ہیں ۔ پانچ ایسے ہیں جن کے قلوب حضرت جرائیل علیہ السلام کے قلب پر ہیں ۔ تین ایسے ہیں جن کے قلوب حضرت میکائیل علیہ السلام کے قلب پر ہیں ۔ اور ایک ایسا بندہ ہے جس کا قلب حضرت اسرائیل علیہ السلام کے قلب پر ہے ۔ "

نیز فرمایا : ۔

اخرج الخطیب من طریق عبد اللہ بن محمد العبسی ثنوالحافظ ابوبکر ابن ابی شیبہ قال سمعت الکنانی یقول النقباء ثلاثماۃ والنجباء سبعون ' والبدلاء اربعون والاخیار ستہ والعمد اربعہ والغوث واحد ۴۲

" خطیب نے بذریعہ ابوبکر ابن ابی شیبہ حدیث کا اخراج کیا کہ

میں نے کنانی سے سنا کہ نقباء تین سو ہیں اور نجباء ستر ہیں - ابدال چالیس ہیں - اخیار سات ' قطب چار اور غوث ایک ہے "

نیز فرمایا :- عن انسؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لن تخلو الارض من اربعین رجلا مثل خلیل الرحمن فبھم تسقون فبھم تنصرون فبھم ترزقون الخ قال فی مجمع الزوائد اسنادہ حسن ۴۴

" حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ "حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ چالیس آدمیوں سے زمین خالی نہ رہے گی جو مثل خلیل اللہ علیہ السلام کے ہیں تو ان کی وجہ سے تم پر بارش برسائی جائیگی ' اور ان کی وجہ سے تمہاری مدد کی جائیگی ' اور ان کی وجہ سے تمہیں رزق دیا جائے گا - مجمع الزوائد میں ہے کہ اسکے اسناد حسن ہیں - "

**فائدہ :-** حضرت انسؓ کی حدیث کے شواہد کثیرہ حدیثوں میں موجود ہیں - حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی حدیث کی تفصیل خطیب کی حدیث نے کر دی ' ان روایات سے چار قطب اور ایک غوث کے مناصب ثابت ہوئے -

اقطاب کے فرائض کے متعلق امام ربانی رحمتہ اللہ علیہ نے تصریح فرمادی ہے

## اقطاب کے فرائض

قطب ابدال واسطہ وصول فیض است کہ وجود عالم بہ بقائے آں تعلق دارد - وقطب ارشادواسطہ فیوض است کہ بارشادوہدایت تعلق دارد - پس تخلیق وترزیق وازالہ بلیات ودفع امراض وحصول عافیت وصحت منوط بہ فیوض مخصوصہ قطب ابدال



است وایمان وہدایت وتوفیق حسنات وانابت ازسئیات نتیجہ فیوضات قطب ارشاد است ۴۴

"قطب ابدال عالم کے وجود اور اس کی بقاسے تعلق رکھنے والے امور میں وصول فیض کا واسطہ ہے اور قطب ارشاد ہدایت وارشاد سے متعلق امور میں وصول فیض کا ایک واسطہ ہے ' اس لئے پیدائش ' رزق ' مصائب کے دور ہونے اور صحت وآرام کے حاصل ہونے کا تعلق قطب ابدال کے فیض کے ساتھ مخصوص ہے ' اور ایمان ' ہدایت نیک کاموں کی توفیق اور توبہ وغیرہ کا تعلق قطب ارشاد کے فیض کا نتیجہ ہے - '

## قطب مدار

اور قطب مدار کے متعلق قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمتہ اللہ علیہ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت خضر علیہ السلام کے واقعہ کے تحت امام ربانی رحمتہ اللہ علیہ سے حضرت خضرؑ علیہ السلام کا قول نقل فرمایا ہے -

وجعلنا اللہ تعالی معینا للقطب المدار من اولیاء اللہ تعالی الذی جعلہ اللہ تعالی مدارللعالم ببرکۃ وجودہ وافاضتہ فقال الخضر ان القطب فی ھذہ الزمان فی دیار الیمن متبع للشافعی فی الفقہ فنحن نصلی مع القطب ۴۵

" حضرت خضر علیہ السلام نے فرمایا - اللہ تعالے نے ہم کو قطب مدار کا معاون بنایا ہے جو اولیاء اللہ سے ہے ' جسے اللہ تعالے نے دنیا کے بقاء کا سبب بنایا ہے - اس کے وجود کی برکت سے بقائے عالم ہے - اور فرمایا کہ اس وقت قطب مدار یمن میں ہے اور وہ شافعی فقہ کا متبع ہے ' اور ہم اس کے پیچھے نماز پڑھتے ہیں "

۱۸۶

اور وہ حدیث جس کو علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے کنانی سے روایت کیا ہے، اس کے آخر میں **والغوث واحد** کے آگے روایت یوں ہے :-

فمسکن النقباء المغرب فمسکن النجباء مصر - فمسکن الابدال الشام - والاخیار سیاحون فی الارض والعمد فی زوایاالارض فمسکن الغوث مکۃ فاذا عرضت الحاجۃ فی امرالعامۃ ابتہل فیہا النقباء ثم النجباء ثم الابدال ثم الاخیار ثم العمد فان اجیبوا والاابتہل الغوث فلاتتم مسالتہ حتی تجاب دعوتہ[۳۶]

" نقباء کا مسکن مغرب ، نجباء کا مصر ، ابدال کا شام ہے ، اخیار سیاح ہوتے ہیں - قطب زمین کے گوشوں میں ہوتے ہیں - جب مخلوق کو عوامی مصیبت آجائے تو دعا کے لئے نقباء ہاتھ پھیلاتے ہیں ، اگر قبول نہ ہو تو نجباء ، پھر اخیار - پھر قطب ، اگر پھر بھی قبول نہ ہو تو غوث دعاء کے لئے ہاتھ پھیلاتا ہے (گو یہ ترتیب ضروری نہیں ) حتی کہ اس کی دعا قبول ہو جاتی ہے - "

## قیوم

قیوم کے متعلق امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا :

" آں عارفے کہ بہ مرتبہ قیومیت اشیاء مشرف گشتہ حکم وزیر دارد کہ مہمات مخلوق رابااو مرجوع داشتہ اندہر چندانعامات از سلطان است اماوصول آنہامربوط بتوسط وزیراست "[۴۷]

" وہ عارف جو قیوم کے منصب پر فائز ہو ، وزیر کا حکم رکھتا ہے کہ مخلوق کے اہم امور کا تعلق اسی سے ہے ، گو انعام تو بادشاہ کی طرف سے ہوتے ہیں ، مگر وہ وزیر کی وساطت سے ملتے ہیں - "



فرد اور قطب وحدت کا مفہوم بعینہٖ وہ حدیث ہے جو رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم سے بطور دعا غزوہ بدر میں زبان مبارک پر آئی -

اللہم ان تہلک ہذہ العصابۃ لاتعبد فی الارض ابدا -

" الٰہی ! اگر اس جماعت کو ہلاک کر دیا تو آپ کی عبادت زمین میں کبھی نہ کی جائے گی - "

معرفت توحید ، فیضان کا عام اور جلد ہونا قطب وحدت اور افراد کی خصوصیات میں سے ہے ، اور معرفت ذات باری تعالے اس سے وابستہ ہوتی ہے -

## انسان کامل

امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں -

" معاملہ انسان کامل تابجائے رسد کہ اورا قیوم جمیع اشیاء بحکم خلافت می سازندو ہمہ را افاضہ وجود وبقائے سائر کمالات ظاہری وباطنی بتوسط اوی رسانند "[۱۱۱]

معلوم ہوا کہ قیوم انسان کامل ہوتا ہے ، اور کل احکام ظاہری وباطنی قیوم کی ذات سے وابستہ ہیں ، کیونکہ یہ بمنزلہ وزیر کے ہے ، یہ مفہوم حدیث سے بھی متبادر ہوتا ہے **قال انما انا قاسم واللہ یعطی**[۴۸] " میں تقسیم کنندہ ہوں ، دیتا اللہ تعالیٰ ہے - "

قیوم ! اولوالعزم رسول کا نائب ہوتا ہے - اس کا مخالف فیض سے محروم رہتا ہے ، کیونکہ وہ حکومت کے وزیر کا باغی ہوتا ہے ، اور باغی کو حکومت کی طرف سے انعام نہیں ملا کرتا -

ہر چیز اچھی یا بری سلطان الملک یعنی اللہ تعالے کی طرف سے وزیر کے ذریعے مخلوق کی طرف آتی ہے ، جب مخلوق مصیبت میں مبتلا ہو جاتی ہے تو غوث بارگاہ رب العزت میں درخواست پیش کرتا ہے ، اللہ تعالے چاہے تو اس کی دعا

قبول فرما کر مصیبت دور کر دیتا ہے ۔ خیال رہے کہ غوث کوئی خود مختار ہستی نہیں ' بلکہ مستجاب الدعوات انسان ہوتا ہے ۔ اسی طرح قیوم کل انعامات کا سبب ہوتا ہے اور قطب ابدال اور قطب ارشاد جزوی انعامات کا ذریعہ ہیں ' اور خاص خاص ایک ایک انعام پر مقرر ہیں ' اور قطب وحدت اور فرد کا تعلق براہ راست ذات باری سے ہوتا ہے ' اس لئے ان کا مرتبہ غوث اور قیوم سے بہت بلند ہے ۔

## لفظ غوث کی تشریح

لسان العرب میں لفظ غوث کی تشریح یوں کی گئی ہے :

غوث : **اجلب اللہ غوثاہ ۔ وغواثہ وغواثہ** ۔ یعنی غوث اسم مصدر بمعنی للفاعل ہے ' اور اس کے معنی " پکارنے والا ۔" " دعا کرنے والا ۔ " فریاد کرنے والا ہوں گے اس کی دلیل یہ ہے کہ محاورہ عرب میں غوث بمعنی دعا اور پکار کے ہیں جیسے لسان العرب میں ہے :

> فلم یات فی الاصوات شیئی بالفتح غیرہ فانما یاتی بالضم مثل البکاء والدعاء وبالکسر مثل النداء والصیاح الاغوث پس غوث اسم مصدر ہے جس کے معنی آواز دینا پکارنا اور دعا کرنا ہے جیسے غوث الرجل واستغاث صاح واغوثاہ اصطلاح صوفیہ میں غوث اس مستجاب الدعوات ہستی کے لئے بولا جاتا ہے جو اللہ تعالیٰ سے فریاد کرتا ہے اور دعا کرتا ہے ' اور لغت عرب اسی معنی کی تائید کرتی ہے ' اس لفظ کا معنی " فریاد رس " کرنا محض ایک عامیانہ رواج ہے ۔



## مستجاب الدعوات ہونے کا مفہوم

عام طور پر یہ خیال ایک عقیدہ کی حیثیت اختیار کر چکا ہے کہ جب کوئی انسان منازل سلوک طے کر کے عارف باللہ ہو جاتا ہے تو اس کی ہر دعا قبول ہو جاتی ہے ' لیکن حقیقت یہ ہے کہ دعا بہر حال ایک درخواست ہے ۔ حکم نہیں ' دیکھئے انبیاء علیہم السلام مستجاب الدعوات ہوتے ہیں ' مگر ان کی بھی ساری دعائیں قبول نہیں ہوتیں ' اور امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان اور مرتبہ سب انبیاء سے ارفع ہے ' مگر آپؐ کی بھی وہ دعا جو رفع اختلاف امت کے متعلق تھی منظور نہ ہوئی تو یہ خیال کرنا کہ کسی عارف کی ہر دعا قبول ہو جاتی ہے سراسر زیادتی اور کم فہمی کی دلیل ہے ۔

صوفیائے کرام کے نزدیک اولیاء اللہ میں سے صرف غوث ' قیوم ' فرد ' قطب وحدت اور صدیق مستجاب الدعوات ہوتے ہیں ۔ ان کے علاوہ بھی اگر اللہ تعالےٰ کسی کو مستجاب الدعوات بنادے تو ناممکن نہیں ہے ۔ ان پانچ مناصب کے حضرات بھی کوئی خود مختار ' مافوق الاسباب ہستیاں نہیں ہوتیں ' بلکہ اللہ تعالےٰ کی محتاج ہیں ' اور اسی کے حضور دعا کے لئے ہاتھ پھیلاتے ہیں ' ان کا دعا کرنا ہی ان کے محتاج ہونے کی دلیل ہے ' اور یہ حضرات دعا بھی باذن اللہ مانگتے ہیں ۔ پس مستجاب الدعوات ہونے سے مراد یہ ہوئی کہ ان حضرات کی اکثر دعائیں قبول ہو جاتی ہیں ' اور اگر ان کی کوئی دعا قبول نہ ہو تو یہ ان کے منصب کے منافی نہیں ۔ ہر کس وناکس کی بھی تو بعض دعائیں تو قبول ہو جاتی ہیں ۔ حتیٰ کہ ابلیس کی یہ درخواست اللہ تعالےٰ نے منظور فرمائی کہ **رب انظرنی الی یوم یبعثون** ۔ کسی ایک دعا کے قبول ہونے یا بعض دعاؤں کے قبول ہونے سے کوئی مستجاب الدعوات نہیں ہو جاتا ۔

## شرائط و آدابِ دعاء

اللہ تعالےٰ کی بارگاہ میں درخواست کرنے کے لئے کچھ آداب ہیں ' اور دعا کی قبولیت کے لئے چند شرائط ہیں ' کتاب وسنت میں ان شرائط کو ملحوظ رکھنے کے لئے تاکید فرمائی گئی ہے :

**۱**: غذا کا حلال اور پاکیزہ ہونا : - قال تعالی - یاایھاالرسل کلوامن الطیبات واعملواصالحا - وقال تعالی یاایھاالناس کلوامما فی الارض حلالاطیبا -

" اے گروہ انبیاء پاکیزہ رزق کھایئے ' اور نیک عمل کیجئے - اور اے اہل ایمان ' زمین کی پاکیزہ اور حلال چیزیں کھاؤ - "

وعن عباسؓ قال تلیت هذه الایه عند رسول الله صلی الله علیه وسلم فقام سعد ابن ابی وقاص فقال یا رسول الله ادع الله ان یجعلنی مستجاب الدعوات فقال له النبی یا سعد اطب طعمک تکن مستجاب الدعوة والذی نفس محمد صلی الله علیه وسلم بیده ان العبد لیقذف اللقمه الحرام فی جوفه مایتقبل منه عمل اربعین یوما وایماعبدنبت لحمه من سحت فالناراولی به [۴۹]

" ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ جب یہ آیت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پڑھی گئی تو سعدابن ابی وقاصؓ کھڑے ہو گئے اور عرض کی کہ حضورؐ میرے حق میں دعا کیجئے کہ اللہ تعالےٰ مجھے مستجاب الدعوات بنادے حضورؐ نے فرمایا کہ اے سعدؓ رزق حلال کھاؤ ' مستجاب الدعوات بن جاؤ گے - قسم اس ذات کی ' جس کے قبضہ میں محمدؐ کی جان ہے انسان جب لقمہ حرام پیٹ میں ڈالتا ہے ' تو چالیس دن تک اس کا کوئی عمل قبول نہیں ہوتا - اور جس انسان کا گوشت حرام غذا سے بنا ہو ' اس کے لئے آگ ہی بہتر ہے - "



وقال تعالی یاایهاالذین امنوا کلوامن طیبات مارزقناکم - ثم ذکر الرجل یطیل السفراشعث اغبریمد یدیه الی السماء یارب یارب ومطعمه حرام ومشربه حرام وملبسه حرام وغذی بالحرام فانی یستجاب لذالک - (رواہ مسلم)

" حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے کہ اے اہل ایمان ! پاکیزہ رزق کھاؤ ' جو ہم نے تمہیں دیا ہے ' پھر آپؐ نے اس کا ذکر کیا جو طویل سفر کرتا ہے ' سر کے بال پراگندہ اور غبار آلود ہیں ' آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا اٹھا کے اللہ سے دعا کرتا ہے ' حالانکہ اس کا کھانا پینا حرام کا ہے ' لباس حرام کا ہے ' غذا حرام کی ہے ' پھر اس کی دعا کیوں کر قبول کی جائے گی - "

**۲**: لباس کا پاک ہونا اور حلال کی کمائی سے تیار ہونا : - قال تعالی - ولباس التقوی ذلک خیر - وقال تعالی وثیابک فطهر - وقال النبی صلی الله علیه وسلم من اصاب مالا من حرام فلبس منه جلبابا یعنی قمیصالم یقبل صلوته حتی ینحتی ذلک الجلباب عنه [۵۰]

" اللہ تعالےٰ نے فرمایا ' لباس تقوے کا اچھا ہے ' اور فرمایا اے نبیؐ اپنے لباس کو پاک صاف رکھیں - اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے حرام مال پایا اور اس سے قمیض بنائی اور پہنی اس کی نماز قبول نہ ہو گی جب تک اس لباس کو اپنے وجود سے جدانہ کر دے "

**۳**: بدن کا پاک ہونا حدث کبیر اور صغیر سے : - قال تعالی - فیه رجال یحبون ان یتطهروا والله یحب المطهرین -

" اللہ تعالے نے فرمایا - اس مسجد میں ایسے مرد ہیں جو پاکیزگی کو دوست رکھتے ہیں اور اللہ تعالے پاک صاف رہنے والوں کو دوست رکھتا ہے - "

۴: سحر کا وقت ہونا : - قال تعالی - وبالاسحار هم يستغفرون

" ( اور اہل تقوے ) سحر کے وقت اپنے گناہوں کی معافی مانگتے ہیں - "

۵: استقبال قبلہ -

۶ بخلوص نیت - قال تعالی - فادعوالله مخلصين له الدين وقال النبیؐ انماالاعمال بالنيات -

" پس اللہ تعالے کو خلوص دل سے پکارو " اور حضورؐ نے فرمایا اعمال کا مدار نیت پر ہے "

۷: ادب سے دوزانو بیٹھ کر دعا کرنا : - وبسط يديه ورفعهما حذ منكبيه وكشفهما مع التادب والخشوع والمسكنة والخضوع وان يسال الله تعالی باسماء الحسنی والادعية الماثورة ويتوسل الی الله تعالی بالانبياء والصالحين بخفض صوت الخ ويمسح وجهه بيده بعد فراغه -[۵۱]

" ہاتھوں کو پھیلائے ، شانوں تک اٹھائے اور کھول کر رکھے ، اور ادب خشوع وخضوع کا خیال رکھے ، اور اللہ تعالے کے اسماء حسنیٰ کے ساتھ دعا مانگے اور منقولہ دعائیں پڑھے ، اور انبیاءؑ اور اولیاء اللہ کے توسل سے ، بڑی دھیمی آواز سے دعا کرے - اور دعا ختم کر کے ہاتھوں کو چہرے پر پھیر دے - "



۸: قبل از دعا کسی عملِ صالح کا ہونا ضروری ہے -

۹: دعا کسی قطع رحمی کے لئے نہ ہو -

۱۰: دعا میں حرام اور گناہ کا مطالبہ نہ ہو -

۱۱: دعا امر محال کے لئے نہ ہو -

۱۲: مقبولیت دعا میں جلدی نہ کرنا ، یعنی یہ خیال نہ کرنا کہ ابھی ابھی دعا قبول ہو جائے ، اور اگر ایسا نہ ہو تو دعا ہی ترک کر بیٹھے -

۱۳: مستجاب الدعوات ہونے کے لئے متقی ہونا شرط ہے - انمايتقبل الله من المتقين اور متقی کی تعریف حضوراکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یوں فرمائی :

قال النبی صلی الله عليه وسلم لايبلغ الرجل ان يكون من المتقين حتى يدع مالاباس به حذرا لما به باس[۵۲]

" حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ آدمی اس وقت تک متقی نہیں ہو سکتا ، جب تک اس چیز کو ترک نہ کر دے جس میں ( بظاہر ) حرام کا شبہ نہیں ، مگر اس اندیشے سے کہ وہ چیز کہیں حرام تک نہ لے جائے - "

فائدہ : متقی کے لئے مشکوک مال ، غذا ، لباس وغیرہ سے اجتناب لازمی ہے کیونکہ حرام کھانے والا جہنمی ہے ، اور جہنمی متقی نہیں ہو سکتا

## عدم قبولیت دعا

ولايعترض علی ذلک بتخلفه عن بعض الداعين لان سبب التخلف وقوع الخلل فی شرط من شروط الدعاء كالاحتراز فی المطعم والمشرب والملبس اولاستعجال الداعی اويكون الدعاء باثم اوقطيعة رحم اوتحصيل الاجابة ويتاخر وجود المطلوب لمصلحة

العبد الامر یرید اللہ تعالی [۵۳]

" بعض دعا کرنے والوں کی دعاء کے قبول نہ ہونے پر اعتراض نہ کیا جائے ' کیونکہ دعا کا قبول نہ ہونا کسی شرط میں خلل واقع ہو جانے کے سبب سے ہوتا ہے " جیسا کھانے پینے اور لباس کے معاطے میں احتیاط نہ کی جائے ' یا دعا کرنے والے نے جلدی کی یا کسی گناہ یا قطع رحم کی دعا کی ' یا دعا تو قبول ہو گئی مگر مطلوب کے حصول میں اس بندے کی مصلحت کی وجہ سے تاخیر کی گئی یا کسی ایسے امر کی وجہ سے تاخیر ہو گئی جسے اللہ تعالے ہی جانتا ہے

**فائدہ :** ۔ معلوم ہوا کہ بعض اوقات دعا تو قبول ہو جاتی ہے مگر قبولیت کا ظہور مدت کے بعد ہوتا ہے مثلاً حضرت موسی علیہ السلام کی دعا تو قبول ہو گئی مگر اثر چالیس سال کے بعد ظاہر ہوا حضرت یعقوب علیہ السلام نے فرمایا کہ **سوف استغفرلکم ربی** تو اس کا اثر اٹھارہ سال کے بعد ظاہر ہوا ۔ حضرت زکریا علیہ السلام کی دعا تو قبول ہو گئی ' مگر تیرہ سال بعد بیٹا پیدا ہوا ۔

اور دعا کی قبولیت کے متعلق علامہ ابن حجر رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا :

وانما یتفق ذلک لمن تعودالذکر واستانس بہ فغلب علیہ حتی صار حدیث نفسہ فی نومہ ویقظہ فاکرم من اتصف بذالک باجابہ دعوتہ وقبول صلوتہ [۵۴]

اس شخص کی دعا کی قبولیت پر اتفاق ہے جو ذکر الہی کا عادی ہو ' اور ذکر سے انس پیدا کر چکا ہو ' ذکر الہی کا اس پر ایسا غلبہ ہو کہ ہر سانس میں ' نیند میں ' بیداری میں غفلت نہ ہو ' ایسا شخص مستجاب الدعوات ہوتا ہے اور قبولیت صلوۃ سے نوازا جاتا ہے ۔

فمن حقوق النفس قطعہا عماسوی اللہ تعالی جل جلالہ لہ



لکن ذالک یختص بالتعلقات القلبیہ [۵۵]

( اور یہ دوام ذکر الہی اس شخص کو حاصل ہوتا ہے ) جس کا تعلق قلبی ماسوائے اللہ سے بالکل منقطع ہو چکا ہو لیکن یہ ذکر مختص ہے ذکر قلبی سے "

**فائدہ :** معلوم ہوا کہ مستجاب الدعوات وہ شخص ہوتا ہے ' جس کا تعلق قلبی اللہ تعالے کے ساتھ پختہ ہو ۔ مخلوق سے قلبی انقطاع مکمل ہو ' تزکیہ نفس مکمل ہو چکا ہو ۔ دوام ذکر حاصل ہو ' یہ اوصاف صرف اولیاء اللہ کاملین میں پائے جاتے ہیں ' اس لئے مستجاب الدعوات بھی وہی ہوتے ہیں ۔

شیخ ابن الہمام نے اپنی کتاب " سلاح المومنین " میں دعا کا طریقہ یوں بیان فرمایا ہے ۔ کہ ابتدا یوں کرے :

الحمد للہ رب العلمین الحی القیوم العلی العظیم ۔ والرحمن الرحیم السمیع العلیم الاول القدیم الحلیم الحکیم ۔ حمدا کثیرا طیبا مبارکا فیہ حمدا یوافی نعمہ ویکافی مزیدہ ولا نحصی ثناء علیہ ھو کما اثنی علی نفسہ فلک الحمد حتی ترضی

پھر کہے :۔

اللھم صل وسلم وشرف وکرم وعظم علی رسولک سیدنا محمد النبی الامی الطاھر الزکی والہ الطیبین وصحبہ المحققین وسلم علیھم تسلیما عدد ماذکرہ الذاکرون وغفل عن ذکرہ الغافلون ۔

پھر اپنا مطلب پیش کرے ۔

# ۱۲

# اولیاء اللہ بزبانِ رسول اللہ ﷺ

قیامت کے دن اولیا اللہ کی شان۔
دنیوی زندگی میں اولیا اللہ کی حالت۔
قربِ الٰہی کے مدارج
قربِ فرائض
قربِ نوافل
درجہ محبوبیت
اولیا اللہ کی پہچان
اولیا اللہ کی امتیازی شان
اولیا اللہ سے دشمنی اللہ سے دشمنی ہے۔

# اولیاء اللہ

## بزبانِ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم

انسان کی حقیقی قدروقیمت اور اصلی عظمت وبرتری کا اندازہ اس وقت ہو گا جب اس کی فردِ عمل مالکِ حقیقی کے سامنے پیش ہو گی اور اسے فوزِ عظیم کا مژدہ سنا کر انعام واکرام کا مستحق قرار دیا جائے گا ' اس لئے حقیقی کامرانی وفلاح اور حقیقی عظمت وشان وہی ہے جسے اُخروی کامیابی اور ابدی راحت کہا جاتا ہے ' اس دنیا کی چند روزہ شان وشوکت فریبِ نظر اور غرورِ نفس کے سوا کچھ نہیں -
**وماالحیوۃ الدنیا الا متاع الغرور -**

## قیامت کے دن اولیاء اللہ کی شان

۱ عن ابن عباسؓ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم - قال ان للہ جلساء یوم القیامہ عن یمین العرش وکلتا یدی اللہ یمین - علی منابرمن نور وجوھھم من نور لیسوا بانبیاء ولاشھداء ولاصدیقین - قیل یا رسول اللہ من ھم قال ھم المتحابون بجلال اللہ تعالی - المتحابون بجلال اللہ تبارک فتعالی - المتحابون بجلال اللہ تعالی -

(رواہ احمد باسنادہ لاباس بہ) ۵۶

" حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے دن اللہ تعالے کے پاس عرش کے دائیں جانب بیٹھنے والے کچھ لوگ ہوں گے ' اور اللہ کے دونوں ہاتھ داہنے ہیں ' منبروں پر بیٹھے ہوں گے ' منبر نور کے ہوں گے ' ان کے چہرے منور ہوں گے ، نہ انبیاءؑ ہوں گے ' نہ شہداء ہوں گے ' نہ



صدیقین - عرض کیا گیا - حضورؐ ! پھر وہ کون لوگ ہوں گے ؟ تین بار فرمایا - وہ اللہ کے لئے باہم محبت کرنے والے لوگ ہوں گے - "

۲ وعن ابی ھریرۃؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان من عباداللہ عباد لیسوابانبیاء یغبطھم الانبیاء والشھداء قیل من ھم لعلنا نحبھم قال ھم یتحابون بنور اللہ من غیر ارحام ولاانساب وجوھھم نور علی منابر مّن نور لایخافون اذا خاف الناس ولایحزنون اذاحزن الناس ثم قرا الاان اولیاء اللہ لاخوف علیھم ولاھم یحزنون ( نسائی وابن حبان ) ۵۷

" حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ کے کچھ بندے ایسے ہیں جو انبیاء نہیں مگر قیامت کے دن انبیاءؑ اور شہداء ان پر رشک کریں گے ' عرض کیا گیا وہ کون ہیں تاکہ ہم ان سے محبت رکھیں ؟ فرمایا وہ ایسے لوگ ہیں کہ ( اللہ نے ان کے دلوں میں نور بھردیا ہے ) اللہ کے نور کی وجہ سے ایک دوسرے کو دوست رکھتے ہیں ' نہ ان میں خونی رشتہ ہے ' نہ نسب کا اشتراک ' ان کے چہرے نورانی ہوں گے ' وہ نور کے منبروں پر بیٹھے ہوں گے - جب لوگ خوف زدہ ہوں گے انہیں کوئی خوف نہ ہو گا ' اور جب لوگ غمگین ہوں گے ' انہیں کوئی غم نہ ہو گا - پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت تلاوت فرمائی - الاان اولیاء اللہ الخ یاد رکھو اللہ کے دوستوں پر نہ کوئی اندیشہ ہے ' نہ وہ مغموم ہوتے ہیں - "

۳ وعن ابی امامہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان للہ عبادا یجلسھم یوم القیامہ علی منابرمن نور یغشی وجوھھم النور حتی یفرغ من حساب الخلائق ———— ( رواہ الطبرانی باسنادجید ) ۵۸

۴ وعن ابی ذر قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان من عباد اللہ لاناس ماھم بانبیاء ولاشھداء یغبطھم الانبیاء والشھداء یوم القیمۃ بمکانھم من اللہ فقالوا یا رسول اللہ فاخبرنا من ھم - قال ھم یتحابون بروح اللہ علی غیر ارحام بینھم ولااموال یتعاطونھا - فواللہ ان وجوھھم لنور وانھم لعلی نور لایخافون اذا خاف الناس ولا یحزنون اذا حزن الناس وقرا ھذہ الایۃ الاان اولیاء اللہ لاخوف علیھم ولاھم یحزنون - ( رواہ ابوداؤد ) ۵۹

۵ وعن ابی الدرداء قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم - لیبعثن اللہ اقواما یوم القیمۃ فی وجوھھم النور علی منابراللؤلؤ یغبطھم الناس لیسوا بانبیاء ولاشھداء قال فجثی اعرابی علی رکبتہ فقال یا رسول اللہ جلھم لنا نعرفھم قال ھم المتحابون فی اللہ من قبائل شتی وبلاد شتی یجتمعون علی ذکر اللہ یذکرونہ (رواہ الطبرانی باسناد حسن ) ۶۰

۶ عن ابی مالک الاشعری عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال یاایھاالناس اسمعوا واعقلوا واعلموا ان للہ عزوجل عبادا لیسو بانبیاء ولاشھداء یغبطھم الانبیاء والشھداء علی منازلھم وقربھم من اللہ تعالی فجثی رجل من الاعراب من قاصیۃ الناس والوی بیدہ الی النبی ؐ فقال صلی اللہ علیہ وسلم ناس من الناس لیسوابانبیاء ولاشھداء یغبطھم الانبیاء والشھداء علی مجالسھم وقربھم من اللہ تعلی الی ان قال لیضع اللہ یوم القیمۃ منابر من نور فیجلسون علیھا فیجول وجوھھم نورا وثیابھم نورا یفزع الناس



یوم القیمۃ ولایفزعون لھم اولیاء اللہ لاخوف علیھم ولاھم یحزنون ------- ( راہ ابویعلی واحمد والحاکم فقال صحیح الاسناد ) ۶۱

**فائدہ :** ان احادیث میں جن اولیائے کرام کا ذکر ہے وہ ایسے ذاکرین ' زہاد اور اللہ کے مخلص بندے ہیں جو مجاہدہ اور ریاضت اور زہدوعبادت سے تزکیہ باطن میں لگے رہے اور انبیاء کرام اور اصحاب سلاسل بزرگوں کی شان تو ان سے بہت بلند ہے کیونکہ ان حضرات نے اللہ کی مخلوق کو ہدایت کی راہ دکھائی اور اللہ کے بندوں کی اصلاح کی ' پھر انبیاء کے غبط کرنے کی وجہ کیا ہو سکتی ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ انبیاء کرام سے ان کی امتوں کے متعلق سوال ہو گا ' اور اصحاب سلسلہ بزرگوں سے ان کے مریدین کے متعلق سوال ہو گا ' مگر یہ لوگ اس ذمہ داری سے آزاد ہوں گے اس بناء پر انبیاء ؑ اور شہداء کو غبط ہو گا - وہ شخص جسے اللہ تعالے قیامت کے دن سوال وجواب کی فکر سے آزاد کر دے اس کی حالت اور اس کی شان کیوں کر قابل رشک نہ ہو گی ؟

## دنیوی زندگی میں اولیاء اللہ کی حالت

عن عمران بن حصین قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من انقطع الی اللہ تعالی کفاہ اللہ تعالی کل مؤنۃ ورزقہ من حیث لایحتسب ۶۲

" حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص مخلوق سے منقطع ہو کر اللہ کا ہو رہتا ہے ' اللہ تعالے اس کی تمام تکالیف کا خود ذمہ دار ہو جاتاہے اور اسے ایسی جگہ سے رزق دیتا ہے کہ اسے اس کا گمان تک نہیں ہوتا - "

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من عادی لی ولیا فقد اذنتہ للحرب وماتقرب الی عبدی بشیئی احب الی مما افترضتہ علیہ ومازال عبدی یتقرب الی بالنوافل حتی احبہ فاذا احببتہ فکنت سمعہ الذی یسمع بہ وبصرہ الذی یبصربہ ویدہ التی یبطش بھا ورجلہ التی یمشی بھا وان سالنی لاعطینہ ولئن استعاذنی لاعیذنہ[۶۳]

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص نے میرے ولی کے ساتھ دشمنی رکھی - میری طرف سے اس کے خلاف اعلان جنگ ہے - میرا بندہ میرا قرب حاصل کرنے کے لئے جو کچھ کرتا ہے - میرے نزدیک سب سے محبوب وہ عبادت ہے جو میں نے اس پر فرض قراردی ہے ' اور میرا بندہ ہمیشہ نوافل کے ذریعے میرا قرب حاصل کرتا ہے ' حتی کہ میں اسے محبوب بنا لیتا ہوں - اور جب میں اسے محبوب بنا لیتا ہوں تو میں اس کے کان بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے ' اور اس کی آنکھیں بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے ' اور اس کے ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ گرفت کرتا ہے ' اور اس کے پاؤں بن جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے ' اور جب وہ مجھ سے سوال کرتا ہے تو میں اسے دیتا ہوں ' اور جب میرے پاس پناہ ڈھونڈھتا ہے تو میں اسے پناہ دیتا ہوں - "

قال الطوفی ھذالحدیث اصل فی السلوک الی اللہ والوصول الی معرفتہ ومحبتہ وطریقہ اذا المفترضات الباطنیہ وھی الایمان والظاھرۃ وھی الاسلام والمرکب فیھما وھو الاحسان کما تظھر حدیث جبریل والاحسان یتضمن مقامات السالکین من الزھد



والاخلاص والمراقبہ وغیرھا -

علامہ طوفی رحمتہ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ یہ حدیث سلوک الی اللہ اور اس کی محبت ومعرفت کے وصول اور اس کی راہ پر چلنے میں اصل کی حیثیت رکھتی ہے ' اس کا طریقہ فرائض باطنیہ یعنی ایمان اور ظاہرہ یعنی اسلام اور ان دونوں سے مرکب یعنی احسان کی بجا آوری ہے جیسا کہ حدیث جبرئیل علیہ السلام سے ظاہر ہے ' اور احسان عبارت ہے مقامات سالکین سے جیسے زہد ' اخلاص اور مراقبہ وغیرہ "

## قرب الٰہی کے مدارج

یہ ذکر کیا جا چکا ہے کہ ولایت کے دو رکن ہیں ' اول اتباع شریعت دوم باطن کا انوار حقیقت میں مستغرق ہو جانا ' اور ولایت کا مفہوم ہے حصول قرب الٰہی اور حصول قرب الٰہی کے وسائل دو ہیں ' اول اطاعت الٰہی - دوم اجتناب ازمعصیت -

لما کان ولی اللہ من تولی اللہ بالطاعہ والتقوی تول اللہ تعالی بالحفظ والنصرۃ[۶۴]

" انسان کی طرف سے اللہ تعالے کی دوستی کا ثبوت اس کی طاعت اور تقوے سے ہوتا ہے اور اللہ تعالی کی طرف سے دوستی کا اظہار حفاظت اور نصرت سے ہو گا - "

## ۱ ' قرب فرائض

بخاری کی مندرجہ بالاحدیث قدسی سے قرب الٰہی کے تین مدارج ثابت ہوئے قرب فرائض ' قرب نوافل اور درجہ محبوبیت ' قرب فرائض یہ ہے کہ بندہ اپنی

ہستی کو بالکل مٹادے ' جس کو صوفیہ فنائے ذات سے تعبیر کرتے ہیں ' یعنی انسان اپنا ارادہ مٹادے خود محض آلہ بن جائے اور اللہ تعالے فاعل -

کما قال تعالی - ان اللہ اشتری من المومنین انفسھم واموالھم بان لھم الجنۃ -

" بلاشبہ اللہ تعالے نے مومنوں سے ان کی جانوں اور مالوں کو اس بات کے عوض خریدلیا ہے کہ ان کو جنت ملے گی - "

## ۲ قرب نوافل

قرب نوافل سے وہ ترقی حاصل ہوتی ہے ' جس کی کوئی انتہا نہیں -

کماقال الرازی - فلما کان لانھایۃ لتزاید انوار المراتب لاجرم لانھا یۃ لسفرالعارفین فی المقامات العالیۃ القد سیۃ فذلک بحر لاساحل لہ فمطلوب لانھا یۃ لہ سبحان من اعطی تلک القربات لاولیائہ[۶۵]

" جب تزائد انوار مراتب کی انتہا نہیں تو عارفین کے سفر کی بھی مراتب عالیہ میں انتہا نہیں ' یہ ایسا سمندر ہے جس کا کنارہ نہیں ' اور یہ ایسا مطلوب ہے جس کی انتہا نہیں ' پاک ہے وہ ذات جس نے اپنے اولیاء کو یہ قرب عطا فرمائے - "

**فائدہ :** روح ان اجسام سے نہیں جو متفرق اور متمرق ہو جاتے ہیں ' بلکہ یہ ایسے جوہر سے ہے جو ملائکہ سے بھی الطف ہے اور اس کا مسکن مافوق العرش عالم امر ہے مگر تعلق بدن سے اپنے اصلی وطن کو بھول جاتا ہے اور اس کی قوت پرواز یاتو بالکل ختم ہو جاتی ہے یا نہایت کمزور ہو جاتی ہے ' جب کسی عارف کامل نے اسے اپنے وطن سے مانوس کرایا' ذکر الٰہی کی کثرت ہوئی اور اسم الظاہر



والباطن اس کے پرپن گئے تو قوت پرواز لوٹ آئی اور روح انوار معرفت سے منور ہو گئی -

واشرقت علیھا انوارالارواح السماویۃ العرشیۃ المقدسۃ ففاضت علیھا من تلک الا نوار قویت طیرانھا -

" اور جب روح پر انوار ارواح سماویہ عرشیہ مقدسہ پر توافگن ہوتے ہیں تو ان کے فیضان سے اس کی قوت پرواز ترقی کرتی ہے ( اور وہ اپنے وطن اصلی کی طرف مشتاقانہ پرواز کرنے لگتی ہے ) "

## ۳ درجہ محبوبیت

عارف کو محبوبیت کا درجہ اس وقت حاصل ہوتا ہے ' جب اس کی آنکھوں میں اس کے کانوں میں ' اس کے ہاتھ پاؤں میں ' بلکہ تمام اعضاء جوارح میں غیر اللہ کا کچھ حصہ نہ رہے ' اسی حدیث سے ابن قیم رحمتہ اللہ علیہ نے کتاب الروح میں یہ ثابت کیا ہے کہ اولیاء اللہ کا قلب صاف آئینہ بن جاتا ہے ' اور اس سے تمام چیزوں کو اپنی حقیقت پر دیکھتے ہیں -

فصار قلبہ کالمراۃ الصافیۃ تبدوافیھا صور الحقائق علی ماھی علیہ فلاتکاد تخطی لہ فراستہ فان العبد اذا ابصرباللہ ابصر علی ماھو علیہ فاذا سمع باللہ سمعہ علی ماھو علیہ -

" پس اس کا دل صاف آئینہ ہو جاتا ہے اور اس آئینہ صافی میں اشیاء کی حقیقی صورتیں ظاہر ہوتی ہیں - اس کی فراست خطا نہیں کرتی کیونکہ جب بندہ اللہ تعالے کے ساتھ دیکھتا ہے ' تو اس چیز کو اپنی اصلی صورت پر دیکھتا ہے اور جب سنتا ہے اسے اپنی اصل پر سنتا ہے - "

**فائدہ :** اس سے کشف حقیقی کے علاوہ رویت اشکال کا مراقبہ بھی ثابت ہوا مگر اس قدر ترقی کر جانے کے باوجود طالب صادق اور عارف حقیقی مزید ترقی کا طالب ہی رہتا ہے ۔

وفی هذا الحدیث ان العبد فلو بلغ اعلی الدرجات حتی یکون محبوبا للہ تعالی عزوجل لاینقطع عن الطلب من اللہ تعالی لما فیہ من الخضوع لہ واظهارالعبودیۃ ۶۶

" اس حدیث سے ثابت ہوا کہ بندہ خواہ کتنے بلند درجات تک پہنچ جائے ' حتی کہ محبوب خدا بن جائے ۔ پھر بھی اللہ تعالے سے ترقی کا طالب ہی رہے گا ۔ کیونکہ اس میں خشوع وخضوع اور اظہار عبودیت ہے ( اور بندہ کے لئے انتہائی مقام عبودیت ہے ) "

**فائدہ :** حدیث بخاری سے یہ امور ثابت ہوئے :

۱ فرائض راس المال ہیں اور نوافل بمنزلہ منافع ہیں ۔

۲ جب تک قرب فرائض حاصل نہ ہو قرب نوافل حاصل نہیں ہوتا ' کیونکہ فرائض بمنزلہ بنیاد کے ہیں ۔

۳ قرب الٰہی ادائے فرائض ونوافل پر موقوف ہیں ۔

۴ اولیاء اللہ کو جو مناصب ملتے ہیں وہ قرب الٰہی پر موقوف ہیں ۔

۵ قرب الٰہی کسی منصب پر موقوف نہیں ۔

۶ جو ولی اللہ منصب محبوبیت پر فائز ہوتا ہے ' وہ مستجاب الدعوات بن جاتا ہے ۔

۷ ولی اللہ سے دشمنی اور بغض رکھنے میں سوء خاتمہ کا خطرہ ہے ۔

۸ الہام صاحب الہام کے لئے حجت ہے بشرطیکہ کسی منصوص شرعی حکم کے مخالف نہ ہو ۔



## اولیاء اللہ کی پہچان

ولایت کے دو ارکان ہیں جس میں یہ دونوں ارکان متحقق ہو گئے وہ ولی اللہ ہے ۔

کماقال الرازی ۔ قد یعرف کونہ ولیا فقد احتجواعلی صحۃ قولھم بان الولایۃ لھا رکنان احدھما کونہ فی الظاھر منقادا للشریعۃ والثانی کونہ فی الباطن مستغرقا فی نور الحقیقۃ فاذاحصل الامران وعرف الانسان حصولھما عرف لا محالۃ کونہ ولیا ۶۷

" ولی کی پہچان یہ ہے اور اپنے قول کی صحت پر انہوں نے دلیل پیش کی ہے کہ ولایت کے دو رکن ہیں ایک یہ کہ ظاہر میں شریعت کا تبع ہو ' دوسرا یہ کہ اس کا باطن نور حقیقت میں مستغرق ہو' جب یہ دونوں باتیں پائی جائیں انسان کو ان کے حصول کی معرفت ہو جائے تو لازما وہ اللہ کا دوست ہو گا ۔ "

بعض نے اس سے اختلاف کیا ہے کہ عارف باللہ ' زاہد وعابد ' ملہم ومکاشف تو کہا جا سکتا ہے مگر ولی اللہ کہنا مشکل ہے کیونکہ یہ معلوم ہونا مشکل ہے کہ اللہ تعالےٰ نے بھی اسے دوست قرار دیا ہے یا نہیں ؟

مشکوۃ میں اولیاء کی پہچان یہ بتائی گئی ہے کہ :

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خیار عباد اللہ الذین اذا رء واذکراللہ تعالی ۔

" خدا کے اچھے بندے وہ ہیں کہ جب انہیں دیکھاجائے تو خدا یاد آجائے ۔ "

یہ علامت کچھ اس قسم کی نہیں کہ جو چاہے جس کے متعلق چاہے کہہ دے کہ " حضرت کو دیکھ کر خدایاد آجاتا ہے ۔ " اور ہر سننے والا اس پر یقین کر لے ۔ بلکہ اس سلسلے میں حضرت مجدد رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں ۔

" اولیاء شریعت کے ظاہر اور باطن کے موافق دعوت کرتے ہیں ۔ اول مریدوں اور طالبوں کو توبہ اور انابت کی طرف رہنمائی کرتے ہیں ۔ احکام شرعیہ کے بجالانے کی ترغیب دیتے ہیں ۔ پھر ذکر الٰہی بتاتے ہیں اور تاکید کرتے ہیں کہ ہر وقت ذکر میں مشغول رہیں ۔

ظاہر ہے کہ ولی کو اس دعوت کے لئے جو شریعت کے ظاہروباطن سے تعلق رکھتی ہے ' خوارق کی کیا ضرورت ہے ۔ پیری و مریدی اس دعوت سے مراد ہے ' جس کا خوارق وکرامات سے تعلق اور واسطہ نہیں —— وہ علامت جس سے اس گروہ کا سچا اور جھوٹا جدا ہو سکے یہ ہے کہ جو شخص شریعت پر استقامت رکھتا ہو اس کی مجلس میں دل کو حق تعالے کی طرف رغبت وتوجہ پیدا ہو جائے اور ماسوا کی طرف سے دل سرد ہو جائے ' وہ شخص سچا ہے ۔ " (مکتوبات دفتر دوم مکتوب نمبر 92 )

## اولیاء اللہ کی امتیازی شان

### صاحب تفسیر مظہری نے سورہ " سبا " کی تفسیر کے سلسلے میں فرمایا :

فقد یاتی علی بعض الاکابر حالہ یخرج فیہ من حیزالزمان فیری الماضی والمستقبل موجودا عندہ فیشھد علیہ مارواہ الشیخان فی الصحیحین عن عبداللہ ابن عباسؓ ۔ قال انخسف الشمس علی عہد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فصلی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم والناس فقام قیاما طویلا ۔ الی ان قال قالوا یا رسول اللہ انا رایناک تناولت شیئافی مقامک ھذا ثم رایناک تکعکعت فقال انی رایت الجنۃ فتناولت منھا عنقودا فلو



اخذتہ لاکلتم منہ مابقیت الدنیا الی ان قال لایقال لعل النبی رای صورۃ الجنۃ فی عالم المثال مثل مایری النائم فی المنام لان قولہ صلی اللہ علیہ وسلم لو اخذتہ لاکلتم ما بقیت الدنیا صریح فی انہ صلی اللہ علیہ وسلم رای حقیقۃ النار والجنۃ دون مثالھا۶۸

" بعض اکابر پر کبھی ایسا وقت بھی آتا ہے کہ وہ قید زماں سے آزاد ہو جاتے ہیں اور ماضی و مستقبل کو اپنے سامنے دیکھتے ہیں ' اس پر صحیحین کی یہ حدیث شاہد ہے کہ عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں سورج گرہن لگا تو حضورؐ نے اور دوسرے لوگوں نے نماز خسوف پڑھی اور طویل قیام کیا ' لوگوں نے دریافت کیا کہ ہم نے دیکھا کہ آپؐ کسی چیز کو پکڑنے کے لئے آگے بڑھے پھر پیچھے ہٹے ۔ آپ نے فرمایا میں نے جنت دیکھی جنت کے میوے سے ایک خوشہ پکڑنا چاہا ۔ اگر میں اسے پکڑ لیتا تو تم رہتی دنیا تک اسے کھاتے رہتے " یہاں یہ نہ کہا جائے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جنت کی مثالی صورت دیکھی جیسے آدمی خواب میں دیکھتا ہے ' کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانا اگر میں اسے پکڑ لیتا تو تم رہتی دنیا تک اسے کھاتے رہتے صاف ظاہر کرتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حقیقی جنت ودوزخ کا مشاہدہ کیا ' صرف مثالی صورت نہیں دیکھی ۔ "

**فوائد : ۱** عارف قلب کی آنکھ سے ساری چیزیں دیکھتا ہے مثلاً منازل سلوک ' بیت المعمور بیت العزۃ ' سدرۃ المنتہے ' جنت ' دوزخ ' عرش ' کرسی ' لوح محفوظ ' جنت کے ثمرات اور اس کی نہریں ' ملائکہ ' ارواح اور جنات وغیرہ ۔ اور ان کا دیکھنا حقیقت پر محمول ہوتا ہے ۔ ان اشیاء کی مثالی صورتیں نہیں ہوتیں ۔

۲ اولیاء اللہ زمین پر ہوتے ہیں ' مگر ان کی روح قید زماں ومکاں سے آزاد ہوتی ہے -

## اولیاء اللہ سے دشمنی اللہ سے دشمنی ہے '

یہ قائدہ کلیہ ہے کہ علم تابع معلوم کے ہوتا ہے ' اگر معلوم اعلے اور عظیم ہے تو علم بھی عظیم ہو گا اس قاعدہ کی روشنی میں اس حقیقت پر غور کریں :

وماخلقت الجن والانس الا لیعبدون ( ای لیعرفون )

" میں نے جنوں اور انسانوں کو صرف اس لئے پیدا کیا کہ وہ میری عبادت کریں ' یعنی میری معرفت حاصل کریں - "

جب معرفت الٰہی حاصل ہو گئی تو مقصد تخلیق پورا ہو گیا - پس ایسے مقبولین خدا جو غایت تخلیق کا مصداق ہیں ' ان سے دشمنی رکھنا کور باطنی کی دلیل ہے -

ویکفی فی عقوبۃ المنکر علی الاولیاء قولہ صلی اللہ علیہ وسلم فی الحدیث الصحیح من عادی لی ولیا فقدا ذنتہ للحرب - ای اعلمتہ انی محارب لہ ومن حارب اللہ لا یفلح ابدا وقد قال العلماء لم یحارب اللہ عاصیا الا المنکر علی اولیاء اللہ واکل الربوا وکل منہایخشی علیہ خشیہ قریبہ جدا من سوء الخاتمہ ولایحارب اللہ تعالی الا کافرا اقل عقوبۃ المنکر علی الصالحین ان یحرم برکتہم قالو ویخشی علیہ سوء الخاتمہ وقال بعض العارفین من رایتموہ یوذی الاولیاء وینکرمواہب الاصفیاء فاعلموا انہ محارب للہ تعالی مبعد مطرود عن حقیقۃ قرب اللہ تعالی ۶۹

" منکرین اولیاء کے لئے وہی عذاب کافی ہے جو صحیح حدیث قدسی میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ اللہ تعالے نے



فرمایا کہ جس نے میرے ولی سے دشمنی کی اس سے میں اعلان جنگ کرتا ہوں یعنی میں نے اسے بتا دیا کہ میں اس سے جنگ کروں گا جس نے خدا سے جنگ کی ' وہ کبھی نجات نہ پائے گا اور علماء امت نے کہا ہے کہ محارب خدائے تعالے صرف دو ہیں - ایک منکر اولیاء اور دوسرا سود خوار ' اور ان میں سے ہر ایک کے متعلق خطرہ ہے کہ ایمان ضائع کر کے مرے گا ' اس لئے کہ اللہ تعالے سے جنگ تو کافر ہی کرتا ہے ' اور بہت کم عذاب منکرین اولیاء کے لے یہ ہے کہ ان کی برکت سے محروم ہیں ' اور سوء خاتمہ کا خوف ہے - بعض عارفین کا فرمان ہے کہ جب دیکھو کہ کوئی شخص ولی اللہ کو ایذا دیتا ہے ' اور برکات اصفیاء کا منکر ہے تو سمجھ لو کہ وہ خدا سے جنگ کرنے والا ہے اور قرب الٰہی سے دور اور مردود ہے "

وعن ابن عمران عمر خرج الی المسجد فوجد معاذا عند قبرالنبی صلی اللہ علیہ وسلم یبکی - - - - الی ان قال

فمن عادی لی اولیاء اللہ فقد بارزاللہ بالمحاربہ - ان اللہ یحب الابرار الاتقیاء الاخفیاء الذین اذا غابوا لم یفتقدوافان حضروالم یعرفوا - قلوبہم مصابیح الھدی یخرجون من کل غبراء مظلمۃ ای من کل فتنۃ جہالۃ ۷۰

" حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت عمرؓ مسجد کی طرف گئے اور حضرت معاذؓ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر شریف کے پاس روتے ہوئے پایا اور کہا جس نے اولیاء اللہ سے دشمنی رکھی اس نے اللہ سے مقابلہ کیا - اللہ تعالے ایسے نیک متقی اور پوشیدہ رہنے والے لوگوں کو پسند فرماتا ہے جو اگر موجود

نہ ہوں تو ان کی تلاش نہیں کی جاتی اور اگر موجود ہوں تو انہیں پہچانا نہیں جاتا ' ان کے دل ہدایت کے چراغ ہیں ' وہ ہر اندھیرے سے باہر نکل چکے ہیں ' یعنی ہر قسم کی جہالت اور اس کے فتنوں سے محفوظ ہیں ۔"

**فائدہ :** اولیاء اللہ سے دشمنی رکھنے کے دو عظیم نقصان ہیں ' اول دنیا میں ان کی برکت سے محرومی ' دوم سوء خاتمہ کا خطرہ ۔ یہ دونوں امور حدیث قدسی سے ثابت ہو گئے ۔



# ۱۳

# ذِکرِ الٰہی

ذِکرِ مُطلق منصُوص ہے
نماز کے عِلاوہ بھی ذِکر کی کوئی صورت ہے ؟
تلاوتِ قرآن کے عِلاوہ بھی ذِکر کی کوئی صُورت ہے ؟
ذِکرِ کثیر مامُور بہ ہے ۔
ذِکر کی مختلف صُورتیں ۔
ذِکرِ قلبی افضل ہے ۔
ذِکرِ خفی کی فضیلت قرآن میں ۔
ذِکرِ خفی کی فضیلت حدیث میں ۔
ذِکرِ قلبی
اِجتماعی ذِکر

# ذکرِ الٰہی

## ذکر مطلق منصوص ہے

نصوص قرآنی سے ذکر الٰہی کا مامور بہ ہونا ثابت ہے ' بیسیوں آیتیں موجود ہیں ' جن میں اللہ تعالےٰ کا ذکر کرنے کا حکم پایا جاتا ہے - اور یہ حکم کثرت کی قید سے ثابت ہے ' البتہ کمیت اور کیفیت کے اعتبار سے مطلق ہے - کمیت کے اعتبار سے مطلق ہونے سے مراد یہ ہے کہ ذکر کی کوئی مقدار یا حد مقرر نہیں - یعنی اتنی مقدار میں ذکر کیا جائے - یا اتنا وقت ذکر کیا جائے - اور کیفیت کے اعتبار سے مطلق ہونے سے مراد یہ ہے کہ کسی خاص حالت کی قید نہیں ' یعنی انفرادی ہو یا اجتماعی ' قیام ہو یا قعود یا اضطجاع ' پس جس نوعیت کا ہو اور جس کیفیت سے ہو ' سب عموم نص میں داخل ہے - لہٰذا کسی خاص حالت یا نوعیت پر اصرار کرنا یا اعتراض کرنا کہ یہ طریقہ بدعت ہے بیجا اعتراض ہے ' ایسا اعتراض ذکر الٰہی سے مانع ہونے کے مترادف ہے ' ایسے شخص کے لئے وعید موجود ہے :

الذین یصدون عن سبیل اللہ و یبغونھا عوجا ای الذین یصدون السالکین عن سبیل اللہ ای الطریق الموصلۃ الیہ تعالی سبحانہ - ویبغونھا عوجا بان یصفونھا بما ینفر السالک منھا من الزیغ والمیل عن الحق کاھل البدعۃ والریاء[۱]

" صاحب روح المعانی نے اس آیت کی تفسیریوں کی ہے جو لوگ سالکین کو اس طریق سے روکتے ہیں جو موصل الی الحق ہے اور اس میں کجی کا قصد کرتے ہیں ' اس طرح کہ اس طریق کو اس رنگ

میں بیان کرتے ہیں کہ سالک کو اس سے نفرت پیدا ہو جائے اور وہ
طریق حق سے ہٹ جائے جس طرح بدعتی اور ریاکار کرتے ہیں ۔ "

ذکر الٰہی کے مطلق ثابت ہونے کے بعد یہ اعتراض بھی بے جا ہو گا کہ ذکر سے مراد صرف فرض نماز تلاوت قرآن ' تسبیح و تہلیل اور نوافل ہی ہیں ' اور صوفیہ کا طریقہ ذکر جو مروجہ ضربات وغیرہ سے کیا جاتا ہے اس سے خارج ہے ' چونکہ ذکر مطلق ہے ' اس لئے تمام اذکار کی تمام صورتیں اسی کے افراد ہوں گے ' نماز اور نوافل ' تلاوت قرآن ' استغفار ' لا الہ الا اللہ ' اللہ موجود یا صرف اللہ ' یا درود شریف اسی مطلق ذکر کے افراد ہوں گے ۔

## نماز کے علاوہ بھی ذکر کی کوئی صورت ہے ؟

نصوص قرآنی سے نہایت وضاحت سے ثابت ہے کہ فرائض اور نوافل کے علاوہ بھی ذکر کی کوئی صورت ہے : کماقال تعالیٰ :

فاذاقضیت الصلوۃ فانتشروافی الارض وابتغوامن فضل اللہ
فاذکرواللہ کثیرا

( الجمعہ )

" پس جب نماز پوری ہو چکے تو تم زمین میں چلو پھرو ' اور
خدا سے روزی تلاش کرو ' اور اللہ کو بکثرت یاد کرتے رہو "

وقولہ تعالیٰ : رجال لاتلھیھم تجارۃ ولابیع عن ذکر اللہ
واقام الصلوۃ ( النور )

وقولہ تعالیٰ : فاذا قضیتم الصلوۃ فاذکروا اللہ قیاما وقعودا
وعلی جنوبکم فاذااطمانتتم فاقیموا الصلوۃ ان الصلوۃ کانت علی
المومنین کتابا موقوتا ۔

( النساء )



" یہ وہ لوگ ہیں جنہیں تجارت بیع وشریٰ اللہ کی یاد اور نماز
سے غافل نہیں کرتی ۔

" پھر جب تم نماز ادا کر چکو تو اللہ کی یاد میں لگ جاؤ ' کھڑے
بھی اور بیٹھے بھی ' اور لیٹے بھی اور جب مطمئن ہو جاؤ تو نماز کو
قاعدے کے موافق پڑھنے لگو ' یقیناً نماز مسلمانوں پر فرض ہے اور
وقت کے ساتھ محدود ہے ۔ "

پہلی آیت سے یہ ثابت ہے کہ جب نماز سے فارغ ہو جاؤ تو کارو بار دنیا میں مشغول ہو جاؤ اور اللہ کو کثرت سے یاد کرو ۔ ظاہر ہے کہ دنیا کا کاروبار نماز سے جدا شے ہے ' دوسری آیت میں ذکر الٰہی کے بعد نماز کا ذکر ہوا اور ان دونوں کو عطف اور معطوف کی صورت میں پیش کیا گیا ۔ تیسری آیت میں اول اور آخر نماز کا بیان ہے ' درمیان میں ذکر الٰہی کا بیان ہوا ۔ اور ہر حالت میں ذکر کرنے کا حکم ہوا ہے جو نماز سے الگ ہے ' اور نماز اوقات سے مقید ہے ۔ اور ذکر الٰہی کے ساتھ کثرت کی قید منافی اوقات ہے ' کیونکہ اوقات کی ایک حد متعین ہے ۔ پس نماز کے علاوہ بھی ذکر الٰہی کی صورتیں ثابت ہو گئیں ۔

## تلاوت قرآن کے علاوہ بھی ذکر کی کوئی صورت ہے ؟

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علیک بتلاوت القران
وذکر اللہ عزوجل فانہ ذکر لک فی السماء ونور لک فی الارض ۔

" حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تلاوت قرآن کو
لازم پکڑ اور ذکر الٰہی کیا کر ' کیونکہ اس سے آسمان میں تیرا ذکر ہو گا
۔ زمین میں تیرے لئے نور ہو گا ۔

یہ حدیث حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وصیت ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم

نے حضرت ابوذر غفاریؓ کو فرمائی اس سے ثابت ہوا کہ :

۱ تلاوت قرآن اور ذکر الٰہی میں عطف ہے جس سے تغائر ثابت ہوا ' پس ذکر سے مراد تلاوت قرآن نہیں - کیونکہ قرآن کریم کا پڑھنا لفظ تلاوت یا قرأت کے ساتھ بولا جاتا ہے ' ہاں ذات قرآن پر لفظ ذکر بولا جاتا ہے مگر تلاوت قرآن پر نہیں -

۲ قرآن مجید تو ہر آدمی کو یاد نہیں ہوتا اور قرآن کریم کا یاد کرنا یا پورا پڑھنا فرض کفایہ ہے فرض عین نہیں اور ذکر سب مسلمانوں پر فرض ہے ' کیونکہ مامور بہ ہے -

۳ ذکر مقید ہے کثرت سے ' جسے قرآن مجید نے تمام حالات میں لازمی قرار دیا ہے ' اور تلاوت قرآن ہر حالت میں اور ہر وقت ممکن نہیں جیسے نیند ' کاروبار - جنب بول وبراز کی حالت میں '

۴ ذکر کی غرض وغایت وصال مسمّٰی ہے کہ ذکر اسم درمیان سے اٹھ جائے اور مسمّٰی دل میں رہ جائے مگر قرآن میں قصص ' امثال ' احکام ' عبادات ومعاملات کا ذکر ہے ' اور قرآن کی تلاوت سے مقصد یہ ہوتا ہے کہ احکام سمجھے جائیں ' یہ نہیں کہ مسمّٰی ہی دل میں رہ جائے اور احکام اٹھ جائیں -

مذکورہ بالا نمبر ۴ کے سلسلے میں یہ آیت قابل غور ہے : **اذکر ربک فی نفسک ای فی قلبک** ( روح المعانی ) پس جب ذکر سے مراد ذکر روحی قلبی لیا گیا تو اس سے مراد قرآن نہیں ہو سکتا ' کیونکہ قرآنی احکام کی تلاوت کا تعلق زبان سے قرأت کرنے سے ہے خواہ نماز میں کی جائے یا نماز سے خارج اور صرف قلب سے قرآن کی تلاوت کرنے سے نماز ادا نہ ہو گی -

سوال : جب آپ ذکر کو مطلق پر محمول کرتے ہیں تو یہاں ذکر قلبی سے کیوں مقید کرتے ہیں ؟



الجواب : ہم نے محض ارخائے عنان کے طور پر کہا تھا کہ لوگ ذکر کو کثرت نوافل اور نمازوں پر ہی محمول کرتے ہیں تو باقی اذکار کو بدعت کیوں کہتے ہیں ؟ حالانکہ تمام اذکار عموم نص میں داخل ہیں - پھر ہم نے تخصیص بھی قرآن سے بتادی کہ اس سے مراد صرف نماز نہیں - گو نماز افضل اور اعلےٰ ذکر ہے - پھر ذکر قلبی قرآن کی نص سے ثابت کیا اور یہ کہ ہر حال میں صرف ذکر قلبی ہی ممکن ہے ' تلاوت قرآن اور نماز ممکن نہیں -

## ذکر کثیر مامور بہ ہے '

قرآن مجید میں جہاں ذکر الٰہی کا حکم دیا گیا ہے اکثر مقامات پر اس کے ساتھ کثیر کی صفت موجود ہے - مثلاً

۱ یایھاالذین امنوا اذکروا اللہ ذکراً کثیرا -

( الاحزاب )

۲: والذاکرین اللہ کثیرا -

(الاحزاب )

۳ لمن کان یرجواللہ والیوم الاخر وذکراللہ کثیرا - ( الاحزاب )

۴. یایھا الذین امنوا اذالقیتم فئۃ فاثبتوا واذکروااللہ کثیرا لعلکم تفلحون -

( الانفال )

۱: " اے اہل ایمان تم اللہ تعالےٰ کو کثرت سے یاد کیا کرو - "

۲: " اللہ تعالےٰ کو کثرت سے یاد کرنے والے مرد "

۳: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا عمدہ نمونہ اس شخص کے لئے

جوروز آخرت سے ڈرتا ہو اور کثرت سے ذکر الٰہی کرتا ہو "

۴: اے اہل ایمان جب تم کو کسی جماعت سے مقابلہ کا اتفاق ہوا کرے تو ثابت قدم رہو اور اللہ کا کثرت سے ذکر کرو ' امید ہے کہ تم کامیاب ہو ۔ "

ابن کثیر نے اذکرواالله ذکرا کثیرا کی تفسیر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ :

عن ابن عباسؓ فی قولہ تعالی اذکروا الله ذکرا کثیرا ان الله تعالی لم یفرض علی عبادہ فریضة الاجعل لها حدا معلوما ثم عذ ر اهلها فی حال العذ ر غیر الذکر فان الله تعالی لم یجعل له حد ا ینتهی الیه فلم یعذّر احد ا فی ترکه الا مغلوبا علیٰ ترکه فقال اذکرواالله قیاما وقعودا وعلیٰ جنوبکم باللیل والنهار فی البر والبحر فی السفروالحضروالغنی والفقر والسقم والصحة وعلی کل حال۷۳

" حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ ' نے اس مذکورہ آیت کی تفسیر فرمائی کہ اللہ تعالے نے اپنے بندوں پر کوئی ایسی عبادت فرض نہیں فرمائی جس کی حد مقرر نہ ہو اور اس میں ایک معذور آدمی کا عذر قبول نہ فرمایا ہو مگر ذکر الٰہی ایسی عبادت ہے جس کی کوئی حد مقرر نہیں فرمائی اور نہ کسی کو ترک ذکر پر معذور فرمایا ' ہاں جو مغلوب الحال ہو اس کا معاملہ جدا ہے ' اور فرمایا اللہ کا ذکر کرو ۔ کھڑے ہو ' بیٹھے ہو یا لیٹے ہو ' رات ہو یا دن ' دل سے ہو یا زبان سے ' خشکی پر ہو یا سمندر میں ' سفر میں ہو یا حضر میں خوشحال ہو یا عسیرالحال ' تندرست ہو یا بیمار ہر حال میں ذکر کرو ۔ ( اکل وشرب ' جنب وطہر ۔ بیع وشری ' خواب وبیداری ) "



## ذکر کی مختلف صورتیں

ذکر الٰہی کی تین صورتیں ہیں :-

اول لسانی جہری بلند آوازی ' دوم ذکر لسانی سری ۔ سوم ذکر قلبی روحانی ۔ قسم اول باتفاق علماء بدعت ہے ۔ ہاں ضرورت کے مقامات خارج ہیں جیسے اذان ' تکبیر ' خطبہ وغیرہ ۔

اجمع العلماء علی ان الذکر سرا هوالافضل والجهر بدعة الافی مواضع امخصوصة مست الحاجة فیها ۷۴

## ذکر قلبی افضل ہے .

الثالث الذکر الخفی بالقلب والروح والنفس وغیرها التی لامدخل فیه للسان فهوالذکر الخفی التی لایسمعه الحفظة اخرج ابویعلی عن عائشہؓ قالت قال رسول الله صلی الله علیه وسلم لفضل الذکر الخفی التی لا یسمعه الحفظة سبعون ضعفا اذا کان یوم القیمة وجمع الله الخلق لحسابهم وجاء ت الحفظة بما حفظوا وکتبوا فیقول لهم انظروا هل بقی له شیئی ۔ فیقولون ماترکنا شیئا مما علمناه وحفظناه الا وقد احصیناه وکتبناه فیقول تعالی ان له حسنة لاتعلمه واخبرک به هوالذکر الخفی ۔ قلت فهذا الذکر لاانقطاع لها ولا فتورلها ۷۵

" سوم قلب اور روح کے ساتھ ذکر خفی ہے ۔ یہ وہ ذکر ہے جس میں زبان کو کوئی دخل نہیں ' اور جسے کاتبین بھی نہیں سن سکتے ۔ امام ابو یعلی نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالے عنہا سے روایت کی

ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس ذکر خفی کو ملائکہ کاتبین سن نہیں سکتے ۔ اسے غیر ذکر خفی پر ستر گنا زیادہ فضیلت ہے ۔ قیامت کے روز جب اللہ تعالےٰ مخلوق کو حساب کے لئے جمع کریگا اور کاتبین اپنی تحریریں پیش کریں گے تو اللہ تعالےٰ فرمائے گا ۔ کہ دیکھو اس کی کوئی نیکی رہ تو نہیں گئی ' وہ عرض کریں گے ہمیں جو معلوم ہوا سب لکھ لیا ۔ پھر اللہ تعالےٰ فرمائے گا کہ اس کی ایک نیکی ایسی ہے جو تم نہیں جانتے وہ ذکر خفی ہے ' میں کہتا ہوں کہ ذکر خفی نہ منقطع ہوتا ہے ' نہ اس میں فتور آتا ہے "

## ذکر خفی کی فضیلت قرآن میں !

**قال تعالی : اذنادی ربہ نداء خفیا ۔ وفی ھذہ الایہ ذکر اللہ تعالی عبدہ صالحا ورضی عنہ۷۶**

اس آیت میں اللہ تعالےٰ نے اپنے ایک نیک بندے کو یاد فرمایا اور اس کے اس فعل یعنی مخفی یاد کرنے کو پسند فرمایا ۔

**وقولہ تعالی ۔ واذکر ربک فی نفسک تضرعا وخیفہ ۔ الخ**

اس آیت کی تفسیر میں امام رازی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالےٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تبلیغ وحی کا حکم دینے کے بعد متصل ہی اس آیت میں حکم دیا ۔

**بان یذکر ربہ فی نفسہ والفائدۃ فیہ ان انتفاع الانسان بالذکر انما یکمل اذا وقع الذکر بھذہ الصفۃ لانہ بھذا الشرط اقرب الی الاخلاص والتضرع ۷۷**



"کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے پرور دگار کو دل میں یاد کریں ' اور اس کا فائدہ یہ ہے کہ آدمی ذکر سے مکمل طور پر مستفید اس صورت میں ہو سکتا ہے جب ذکر میں یہ صفت پیدا ہو جائے کیونکہ اس شرط ( یعنی ذکر قلبی ) سے ذکر کرنا ' اخلاص اور تضرع سے زیادہ قریب ہے ۔ "

فائدہ : ذکر خفی مبتدی کو ریا وسمعہ سے محفوظ رکھتا ہے اور منتہی کے لئے ماسوائے اللہ کی محبت سے انقطاع کل اور فنائی المذکور کا فائدہ دیتا ہے ' جیسا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :۔ **من عرف اللہ کل لسانہ** اور تفسیرابی السعود میں ہے کہ :۔

**فھو عام فی الاذکار کافہ فان الاخفاء ادخل فی الاخلاص واقرب من الاجابہ۷۸**

"اخفاء تمام اذکار کے لئے عام ہے ' کیونکہ اخفاء ( ذکر خفی ) میں اخلاص کا عنصر سب سے زیادہ ہے اور قبولیت کے اعتبار سے اقرب ہے ۔ "

فائدہ : عبادت کی قبولیت کا انحصار اخلاص پر ہے اور ذکر خفی میں سب سے زیادہ اخلاص پایا جاتا ہے ۔

2: عبادت کا مقصود قبولیت ہے اور اخفاء اقرب الی المقصود ہے ۔ یہی وجہ ہے کہ صوفیائے کرام کی اکثریت نے ذکر خفی پر مواظبت کی ہے اور جن سلسلوں میں سالک کی تربیت کے لئے ذکر جہر لسانی کرایا جاتا ہے وہ صرف مبتدی کے لئے تھے اور منتہی کے لئے ان کے ہاں بھی ذکر خفی پر ہی زور دیا جاتا ہے ۔

## ذکر خفی کی فضیلت حدیث میں

عن ابی سعید الخدری قال سمعت
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول خیر الذکر الخفی ۷۹

" ابوسعید خدری" روایت کرتے ہیں کہ میں نے حضور اکرم صلی اللہ
علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا کہ بہترین ذکر ' ذکر خفی ہے ۔ "

" وعن سعد ابن ابی وقاص قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم یقول خیر الذکر الخفی۸۰

" حضرت سعد ابن ابی وقاص" فرماتے ہیں کہ میں نے حضور
صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا کہ بہترین ذکر ۔ ذکر خفی ہے ۔ "

گو ذکر مطلق ماموریہ ہے ' مگر ہم نے قرآن وحدیث سے متوارث اور متعامل ذکر کو لیا ہے ' جو بطور میراث ہمیں سلف صالحین اور صوفیہ عارفین سے ملا ہے اور جس کے افضل ہونے پر قرآن وسنت سے واضح دلائل ملتے ہیں ۔ ہم حفظ مراتب کو ملحوظ رکھتے ہیں ۔ فرائض کو راس المال سمجھتے ہیں اور نوافل کو بمنزلہ منافع جانتے ہیں اور اذکار میں سب سے افضل ذکر قلبی کو سمجھتے ہیں اور یہ قرآن وسنت کے عین مطابق ہے ۔ تزکیہ قلب اسی سے حاصل ہوتا ہے اور تزکیہ قلب ہی حقیقی کامیابی کا ضامن ہے ۔

کما قال اللہ تبارک وتعالی ۔ ان الذین اتقوا اذا مسہم طائف
من الشیطن تذکروافاذا ہم مبصرون ۔ ای اذا مسہم الشیطن
بالوسوسہ والتشویش وارسال الستور وارخاء الحجاب علی القلب
تذکروا اللہ تعالی فذکروا اسمہ ثم اذا تذکروایرد اللہ عنہم ویرفع
حجبہ ویبصر قلب الذاکر ۔

" یقیناً جو لوگ خدا ترس ہیں جب ان کو کوئی خطرہ شیطان کی
طرف سے آجاتا ہے تو یاد میں لگ جاتے ہیں سویکایک ان کی آنکھیں
کھل جاتی ہیں " ـــ یعنی جب متقی لوگوں کو شیطان کی طرف سے



وسوسہ اور پریشانی ہوتی ہے ' اور وہ ان کے دل پر پردے ڈال دیتا
ہے تو اس وقت وہ لوگ اللہ کو یاد کرتے ہیں اور اللہ کے نام کو یاد
کرتے ہیں تو اللہ تعالے ان کے دل پر سے پردے اٹھادیتا ہے اور
ذاکر کا دل دیکھنے لگتا ہے ۔ "

فائدہ ۱:معلوم ہوا کہ ذکر الٰہی موقوف ہے تقوے پر اور تقوے باب ہے ذکر الٰہی کا ' اور ذکر الٰہی باب ہے کشف کا ۔ اور کشف باب ہے فوزکبیر کا جو معرفت الٰہی ہے ۔ شیطان تو اپنے داؤ استعمال کرتا ہے مگر اس کی تدبیریں کمزور ہیں ' بشرطیکہ مقابل میں بندہ خدا ہو ' بندۂ ھوٰی نہ ہو ۔ **کما قال تعالے ـــ ان کیدالشیطن کان ضعیفا ۔**

۲: شیطان کا فسوں ذکر الٰہی سے فوراً دفع ہو جاتا ہے ' اور اللہ والوں پر اس کا تسلط نہیں ہوتا ۔

## ذکر قلبی

ذکر الٰہی اور ذکر کثیر کے لئے قرآن مجید میں متعدد آیات ملتی ہیں ' کہیں ذکر اسم ذات کی تاکید ہے کہیں ذکر قلبی کی تلقین کی گئی ہے جو ذکر کثیر اور ذکر دائمی کی واحد صورت ہے ۔ بالخصوص یہ آیت ذکر کی جامع خصوصیات کی حامل ہے ۔

واذکر ربک فی نفسک تضرعا وخیفۃ ودون الجہر من القول
بالغدو والاصال ولاتکن من الغافلین

اور یاد کرتا رہ اپنے رب کو دل میں گڑگڑاتا اور ڈرتا اور پکار
سے کم آواز بولنے میں ' صبح اور شام کے وقتوں اور مت رہ بے خبر

۔

اس آیت کی تفسیر مولانا محمد یوسف بنوری رحمتہ اللہ علیہ نے حضرت انور شاہ

صاحب رحمتہ اللہ سے نفحۃ العنبر من ہدی الشیخ انور کے صفحہ ۱۳۵ پر یوں فرمائی ہے۔

قال شیخ رحمہ اللہ انور لا نخرج فیہ عن اللفظ
وعنوانہ الی غیرہ فھو فی الذکرلا الصلوۃ وان کانت ذکرا
اقولہ واذکرربک الظاھر المرادبہ ذکرہ فی القلب ولعلہ لذالم
یقل واذکراسم ربک وقال تضرعا وخیفۃ ولم یقل خفیہ۔
للخیفۃ من عقابہ امر فی القلب کما قال انما المؤمنون الذین
اذا ذکر اللہ وجلت قلوبھم وعند الترمذی من ابواب صفۃ
جھنم عن انس عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال یقول اللہ
اخرجوا من فی النار من ذکر نی یوما وخافنی فی مقام ھذا
حدیث حسن

شیخ انور رحمتہ اللہ نے فرمایا: ہم قرآن کی اس آیت کے لفظ سے باہر نہیں جاتے اور نہ اس کے عنوان سے کسی غیر معنی کی طرف جاتے ہیں۔ پس اس سے مراد ذکر ہے نہ کہ نماز ' اگرچہ نماز بھی ذکر ہے۔ اور واذکر ربک سے ظاہر مراد ذکر قلبی ہے لسانی نہیں۔ نماز تو ذکر لسانی ہے ' شاید اسی وجہ سے اللہ تعالےٰ نے واذکر اسم ربک نہیں فرمایا۔ اور فرمایا تضرعا و خیفۃ اور خفیہ نہیں فرمایا۔ خوف دل کا فعل ہے اور از قبیل عقاب ہے یعنی خوف ' جیسے فرمایا مومن وہ ہیں جن کے سامنے خدا کا ذکر کیا جائے تو ان کے دل ڈرجاتے ہیں۔ اور ترمذی شریف کی حدیث صفت ابواب جہنم میں حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ



تعالےٰ فرمائے گا اس شخص کو آگ سے نکال دو جس نے صرف ایک دن مجھے یاد کیا ' یا وہ میرے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرا۔

اس آیت اور اس کی تفسیر سے ثابت ہوا کہ: ۔

۱: ذکر سے مراد ذکر قلبی ہے۔

۲: ذکر جہری لسانی کے مقابلہ میں ذکر قلبی کو فضیلت حاصل ہے۔

۳: ترمذی کی حدیث سے ظاہر ہے کہ ذکر دوزخ کی آگ سے نجات دلانے والا ہے۔

۴: اللہ تعالےٰ نے صبح وشام ذکر کرنے کا حکم دیا۔

۵: صبح وشام ذکر نہ کرنے والا خدا سے غافل ثابت ہوا۔

ہمارے سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ میں جو ذکر کرایا جاتا ہے وہ ذکر قلبی ہے اور صبح وشام ذکر کرایا جاتا ہے ' اور اس آیت پر ہمارا پورا پورا عمل ہے۔

## اجتماعی ذکر

فیض الباری ۲ : ۳۱۵ پر درج ہے کہ علامہ ابن حجر عسقلانی رحمتہ اللہ علیہ نے مصر میں مجلس ذکر قائم کی تھی۔

ثم اندرست ثم اندرست تلک المجالس حتی جاء السیوطی
رحمۃ اللہ فشرع ثم انقطعت بعدہ بالکلیۃ

پھر یہ مجلس نابود ہو گئی ' پھر امام سیوطی رحمتہ اللہ علیہ نے
اپنے زمانے میں قائم کی۔ پھر ان کے بعد منقطع ہو گئی۔

معلوم ہوا کہ متقدمین محدثین مجالس ذکر قائم کرنے کا اہتمام کیا کرتے تھے اور فیض الباری ۲ : ۳۱۲ پر ہے کہ نمازوں کے بعد سلف صالحین میں یہ دستور تھا کہ مجلس ذکر قائم کرتے تھے۔

فالسنة الخاصة فی ذلک قاضیة علی عموم الاحادیث فی الاذکار بعد الصلوٰة ففی المدخل لابن الحاج المالکی ان السلف الصالحین کانوایجلسون بعد الصبح والعصر فی المسجد لهم زمزمة وهی کدوی النحل -

اس ذکر میں جو خاص سنت ہے ' وہ اس امر کی متقاضی ہے وہ نمازوں کے بعد عام حدیثوں سے ثابت ہے اور مدخل ابن حاج مالکی میں ہے کہ سلف صالحین یعنی صحابہؓ تابعین وتبع تابعین نماز فجر اور عصر کے بعد مسجد میں حلقہ ذکر کرتے تھے ان کے ذکر کی آواز شہد کی مکھی کی بھنبھناہٹ کی طرح ہوتی تھی -

ذکر کی یہ صورت ذکر خفی ہے یا پاس انفاس ' جس کا نقشبندیہ کے ہاں خاص اہتمام کیا جاتا ہے -



۱۴

# حلقۂ ذکر

## اجتماعی ذکر کا ثبوت

حدیث سے اِس کی تائید

مجالسِ ذِکر قائم کرنے کا حکم

صوفیائ کا معمول قرآن وسُنّت پر مبنی ہے۔

قرآنِ کریم سے حلقہ ذِکر کا ثبوت۔

# حلقۂ ذِکر

گزشتہ باب میں یہ بیان ہو چکا ہے کہ ذکر الٰہی کمیت اور کیفیت کے اعتبار سے مطلق ہے اس اصول کے پیش نظر صوفیائے کرام نے ضرورت ' مناسبت ' موزونیت اور افادیت کے اعتبار سے جو صورت بہتر سمجھی اسے اختیار کر لیا ۔ کہیں انفرادی طور پر ذکر کرنے کی تلقین کی ۔ کہیں اجتماعی ذکر کی صورت اختیار کی ۔ مگر بعض نادان لوگ اجتماعی ذکر اور حلقہ ذکر کو بدعت کہہ دیتے ہیں ' حالانکہ مذکورۃ الصدر اصول کی بناء پر اسے بدعت کہنا غلطی ہی نہیں بلکہ خود ایک بدعت ہے ۔

## اجتماعی ذکر کا ثبوت

قال تعالٰے واصبر نفسک مع الذین یدعون ربھم بالغداۃ
والعشی یریدون وجھہ

" اور آپ اپنے آپ کو ان لوگوں کے ساتھ مقید رکھا کیجئے جو صبح شام اپنے رب کی عبادت محض اس کی رضا جوئی کے لئے کرتے ہیں ۔ "

اس آیت کے حصہ مع الذین سے اجتماعی ذکر اور حلقہ ذکر کا ثبوت ملتا ہے ۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی ان کی معیت کا حکم ملا ہے ' اس سے ذکر اجتماعی کی فضیلت بھی ظاہر ہو گئی ۔

## حدیث سے اس کی تائید

عن ابی هریرة قال قال رسول الله صلیٰ الله علیه وسلم ان
لله ملائکة یطوفون فی الطریق یلتمسون اهل الذکر فد
وجدواقوما یذکرون الله تنادو اهلمواالی حاجتکم فیحفونهم
باجنحتهم الی السماء الدنیا الی ان قال فیقول تعالے اشهدکم انی
قد غفرت لهم قال فیقول ملک من الملائکة فیهم فلان لیس منهم
انما جاء لحاجته قال هم الجلساء لایشقی جلیسهم ۸۱

" حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ملائکہ اہل ذکر کو تلاش
کرتے پھرتے ہیں جہاں کہیں انہیں ذاکرین کی کوئی جماعت مل جاتی
ہے اپنے ساتھیوں کو بلاتے ہیں کہ یہ ہے وہ چیز جس کی تمہیں تلاش
ہے - چنانچہ وہ ملائکہ ذاکرین کو آسمان دنیا تک اپنے پروں سے
ڈھانپ لیتے ہیں - یہاں تک کہ فرمایا کہ اللہ تعالے فرماتا ہے کہ میں
تم کو گواہ بناتا ہوں کہ میں نے ان لوگوں کو بخش دیا ہے ' پھر ان
میں سے ایک فرشتہ کہتا ہے کہ فلاں آدمی تو اہل ذکر سے نہیں ' وہ تو
اپنے کام کے لئے آیا تھا - پھر اللہ تعالے فرماتا ہے کہ یہ ایسی مجلس
ہے جس میں بیٹھنے والا بدبخت نہیں رہ سکتا - "

فوائد : ۱: اس روایت سے ثابت ہوا کہ مجالس ذکر قائم کرنا ایسا محمود عمل
ہے کہ ملائکہ کرام مجالس ذکر کی تلاش میں پھرتے رہتے ہیں ' کیونکہ ملائکہ اور
ذاکرین میں مناسبت ہے - جیسا پہلے ذکر ہو چکا ہے -

۲: ذکر الہٰی ایسی عبادت ہے جس پر مغفرت کا اعلان کیا جاتا ہے ' کسی اور
عبادت پر نہیں -

۳: وسیلہ صلحاء اور صحبت مشائخ کا محمود ہونا ثابت ہوا - ذاکرین کی جماعت
میں شمولیت سے بھی بدکار نجات حاصل کرلیتا ہے -

۴: اولیاء کی ذراسی صحبت ایماندار آدمی کو جنتی بنا دیتی ہے -



## مجالس ذکر قائم کرنے کا حکم

عن ابی رزین انه قال له رسول الله صلی الله علیه وسلم الا
ادلک علی ملاک هذاالامر الذی تصیب فیه خیرالدنیا والاخرة
علیک بمجالس اهل الذکر ۸۲

" حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا میں ایسے بہترین
عمل کی خبر نہ دوں جس سے تم دنیا و آخرت کی بھلائی سمیٹ لو
------ سنو! مجالس ذکر کو لازم پکڑو - "

فائدے : ۱ مجالس ذکر کی تلاش اور ان میں شامل ہونا مؤکد بتاکید ہے -

۲ : مجالس ذکر دین ودنیا کی کامیابی کا ذریعہ ہیں -

۳ : ذکر الہٰی سے رحمت الہٰی کا نزول اور اطمینان قلبی حاصل ہوتا ہے -

ولنعم ماقیل -

- انا من الرجال لایخاف جلیسهم - ریب الزمان ولایری مایرهب

## صوفیاء کا معمول قرآن وسنت پر مبنی ہے '

واوراد الصوفیه التی یقرئونها بعد صلوة علی حسب عاداتهم
فی سلوکهم لها اصل اصیل فقدروی البیهقی - عن انس ان النبی
صلی الله علیه وسلم قال لان اذکر الله مع قوم بعد صلوة الفجر
الی طلوع الشمس احب الی من الدنیا ومافیها ولان اذکرالله
تعالی بعد صلوة العصر الی ان تغیب الشمس احب الی من الدنیا
ومافیها -

فروی ابوداؤد عنه انه صلی الله علیه وسلم قال لان اقعد مع

قوم یذکرون اللہ تعالیٰ من صلوۃ الغداۃ حتی تطلع الشمس احب الی من ان اعتق اربعۃ من ولد اسمعیل ولان اقعد مع قوم یذکرون اللہ من صلوۃ العصر الی ان تغرب الشمس احب الی من ان اعتق اربعۃ۔

وروی ابونعیم انہ صلی اللہ علیہ قال مجالس الذکر تَنَزَّلُ علیہم السکینۃ فتحف بہم الملائکۃ فتغشاہم الرحمۃ ویذکرہم اللہ تعالیٰ۔

وروی احمد ومسلم انہ صلی اللہ علیہ وسلم قال لایقعد قوم یذکرون اللہ تعالیٰ الا حفت بہم الملائکۃ وغشیتہم الرحمۃ فتنزلت علیہم السکینۃ وذکرہم اللہ تعالیٰ فیمن عندہ

واذا ثبت ان لما یعتادہ الصوفیہ من اجتماعہم علی الاذکار والاوراد بعد الصبح وغیرہ اصلا صحیحا من السنۃ فھو ماذکر فلا اعتراض علیہم فی ذالک۸۳

" صوفیاء کرام جو اوراد و وظائف اپنے معمول کے مطابق نمازوں کے بعد پڑھتے ہیں ان کی اصل صحیح موجود ہے ۔ "

" بیہقی نے حضرت انسؓ کی روایت بیان کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ چیز مجھے دنیا ومافیہا سے زیادہ محبوب ہے کہ ذاکرین کیساتھ صبح کی نماز کے بعد طلوع آفتاب تک اور عصر کی نماز کے بعد غروب آفتاب تک ذکر الٰہی کیا کروں ۔ "

" اور ابوداؤد میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ذاکرین کے ساتھ مل کر صبح کی نماز کے بعد طلوع آفتاب تک ذکر کرنا مجھے اولاد اسمٰعیل علیہ السلام



سے چار غلام آزاد کرنے سے زیادہ پسند ہے ' اور نماز عصر کے بعد غروب آفتاب تک ان کے ساتھ ذکر کرنا چار غلام آزاد کرنے سے زیادہ محبوب ہے "

" اور ابونعیم نے بیان کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجالس ذکر پر ملائکہ کا نزول ہوتا ہے ' وہ انہیں اپنے پروں سے ڈھانپ لیتے ہیں ' اور ان پر نزول سکینہ ہوتا ہے اور ان پر اللہ کی رحمت سایہ کر لیتی ہے اور اللہ انہیں یاد کرتا ہے ۔ "

" اور امام احمد اور مسلم نے بیان کیا کہ جب کچھ لوگ ذکر الٰہی کے لئے بیٹھتے ہیں فوراً ہی ملائکہ انہیں اپنے پروں سے ڈھانپ لیتے ہیں ' اور ان پر نزول سکینہ ہوتا ہے ۔ اور اللہ کی رحمت برستی ہے ' اور اللہ تعالے ان لوگوں کا ذکر اپنے مقربین میں فرماتا ہے ۔ "

" جب یہ ثابت ہو گیا کہ صوفیائے کرام کے صبح وشام کے معتاد اجتماع اور اذکار و اوراد کی اصل سنت صحیح سے ثابت ہے اور اس کا ہم نے ذکر کر دیا ہے تو ان پر کوئی اعتراض نہیں ہو سکتا "

اس باب کی ابتدا میں جو آیت ہم نے پیش کی تھی اس کی جامع اور مکمل تفسیر فتاوی الحدیثیہ کی مذکورۃ الصدر عبارت سے ثابت ہو گئی اور حلقہ ذکر کی اصل قرآن وحدیث سے ثابت ہو گئی ۔

## قرآن کریم سے حلقہ ذکر کا ثبوت

تفسیر " کلام الملوک ' ملوک الکلام میں زیر آیت :۔

انا سخرنا الجبال معہ یسبحن بالعشی والاشراق والطیر محشورۃ بعد ما یحمل علی التسبیح القالی کما ھو ظاھر القران

ومئوید بکشف کثیر من اهل الله تعالی یوخذ منه امران الاول الاجتماع علی الذکر ۃ شیطا للنفس وتقویه للهمه وتعاکس برکات الجماعه من بعض علی بعض والثانی صحه مایتخیل فی بعض الاشغال من اشتغال کل مافی العالم بالذکر فله تاثیر عجیب فی جمع الهمه وقطع الخطرات ـ

آیت قرآنی کی تفسیر سے یہ بات واضح ہو گئی کہ حلقہ ذکر یعنی اجتماعی صورت میں ذکر کرنا مئوید بالقران ہے اور صاحب تفسیر نے حلقہ ذکر کے فوائد کی بھی نشان دہی کر دی - ان میں سے نشاط اور تقویت کا احساس تو عام ہے مگر تعاکس برکات کا مشاہدہ صرف اہل نظر کو ہی ہو سکتا ہے اور مجموعی طور پر اس کی " عجیب تاثیر " کی کیفیت الفاظ کے ذریعے بیان نہیں ہو سکتی اور جو لوگ صرف الفاظ سے کھیلتے ہیں انہیں ان کیفیات کا علم ہو تو کیونکر ' لہٰذا اپنی محرومی کو چھپانے کے لئے انکار کا سہارا لیتے ہیں :

قاصر گر کند ایں طائفہ طعن قصور     حاشا للہ کہ برآرم بزبان ایں گلہ را

ہمہ شیران جہاں بستہ ایں سلسلہ اند     روبہ از حیلہ چساں بگسلد ایں سلسلہ را



# ۱۵

# فضیلتِ ذکرِ الٰہی

ذکرِ الٰہی تمام عبادات سے افضل ہے۔

حضورؐ ہر وقت ذکرِ الٰہی میں مشغول رہتے تھے۔

حضورؐ نے ذکرِ الٰہی کو سب سے افضل عبادت فرمایا

ذکرِ الٰہی جانی اور مالی عبادتوں سے افضل ہے۔

ذکرِ الٰہی مومن کے لیے ایک قلعہ ہے۔

ذکرِ الٰہی سے غفلت ۔

# فضیلتِ ذکرِ الٰہی ،

## ذکر الٰہی تمام عبادات سے افضل ہے

قرآن مجید میں ذکر الٰہی کے صلہ میں ایک ایسی نعمت کا وعدہ کیا گیا ہے جس سے بڑی نعمت مومن کے لئے اور کوئی نہیں ہو سکتی **قال اللہ تعالیٰ - فاذکرونی اذکرکم** ' یہ وعدہ صرف ذکر الٰہی کے ساتھ مختص ہے اور ظاہر ہے کہ جسے اللہ تعالےٰ یاد کرے اس سے زیادہ خوش نصیب کون ہو سکتا ہے ؟ اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے یہ اعلان فرمایا کہ **ولذکر اللہ اکبر** واقعی اگر ذکر الٰہی سب سے بڑی نعمت نہ ہوتی تو اس کے صلے میں **اذکرکم** کی نعمت غیر مترقبہ کیوں کر مل سکتی تھی ؟

## حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہر وقت ذکر الٰہی میں مشغول رہتے تھے

عن عائشۃؓ قالت کان النبی صلے اللہ علیہ وسلم - یذکر اللہ علی کل احیانہ (رواہ مسلم باب مخالطۃ الجنب)

" حضور مقبول صلے اللہ علیہ وسلم ہر وقت ذکر الٰہی میں مشغول رہتے تھے "

**فائدہ :** لفظ " احیان " جمع ہے اور قاعدہ ہے کہ اضافت جمع کی اپنے مابعد کی طرف استغراق حقیقی کا فائدہ دیتی ہے -

پھر اس پر محیط الافراد لفظ " کل " بھی داخل ہے - لہٰذا تمام اوقات میں آپ ذکر الٰہی کرتے تھے اور تمام اوقات میں بول وبراز' جماع 'اکل وشرب ' نیند اور دوسرے مشاغل بھی شامل ہیں :

کما قال اللہ تعالےٰ ان لکُ فی النہار سبحاطویلا - کل

احیان میں ذکر کرنے سے مراد ذکر قلبی ہی ہو سکتا ہے اور استغراق حقیقی کی وجہ سے اپنے اوقات میں ذکر لسانی کو بھی شامل ہو گا ' خیال رہے کہ یہاں استغراق عرفی یا اضافی نہیں کیونکہ قرینہ مخالفۃ الجنب موجود ہے چونکہ ایسی حالت میں ذکر لسانی ناجائز ہے ' اس لئے لازما ذکر قلبی مراد ہو گا ۔

## حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ذکر الٰہی کو سب سے افضل عبادت فرمایا

عن ابی سعید ن الخدری ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سئل ای العبادۃ افضل درجۃ عند اللہ یوم القیٰمۃ قال الذاکرون اللہ کثیرا قلت یا رسول ومن الغازی فی سبیل اللہ عزوجل قال لوضرب بسیفہ فی الکفار والمشرکین حتی ینکسر ویختضب فماکان الذاکرون اللہ افضل منہ ۔

( رواہ الترمذی )۸۴

" حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا کہ کون سی عبادت اللہ کے نزدیک قیامت کے دن سب سے افضل ہو گی ؟ فرمایا! اللہ تعالےٰ کو کثرت سے یاد کرنے والوں کا درجہ سب سے بلند ہو گا ۔ میں نے عرض کیا کہ کیا مجاہد فی سبیل اللہ سے بھی ؟ فرمایا اگر مجاہد فی سبیل اللہ کفار اور مشرکین پر تلوار چلائے ' حتی کہ تلوار ٹوٹ جائے اور وہ خون سے لتھڑ جائے ' تب بھی اللہ کا ذکر کرنے والے افضل ہیں ۔ "



## ذکر الٰہی جانی اور مالی عبادتوں سے افضل ہے

عن ابی الدرداءؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الا انبئکم بخیر اعمالکم وازکاھا عند ملیککم و ارفعھا فی درجاتکم لکم من ان تلقو اعدوکم فتضربوا اعناقھم قالو بلی یا رسول اللہؐ قال ذکر اللہ تعالی قال الحاکم فی کتابہ المستدرک علی الصحیحین ھذا حدیث صحیح الاسناد ۔۸۵

" حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا میں تمہیں ایسا عمل نہ بتاؤں جو سب سے افضل ہو ' جس کا ثواب اللہ کے ہاں سب سے زیادہ ہوجو تمہارا درجہ سب سے بلند کر دے اور وہ عمل کرنا سونا چاندی خرچ کرنے سے بھی زیادہ پسندیدہ ہو اور جو دشمنوں کے خلاف جنگ کرنے اور انہیں قتل کرنے سے بھی افضل ہو ۔ صحابہؓ نے عرض کیا کہ حضورؐ ضرور فرمایئے ۔ فرمایا اللہ کا ذکر سب سے افضل ہے ۔"

## ذکر الٰہی مومن کے لئے ایک قلعہ ہے

قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم امرکم بذکر اللہ کثیرا ومثل ذلک کمثل رجل طلبہ العدو سراعا فی اثرہ حتی یاتی حصنا حصینا فاحرز نفسہ فیہ وکذالک للعبد لاینجوامن الشیطین الابذکر اللہ

" حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں تمہیں حکم دیتا ہوں

کہ اللہ کو کثرت سے یاد کیا کرو ' اس کی مثال ایسی ہے کہ آدمی کے تعاقب میں دشمن تیزی سے آرہا ہو اور وہ آدمی اس سے بچنے کے لئے قلعہ میں پناہ گزیں ہو جائے اسی طرح شیطان کے حملے سے بچنے کی صرف ایک صورت ہے اور وہ اللہ کا ذکر ہے ۔ "

## ذکر الٰہی سے غفلت شیطان کے ہاتھ پر بیعت کرنے کے مترادف ہے

قال تعالٰی فمن یعش عن ذکر الرحمن نقیض لہ شیطانا فھو لہ قرین ۔

( الزخرف )

فقولہ تعالٰی ۔ استحوذ علیھم الشیطن فانسٰھم ذکر اللہ اُولٰئک حزب الشیطٰن ۔ ( المجادلہ )

" جو شخص ذکر الٰہی سے آنکھ چرالے ہم اس پر ایک شیطان مسلط کر دیتے ہیں سو وہ اس کا ساتھی بن جاتا ہے "

" ان پر شیطان نے پورا تسلط کر لیا ہے ' سو اس نے ان کو خدا کی یاد بھلادی ۔ یہ لوگ شیطان کا گروہ ہیں ۔ "

ان دونوں آیتوں سے واضح ہو گیا کہ اللہ کی یاد سے غافل ہونا شیطان سے تعلقات استوار کرنا ہے اور اللہ سے تعلق توڑنا اور شیطان سے رشتہ جوڑنا ہے جو ذکر سے غافل ہوا حزب اللہ سے نکل گیا اور حزب الشیطان میں داخل ہو گیا ۔

اللھم احفظنا



# ۱۶

# توجہ اور تصرفِ شیخ

قرآن مجید سے القا اور تصرف باطنی کی چند مثالیں ۔

حدیثِ فعلی میں توجہ اور تصرف کی مثالیں

حدیثِ ابنِ ابی کعبؓ

توجہ شیخ

# توجّہ اور تصرّفِ شیخ

تصوف وسلوک القائی اور انعکاسی عمل ہے اس لئے اس راہ پر چلنے اور اس میں ترقی کرنے کے لئے صحبت شیخ ضروری ہے اور شیخ سے اخذ فیض اور حصول توجہ کے لئے اعتماد علی الشیخ نہایت ضروری ہے توجہ تصرف ' ہمت اور جمع خاطر اس سلسلہ کی خاص اصطلاحات ہیں ان کا ماخذ کتاب الٰہی ہے۔

قال اللہ تعالٰی ' وایدناہ بروح القدس ای تغلیب ملکیتہ علی بشریتہ ۸۶

" ہم نے عیسیٰ علیہ السلام کی تائید روح پاک سے کی ' یعنی وصف ملکیت کو بشریت پر غالب کر دیا "

حدیث نبویؐ سے اسی حقیقت کی تائید یوں ہوتی ہے :

قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم - اللھم ایدہ بروح القدس -

( رواہ مسلم )

" حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حسان بن ثابتؓ کے حق میں )
دعا کی یا اللہ اس کی امداد روح پاک یعنی جبریل علیہ السلام سے فرما "

**فائدہ :** اس آیت اور حدیث مذکورہ بالا سے تائید وتاثیر باطنی ثابت ہوئی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام میں تائید باطنی یوں ظاہر ہوئی کہ اوصاف ملکیہ سے متصف ہوئے اور ملائکہ کی دنیا میں جا آباد ہوئے اور وحی کی تفسیر وحی سے کی گئی

کہ حضرت حسانؓ بن ثابت کی تائید سے یقیناً تائید باطنی مراد ہے ' حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی کہ " الٰہی حسانؓ کے دل میں جبرئیل علیہ السلام کے القاء اور الہام سے کفار کی توہین کرنے کی قوت پیدا کر دے تاکہ وہ ایسے اشعار کہنے پر قادر ہو جائیں۔

## قرآن مجید سے القاء اور تصرف باطنی کی چند مثالیں

قال اللہ تعالےٰ ' اذکنتم اعداء فالف بین قلوبکم فاصبحتم بنعمتہٖ اخوانا ( اٰل عمران )

وقولہ تعالیٰ - اذ یوحی ربک الی الملئکۃ انی معکم فثبتوا الذین اٰمنوا -

" جب تم دشمن تھے ' پس اللہ تعالےٰ نے تمہارے قلوب میں الفت ڈال دی - سو تم خدا کے انعام سے آپس میں بھائی ہو گئے - "

" اس وقت کو یاد کرو جب کہ آپ کا رب فرشتوں کو حکم دیتا تھا کہ میں تمہارا ساتھی ہوں سو تم ایمان والوں کی ہمت بڑھاؤ - "

ایمان والوں کی ہمت بڑھانے اور انہیں ثابت قدم رکھنے کی صورت کیا ہے جس پر فرشتوں کو مقرر کیا گیا ؟ یہی کہ ان کے دلوں میں ایسی قوت کا القاء کریں کہ ان کے دل قوی ہو جائیں اور کفار کا مقابلہ پوری دلجمعی سے کریں -

## حدیث فعلی میں توجہ اور تصرف کی مثال

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب حرا میں تھے تو حضرت جبرئیل علیہ السلام تشریف لائے اور تین بار فرمایا ' "اِقرأ " دو دفعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے



جواب دیا" ما انا بقاری" مگر تیسری بار حضرت جبرئیل علیہ السلام نے سینہ سے لگا کر چھوڑا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھنا شروع کر دیا۔

بخاری کی اس حدیث کی شرح میں عارف کامل محدث اجل عبداللہ بن ابی جمرہ رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا ہے :

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاخذنی فغطنی - الخ

وفیہ دلیل علی ان اتصال جرم الغط باالضغط وضمہ الیہ فھو احدی الطرق الافاضۃ یحدث بہ فی الباطن قوۃ نورانیۃ مشعشعۃ تکون عونا علی حمل ماالقی الیہ لان جبریل علیہ السلام لما اتصل جرمہ بذات محمد صلی اللہ علیہ وسلم صنیۃ فحدث لہ ماذکرناہ بذالک فھو ماالقی الیہ لفوقہ سمع خطاب الملک فلم یکن لہ قبل ذالک وقد وجداھل المیراث من الصوفیۃ المتبعین المحققین ۸۷

" اس حدیث سے ثابت ہوا کہ دبانے والے کا اتصال اس کے جسم سے ہوا جسے بھینچا گیا جو ایک طریقہ حصول فیض کا ہے ' تو اس جسم کے اتصال سے باطن میں ایک قوت نورانیہ پیدا ہو جاتی ہے اور اس قوت سے دوسرا شخص اس بوجھ کے اٹھانے کے قابل ہو جاتا ہے - چنانچہ جب جسم جبریل علیہ السلام حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس سے متصل ہوا تو اس میں وہ کیفیت نورانیہ پیدا کر دی ' جس کا ہم نے ذکر کیا ہے - مزید یہ کہ فرشتہ کی آواز سنی جو اس سے پہلے نہ سنی تھی ' اور اہل میراث متبعین سنت محققین صوفیہ نے یہی طریقہ حاصل کیا ہے - "

**فائدہ :۔** ہمارے سلسلہ میں اس حدیث فعلی کی روشنی میں سالک پر ابتدا

میں تین بار توجہ کی جاتی ہے اور یہی طریقہ ہمارے ہاں متوارث چلا آتا ہے۔

## حدیث ابی بن کعبؓ

مشکوۃ میں حضرت ابی بن کعبؓ کا واقعہ ان کی زبانی مذکور ہے۔

" فسقط فی نفسی من التکذیب ولا اذ کنت فی الجاهلیة فلما رای رسول الله صلی الله علیه وسلم ماقد غشینی ضرب فی صدری ففضت عرقا وکانی انظر الی الله "

قال صاحب المرقاة فلما نالہ برکة یدالنبی صلی الله علیه وسلم زال عنه الغفلة والانکار وصارفی مقام الحضور والمشاهدة ۸۸

" ابی ابن کعبؓ فرماتے ہیں کہ اسلام کی تکذیب زمانہ جاہلیت سے بھی زیادہ میرے دل میں واقع ہو گئی ' جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے دیکھا تو میرے سینے پر ہاتھ مارا تو میں پسینہ پسینہ ہو گیا ' حالت یہ ہو گئی کہ گویا میں اپنے رب کو دیکھ رہا ہوں " ــ صاحب مرقات فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک کی برکت سے غفلت زائل ہو گئی ' اور فورا ہی مقام حضور ومشاہدہ حاصل ہو گیا۔ "

فائدہ : ــ ۱: توجہ کی غرض غفلت کو دور کرنا اور نور ایمان کو تیز کرنا ہوتا ہے۔

۲: ابی بن کعبؓ کے واقعہ سے معلوم ہوا کہ توجہ سے انکشاف ہو جاتا ہے۔

۳: مجاہدات اور ریاضت کے ذریعے سالہاسال اتنا فائدہ نہیں ہوتا جو شیخ کی تھوڑی سی توجہ سے حاصل ہو جاتا ہے '



۴: شیخ کی توجہ کے بغیر محض مجاہدات سے منازل سلوک طے نہیں ہو سکتے ' کیونکہ سلوک اور تصوف القائی اور انعکاسی عمل ہے۔

توجہ کے لئے قلب میں قبولیت کی استعداد کا ہونا ضروری ہے ' اس لئے اس اعتراض کی گنجائش نہیں کہ ابوطالب پر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تصرف کیوں نہ کیا ؟

## توجہ شیخ

تصوف وسلوک کی خصوصیت منازل سلوک اور مقامات سلوک طے کرنا ہے۔ جیسا کہ شامی ۴: ۲۳۹ پر ہے :

الطریقة هی السیرة المختصة بالسالکین الی الله تعالی من قطع المنازل والترقی فی المقامات ـ

اور اس مقصد کو حاصل کرنے کا ذریعہ شیخ کامل کی توجہ ہے اور اس کی اصل حدیث میں موجود ہے ' چنانچہ فتح الباری شرح بخاری 1: ۸۹

وقال هذا القدر من الحدیث اصل عظیم من اصول الدین وقاعدة مهمة من قواعد المسلمین وهو عمدة الصدیقین وبغیة السالکین وکنزالعارفین وأداب الصالحین وقد ندب اهل التحقیق الی مجالسة الصالحین لیکون ذالک مانعا من التلبس بشئی من النقائص احتراما لهم واستحیاء منهم ـ

فرمایا یہ حدیث ( جبرئیل علیہ السلام یا حدیث احسان ) اصول دین میں سے عظیم اصل ہے ۔ اور قواعد مسلمین میں سے ایک اہم

قاعدہ ہے - اور یہ حدیث صدیقین کی معتمد علیہ اور سالکوں کی مطلوبہ چیز ہے - اور عارفوں کا خزانہ اور صلحاء کے آداب میں سے ہے - حقیقت یہ ہے کہ علماء محققین نے صلحاء کی مجالس کی ترغیب دلائی ہے تاکہ ان اولیاء اللہ وصلحاء کی مجلس عیوب و نقائص پیدا ہونے میں رکاوٹ بن جائے جس کی وجہ ان صلحاء کا احترام یا ان سے حیاء کرنا ہو گا -

اور تحفۃ القاری : ۱:۲۱ پر توجہ صوفیاء کا واضح ثبوت بیان ہوا ہے -

فا خذنی فغطني اى ضمنى وعصرنی قال علماء الشريعۃ كان هذا الغط ضربا من التنبيه لاحضار القلب ليقبل بكليۃ الى ما يلقى اليه وعليه وقال علماء الطريقۃ كان هذا الغط توجها باطنيا لا يصال الفيض الروحانی فتغليب الملكيہ على البشريہ قيل الغط الاول فليتخلى عن الدنيا والثانيۃ يستفرغ لمايوحى اليه والثالثۃ للموانسۃ ومثل هذا التصرف الباطنی ثابت بالكتاب والسنۃ وعليه السادۃ الصوفيۃ قال الله عزوجل اذيوحى ربک الى الملائكۃ انى معكم فثبتوا الذين امنوا اى بالالقاء الخفيۃ والتوجهات الباطنيۃ -

پس جبرئیل علیہ السلام نے مجھے پکڑا اور سینہ سے لگایا اور بھینچا۔ علماء ظواہر کہتے ہیں کہ یہ بھینچنا دل کو متوجہ کرنے کے لئے ایک قسم کی تنبیہہ تھی کہ جو چیز قلب پر القاء ہوا سے قبول کرلے - اور علماء طریقت کہتے ہیں کہ یہ سینے سے لگانا حصول فیض کے لئے باطنی توجہ تھی اور بشریت پر ملکیت کو غالب کرنا مقصود تھا۔ پہلی مرتبہ بھینچنے سے دل کو دنیا سے خالی کرنا تھا ' دوسری مرتبہ وحی کے لئے دل کو فارغ



کرنا تھا اور تیسری مرتبہ انس پیدا کرنے کے لئے تھا - اسی طرح تصرف باطنی قرآن وسنت سے ثابت ہے اور اسی پر صوفیائے کرام کا عمل ہے - اللہ تعالے نے فرمایا کہ جب تیرے رب نے فرشتوں کی طرف وحی کہ میں تمہارے ساتھ ہوں اور ایمانداروں کو ثابت قدم رکھو یعنی القاء اور توجہ باطنی سے ثابت قدم رکھو -

ہمارے سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ میں اسی حدیث کے مطابق مبتدی سالک کو تین مرتبہ توجہ دی جاتی ہے ' پہلی توجہ سے مقصدروحانی شکل کی درستی ہوتی ہے - دوسری دفعہ رفع نحوست کے لئے اور تیسری بار تنویر قلب کے لئے - اسی سے سالک میں مقامات ومنازل سلوک طے کرنے کی صلاحیت پیدا ہوتی ہے - اور اسی لئے توجہ شیخ کامل کے بغیر یہ منازل طے نہیں ہو سکتے -

چنانچہ بخاری ۱:۲۴۱ پر حدیث موجود ہے :

عن يعلى فانزل الله تعالى على النبى صلى الله عليه وسلم فستر بثوب فقلت لعمر فودت انى فدرايت النبى صلى الله عليه وسلم فقد انزل الله عليه الوحى ' فقال عمر تعال - ايسرک ان تنظر الى النبى صلى الله عليه وسلم فقد انزل الله عليه الوحى قلت نعم فرفع طرف الثوب فنظرت اليه له غطيط واحسبه قال غطيط البكر -

پس اللہ تعالےٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل کی اور آپؐ نے کپڑا لپیٹ لیا - میں نے حضرت عمرؓ سے عرض کیا کہ میں چاہتا ہوں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس حالت میں دیکھوں جب آپ پر وحی نازل ہو رہی ہو - حضرت عمرؓ نے فرمایا - ادھر آ - کیا تجھے یہ بات پسند ہے کہ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس

حالت میں دیکھے کہ اللہ تعالے ان پر وحی نازل کر رہا ہو ؟ میں نے کہا ہاں ! اس پر حضرت عمرؓ نے کپڑے کی ایک جانب کو اٹھایا ۔ پس میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپؐ غطیط کی حالت میں تھے ۔ اور میرا خیال ہے کہ نوجوان اونٹ کی غطیط کی سی کیفیت تھی۔

غطیط کے معنی حبس دم ہے ۔ معلوم ہوا کہ وحی کی حالت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر حبس دم کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے ۔حبس دم سے ذکر کرنے اور چادر لپیٹ کر ذکر کرنے کی اصل اس حدیث میں موجود ہے ۔ صوفیہ کرام پاس انفاس کے طریقے یا حبس دم سے جو ذکر کراتے ہیں اس کی اصل بھی اسی حدیث میں موجود ہے ۔ صوفیہ جو مراقبہ کراتے ہیں جس کا مطلب فیض الٰہی کا انتظار ہے وہی کیفیت ہے جو نبیؐ کو اس وقت ہوتی تھی جب نزول وحی کے وقت احکام الٰہی کا انتظار ہو رہا ہوتا تھا ۔ اسی حدیث سے مراقبہ کی اصل بھی ثابت ہوتی ہے ۔



# ۱۷

# الکشف والالہام

حصولِ علم کے ذرائع ۔

عدمِ کشف بڑا حجاب ہے ۔

کشف کے لیئے شرائط ۔

حدیثِ نفس اور القائے شیطانی ۔

کشف والہام کی صحت کا معیار ۔

دلائلِ کشف قرآنِ حکیم سے ۔

کشف والہام میں فرق

## حالتِ برزخی

انبیاؑ واولیاؒ کو قبل از وجودِ اشیاؑ کا اِنکشاف

کشف اور الہام از قبیل وحی انبیاؑ ہیں۔

کشف اور خواب میں فرق۔

کشف اور الہام بدکاروں کا حصّہ نہیں۔

الہام کا اِنکار مردُود ہے۔

کشف اور الہام خاص اہلِ اللہ کا حصّہ ہے۔

کشف میں انقلابی اثر ہے۔

حقیقی ایمان بھی ایمانِ شہُودی ہے۔

اَصل ایمان اطمینانِ قلب ہے۔

محاکمہ مابین علمائے ظواہر وعُلمائے باطن از رُوئے کتابُ اللہؕ



# الکشف والالہام

## حصول علم کے ذرائع

انسان کے لئے حصول علم کے ذرائع تین ہیں حواس ظاہری وہم وعقل اور نور بصیرت ' حواس ظاہری سے جو علم حاصل کیا جاتا ہے اس کی بنیاد احساس اور مشاہدہ پر ہے۔ عقل ووہم سے جو علم حاصل ہوتا ہے وہ انتقال من المعلوم الی المجہول کے طریقہ پر ہوتا ہے اور نور بصیرت سے جو علم حاصل ہوتا ہے ' اس کا ذریعہ تلقی روحانی عن الغیب ہے ' وحی۔ تحدیث تفہیم۔ ذوق۔ معرفت۔ علم لدنی۔ مشاہدہ۔ کشف۔ الہام اور وجدان تلقی روحانی کی ہی مختلف صورتیں ہیں

لقد تسمی جمیع انواع التلقی عن الغیب ماعدا الوحی الکشف فالالہام - فلما انقطع الوحی بخاتم الانبیاء صلوات اللہ علیہ لم یبق من اقسام التلقی الاالکشف فالالہام ۸۹

" وحی جلی کے سوا تلقی عن الغیب کی تمام اقسام کا نام کشف والہام رکھا گیا ہے اور جب وحی جلی ' خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ منقطع ہو گئی تو اب تلقی عن الغیب کی صرف ایک شکل کشف والہام باقی رہ گئی۔"

علم نقلی بھی اسی تلقی عن الغیب سے ہے ' اور اس کا حصول خبر معصوم پر موقوف ہے ' اور ہر خبر احتمال جانبین کا رکھتی ہے ' یعنی صدق کا بھی اور کذب کا بھی۔ یہاں یہ اعتراض بے جا ہے کہ علامہ خیالی نے " اخبار میں اصل صدق کو بتایا ہے اور کذب کو ایک احتمال عقلی قرار دیا ہے " کیونکہ عقل بھی ایک مضبوط

دلیل ہے اور احتمال جو ناشی از دلیل ہو ' وہ بھی قوت رکھتا ہے اور دلیل کو باطل کر دیتا ہے -

جس طرح شریعت ظاہری میں اخبار معصوم کے متعلق صحیح تمیز رکھنے والے علماء موجود ہیں جو صحیح سے سقیم کو الگ کر دیتے ہیں اسی طرح کشف والہام میں بھی مہارت رکھنے والے صوفیہ عارفین موجود ہیں جو صحیح اور سقیم میں تمیز کر لیتے ہیں ' البتہ یہ درست ہے کہ علوم ظاہریہ کے پرکھنے والے ماہرین بہت ہیں ' مگر کشف والہام کے ماہرین کمیاب ہیں لیکن عدم وجدان سے عدم وجود لازم نہیں آتا اور اس میں شک نہیں کہ علوم کشفیہ اور الہامیہ بھی خزانہ غیب کے علوم سے ہیں - جیسے علوم شرعیہ خزانہ غیب سے ہیں ' دونوں میں فرق قطعی اور ظنی کا ہے -

## عدم کشف بڑا حجاب ہے

عدم کشف خالق اور مخلوق کے درمیان بڑا حجاب ہے :

کما قال تعالیٰ: کلا انہم عن ربہم یومئذ لمحجوبون -

قال الرازی قد ثبت بالدلائل العقلیہ ان عذاب الحجاب اشد من عذاب النار فلذلک قال کلا انہم عن ربہم - - - - الخ

ثم انہم لصالوالجحیم - فقدم الحجاب علی الجحیم - ثم انہم کانوا محجوبین فی الحال فکان سبب العذاب بکمالہ الا ان الاشتغال بالدنیا فلذاتہا کالعائق عن ادراک ذالک الالم کما ان العضو المخدر اذا مستہ النار - فان سبب الالم حاصل فی الحال لکنہ لایحصل الشعور بذالک الالم بقیام العائق فاذا زال العائق



عظم البلاء فکذا ھھنا اذا زال البدن عظم عذاب الحجاب ۹۰

" یوں ہرگز نہیں ' تحقیق وہ لوگ اپنے رب سے اس دن روک دیئے جائیں گے -

" امام رازی رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ یہ بات دلائل عقلیہ سے ثابت ہے کہ عذاب حجاب ' عذاب نار سے شدید تر ہے - اسی واسطے باری تعالےٰ نے فرمایا -

کلا انہم الخ "

" پھر وہ کافر دوزخ میں داخل ہوں گے - "

حجاب کو جحیم سے پہلے بیان فرمایا - پھر وہ کافر فی الحال بھی حجاب میں تھے پس سبب عذاب تو بکمالہ موجود ہے ' مگر کفار کا دنیا میں مشغول ہونا اور اس کی لذات میں غرق ہونا فہم عذاب میں مانع ہے - جیسے ایک عضو مخدر ہو تو اسے آگ کے چھونے سے درد کا احساس نہ ہو گا ' حالانکہ سبب عذاب درد تو موجود ہے ' لیکن عدم شعور بوجہ مخدر ہونے کے ہے ' اور جب یہ مانع زائل ہو جائے تو عذاب کی شدت کا احساس بڑھ جائے گا - کفار کے معاملہ میں بھی حالت یہی ہے کہ جب بدن روح سے الگ ہو جائے گا تو حجاب کا عذاب شدید تر ہو جائے گا - "

## کشف کے لئے شرائط

۱: کشف والہام اس شخص کو حاصل ہوتا ہے ' جسے اللہ تعالےٰ نے قلب سلیم عطا فرمایا ہو کیونکہ قلب سلیم کے باطنی حواس بیدار ہوتے ہیں اور قلب ان کے ذریعے علوم باطنی کا ادراک کرتا ہے - ٹھیک اسی طرح جیسے انسان ظاہری

حواس سے ظاہری علوم کا اکتساب کرتا ہے۔

**۲: شریعت حقہ کا کامل اتباع۔**

گویا کشف والہام کے لئے دو شرائط ہیں ' ایک وہبی یعنی قلب سلیم کا ہونا ' ایک کسبی ' یعنی اتباع شریعت ' جس شخص میں یہ دونوں شرائط پائی جائیں گی اسے الہام خیر اور القائے رحمانی سے نوازا جائے گا ' جس کا عقیدہ خراب ' عمل ناقص اور اخلاص نایاب ہو اسے کیسے اتنی بڑی نعمت کا مستحق قرار دیا جائے گا ؟

## حدیث نفس اور القائے شیطانی

**قال اللہ تعالے ' وان الشیطین لیوحون الی اولیائهم '** اور اس قسم کی متعدد دوسری آیات سے ثابت ہوتا ہے کہ شیطان کی طرف سے بھی القاء والہام کا سلسلہ برابر چل رہا ہے۔ مگر اس کے لئے بھی ایک خاص معیار اور شرط ہے۔

کماقال تعالے ۔ هل انبئکم علی من تنزل الشیطین ' تنزل علی کل افاک اثیم ۔

" کیا میں تمہیں بتاؤں کہ شیطان کس پر اترا کرتے ہیں ' ایسے شخصوں پر اترا کرتے ہیں جو دروغ گفتار بدکردار ہوں ۔ "

اس سے معلوم ہوا کہ القائے شیطانی بھی اس شخص پر ہوتا ہے جو کفر وشرک وبدعت میں کمال پیدا کرلے ۔ جوگیوں ' پنڈتوں اور دوسرے بے دینوں کے خرافات اسی قبیل سے ہیں ۔

## کشف والہام کی صحت کا معیار

**۱:** جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے کہ کشف کے لئے ایک وہبی چیز یعنی قلب سلیم کا ہونا پہلی شرط ہے ' اسی طرح کشف کی صحت کا ایک وہبی معیار وجدان صحیح



ہے ۔ اس کی مثال یوں سمجھئے کہ معدہ انسانی مکھی کا وجود قبول نہیں کرتا ' اور جیسے معدہ انسانی مکھی کو باہر پھینک دیتا ہے ' اسی طرح قلب سلیم القائے شیطانی سے بے چینی محسوس کرتا ہے اور اسے رد کر دیتا ہے

**۲:** ہر کشف والہام کو کتاب وسنت کے سامنے پیش کیا جائے گا اگر وہ وحی قطعی سے متصادم ہے تو مردود ہے اور اگر کتاب وسنت کے مطابق ہے تو صاحب کشف کو یقین رکھنا چاہئے کہ یہ من جانب اللہ ہے ۔

**۳:** شریعت نے یہ التزام نہیں کیا کہ ہر امر واقعی کی تفصیل بیان کر دے ۔ ہاں جس امر کی شریعت نے نفی کر دی وہ منفی ہے اور جس کا اثبات کر دیا وہ مثبت ہے اور جس امر سے شریعت نے سکوت کیا وہ نفی اور اثبات دونوں کا احتمال رکھتا ہے پس کشف والہام سے ان دونوں امور میں سے جو چیز ثابت ہو گی ' وہ حق ہو گی ۔ البتہ وہ کشف والہام مردود ہو گا جو شریعت کے منفی کو مثبت بنادے ' یا مثبت شریعت کو منفی قرار دے ۔

پس حصول علم کے سلسلے میں کشف صحیح اور الہام والقائے ربانی کا انکار دین کے متواترات کا انکار ہے ۔

## دلائل کشف قرآن حکیم سے

**قال تعالی :**

**۱:** فوجدا عبدا من عبادنا اتیناه من لدنا علما

( الکہف )

**۲:** فارسلنا الیها روحنا فتمثل لها بشرا سویا

( مریم )

**۳:** واذ قالت الملٰئکة یٰمریم ان اللہ اصطفاک وطهرک

فاصطفاک علیٰ نساء العٰلمین –

( اٰل عمران )

۳: یٰمریم اقنتی لربک واسجدی وارکعی مع الراکعین –

( ال عمران )

۵: اذ قالت الملٰئکۃ یٰمریم ان اللہ یبشرک بکلمۃ منہ –

( اٰل عمران )

۲ : اذ اوحیت الی الحواریین ان اٰمنوا بی وبرسولی –

( المائدہ )

۷ : ولقد اٰتینا لقمان الحکمۃ ان اشکر للہ ( ای قلنا ان اشکرللہ )

( لقمٰن )

۸: واوحینا الیٰ ام موسیٰ ان ارضعیہ – – – الخ

( القصص )

۹: قلنا یا ذاالقرنین اما ان تعذب واما ان تتخذ فیھم حسنا

( الکھف )

۱۰: فلما فصل طالوت بالجنود قال ان اللہ مبتلیکم بنھر –

( البقرۃ )

۱: سو انہوں نے ہمارے بندوں میں سے ایک بندہ کو پایا جسے ہم نے اپنی خاص رحمت دی تھی اور ہم نے اسے اپنے پاس سے خاص طور کا علم سکھایا تھا – "

۲: " پس ہم نے ان کے پاس اپنے فرشتہ کو بھیجا ' اور وہ ان کے سامنے ایک پورا آدمی بن کر ظاہر ہوا – "



۳: " اور جب فرشتوں نے کہا اے مریم (علیہا السلام) بلاشبہ اللہ تعالے نے تم کو منتخب فرمایا ہے اور پاک بنایا ہے اور تمام جہان بھر کی عورتوں کے مقابلہ میں منتخب فرمایا ہے – "

۴: " اے مریم (علیہا السلام) اپنے پروردگار کی اطاعت کرتی رہو اور سجدہ کیا کرو اور رکوع کیا کرو ان لوگوں کے ساتھ جو رکوع کرنے والے ہیں "

۵: " جب فرشتوں نے کہا اے مریم ! بے شک ! اللہ تعالے تم کو بشارت دیتے ہیں ایک کلمہ کی جو منجانب اللہ ہو گا – "

۶: " اور جب میں نے حواریین کو حکم دیا کہ تم مجھ پر اور میرے رسول پر ایمان لاؤ – "

۷: " اور ہم نے لقمان کو دانش مندی عطا فرمائی کہ اللہ تعالے کا شکر کرتے رہو ' یعنی ہم نے کہا کہ اللہ کا شکر کرتے رہو – "

۸: " اور ہم نے موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کو الہام کیا کہ تم ان کو دودھ پلاؤ " الخ

۹: اور ہم نے یہ کہا اے ذوالقرنین ! خواہ سزا دو ' خواہ ان کے معاملہ میں نرمی کا سلوک اختیار کرو "

۱۰: اور جب طالوت فوجوں کو لے کر چلے تو انہوں نے کہا کہ حق تعالے تمہارا امتحان کریں گے ایک نہر سے "

تلک عشرۃ کاملۃ

فائدہ : نصوص قرآنیہ سے علوم کشفیہ اور الہامیہ ثابت ہو گئے ' یہ بعد کی بات ہے کہ یہ علوم قطعیہ ہوتے ہیں یا ظنیہ ' نفس علم الہام و کشف ثابت ہو گیا اس کا منکر نصوص قرآنیہ کا منکر ہو گا –

سوال : ۔ کیا یہ علم غیب نہیں کہ کشف سے کسی کے دل کی بات معلوم کر لی جائے ۔

الجواب : ۔ اس کو کشف قلوب کہا جاتا ہے اور یہ علم غیب نہیں ' کیونکہ علم غیب کی تعریف یہ ہے کہ اس کی ابتدا اور انتہانہ ہو ' ذاتی ہو اور کسی واسطہ سے حاصل نہ ہو ' مگر اولیاء اللہ کا علم ذاتی نہیں بلکہ کشف والہام کے واسطے سے ہوتا ہے ' قدیم نہیں حادث ہے ' حضوری نہیں حصولی ہے ۔ ابن قیم نے کشف والہام پر بحث کرتے ہوئے لکھا ہے :

لیس هذا من علم الغیب بل علام الغیوب قذف الحق فی قلب قریب مبشرا بنوره غیر مشغول بنقوش الاباطیل والخیالات والوساس التی تمنعه من حصول صور الحقائق ؏

" یہ علم غیب نہیں ' بلکہ علام الغیوب نے اس قلب میں ڈالا ہے جو نور سے بشارت دیا ہوا ہے اور نقوش باطلہ ' خیالات فاسدہ اور وساوس میں مشغول نہیں ' یہ وہ چیزیں ہیں جو حصول حقائق میں مانع ہوتی ہیں ۔ "

فائدہ : ۔ اس عبارت سے معلوم ہوا کہ یہ علم غیب نہیں اور کشف اللہ کے خاص بندوں کو ہوتا ہے جن کے قلوب صاف اور محبت الہی میں غرق ہوتے ہیں ' نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ جوگیوں اور بے دینوں پر حقائق اشیاء منکشف نہیں ہوتے ۔

امام رازی رحمتہ اللہ علیہ تفسیر کبیر میں فرماتے ہیں ۔

فاحسن احوال العبد فی هذه الدنیا ان یکون مواظبا علی العبادات فهذه اول درجات سعادة الانسان فهوالمرادبقوله ایاک نعبد ۔ فاذا وجب علی هذه الدرجة مدة فعند هذا یظهرله شیئی من



انوار عالم الغیب فهوانه وحده لایستقل بالاتیان بهذه العبادات والطاعات بل مالم یحصل له توفیق الله تعالی واعانته وعصمته فانه لایمکنه الاتیان بشیئی من العبادات والطاعات فهذاالمقام هوالدرجة الوسطیٰ فی الکمالات فهوالمراد من قوله وایاک نستعین ثم انا تجاوز من هذاالمقام لاح له ان هدایته لاتحصل الا من الله وانوار المکاشفات والتجلی لاتحصل الا بهدایة الله فهوالمراد من قوله اهدنا الصراط المستقیم " قال بعضهم انه لما قال اهدنا الصراط المستقیم لم یقتصر علیه بل قال صراط الذین انعمت علیهم فهذا یدل علی ان المرید لاسبیل له الی الوصول الی مقامات الهدایه والمکاشفات الا اذا اقتدی بشیخ یهدیه الی سواء السبیل فیجنبه من مواقع الاغالیط والاضالیل ' ۹۲

امام رازی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مکاشفات کا دروازہ اللہ کے ان خاص بندوں پر کھلتا ہے ' جن کو شیخ کامل میسر آجائے ' طلب صادق اور عزم واستعداد ہو تو اللہ تعالے انہیں اس اعلی مرتبہ پر پہنچا دیتا ہے

امام غزالی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں :

اخبر ان ابصار القلب یحصل بالذکرفانه یتمکن من الذکر بالتقویٰ ۔

" یعنی کشف کا دروازہ اس کے لئے کھلتا ہے جو تقوے کے وصف کے ساتھ ذکر الہی پر مواظبت کرے ۔

فالتقوی باب الذکر والذکر باب الکشف ۹۳

غوث اعظم حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں :

" جس شخص کا ایمان قوی ہو جاتا ہے اور یقین جم جاتاہے وہ قیامت کے

معاملات جن کی حق تعالےٰ نے خبر دی ہے قلب کی آنکھوں سے دیکھتا ہے وہ دیکھتا ہے جنت اور دوزخ کو ۔ وہ دیکھتا ہے صور کو اور اس فرشتہ کو جو اس پر تعینات ہے ' وہ دیکھتا ہے تمام چیزوں کو جیسی کہ وہ حقیقت میں ہیں ۔ ۹۴

غوث اعظم رحمتہ اللہ علیہ نے صرف ایمان کو نہیں بلکہ ایمان کے قوی ہو جانے اور یقین جم جانے کو کشف کا ذریعہ قرار دیا ہے ' اور بندے پر اللہ تعالےٰ کی خاص عنایت نہ ہو تو ایمان قوی کیوں کر ہو سکتا ہے ؟

شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں ۔

" آثار ذکر خواہ انوار ہوں یا الہامات وکشف وکرامات وغیرہ خود بخود ظاہر ہوں تو بے شک معین ومدد گار ہیں ۔ "۹۵

شیخ الاسلام رحمتہ اللہ علیہ نے کشف کو آثار ذکر میں شمار کیا ہے اور ذاکر اللہ کے خاص بندے ہی ہوتے ہیں

امام غزالی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں :

" طریق سلوک کی ابتداہی مشاہدات اور مکاشفات شروع ہو جاتا ہے ۔ حتیٰ کہ سالکین بیداری میں انبیاءؑ کے ارواح اور ملائکہ کا مشاہدہ کرتے ہیں ' ان کا کلام سنتے ہیں اور ان سے فوائد حاصل کرتے ہیں "۹۶

## کشف اور الہام میں فرق

فیض الباری ۱:۱۹

اماالفرق بین الکشف والالهام فکما قال الشیخ المجدد السرهندی رحمته الله علیه ان الکشف اقرب الی ماسموه اهل المعقول بالحسیات والالهام الی ماسموه بالوجدانیات فلعل الالهام



اقرب الی الصواب من الکشف فان الکشف رفع الحجاب عن الشئی والالهام القاء المضمون

کشف اور الہام میں فرق ہے ۔ جیسا کہ شیخ مجدد سرہندی رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اہل منطق جسے حسیات کہتے ہیں ' کشف اس کے زیادہ قریب ہے ۔ اور جسے وجدانیات کہتے ہیں ' الہام اس کے زیادہ قریب ہے ۔ شاید الہام اقرب الی الصواب ہے بہ مقابلہ کشف کے ۔ کیونکہ کشف سے مراد کسی شے سے حجاب کا اٹھنا ہے اور الہام دل میں کسی مضمون کا القاء ہونا ہے ۔

کشف یا الہام ' اعلام من اللہ کی دو مختلف صورتیں ہیں ' ان میں سے الہام اقرب الی الصواب ہے ۔

## حالت برزخی

عالم دنیا اور عالم آخرت کے درمیانی عرصہ کو عالم برزخ کہتے ہیں ۔ اس عالم میں جو حالت پیش آتی ہے اسے حالت برزخی کہتے ہیں اس میں میت پر دونوں جہانوں کے حالات منکشف ہوتے رہتے ہیں ۔

انبیاء علیہم السلام پر عالم دنیا میں یہ حالات منکشف ہوتے رہتے ہیں ۔ جو عارف باللہ اولیاء اللہ نور نبوت سے اپنے قلوب کو منور کر چکے ہوتے ہیں ' ان پر بھی یہ حالت آتی ہے ۔ دنیوی زندگی میں ان پر تین حالتیں آتی ہیں ' ایک بیداری ' دوسری نوم ' تیسری حالت ان دونوں کے درمیان ۔ یہی حالت برزخی ہے ۔ انبیاء علیہم السلام پر جب وحی نازل ہوتی ہے اور انہیں الہام اور انکشاف شروع ہوتا ہے تو ان پر یہی برزخی حالت طاری ہوتی ہے ' اور اولیاء اللہ پر بھی بہ نیابت نبوت

یہی حالت آتی ہے ۔ اس حالت میں انبیاء اور اولیاء من وجہ دنیا سے منقطع ہو جاتے ہیں ۔ یہ حالت استغراق نہ بیداری ہوتی ہے ۔ نہ نوم ۔ اس حالت برزخی میں الہام وانکشاف شروع ہوجاتا ہے ۔

فیض الباری 1:۲٦ پر اس کی کچھ تفصیل یوں دی گئی ہے :

یحصل لہ صلی اللہ علیہ وسلم من الکرب عند نزول القران فھی حالۃ یوخذ فیھا عن حال الدنیا من غیر موت فھومقام برزخی یحصل لہ عند نزول الوحی فلما کان برزخ العام ینکشف فیہ للمیت کثیر من الاحوال خصر اللہ نبیہ ببرزخ فی الحیاۃ یلقی الیہ فیہ وحیہ المشتمل علی کثیر من الاسرار لقد یقع لکثیر من الصلحاء عند الغیبہ بالنوم الغیرہ اطلاع علی کثیر من الاسرار وتلک مستمد من المقام النبوی صلی اللہ علیہ وسلم ویشھد لہ حدیث رویاالمومن من ستۃ واربعین جزا من النبوۃ

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو نزول قرآن کے وقت ایک حالت پیش آتی تھی جو موت کے بغیر برزخی حالت ہوتی تھی ۔ یہ حالتِ القاء وحی کے وقت ہوتی تھی ۔ عالم برزخ میں میت پر برزخی حالات منکشف ہوتے ہیں ۔ اللہ تعالی نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دنیا میں برزخی حالات سے مختص کیا ہے ' جب ان پر وحی نازل ہوتی ' جو بہت سے اسرار پر مشتمل ہوتی تھی ۔ اور یہ حالت برزخی جو مابین نوم اور بیداری کے ہے اولیاء اللہ کے لئے بھی ہے ۔ اس حالت میں ان پر بہت سے اسرار الٰہی القاء ہوتے ہیں ۔ اولیاء کے لئے یہ حالت مقام نبوت سے ماخوذ ہے اس پر یہ حدیث گواہ ہے کہ مومن کا خواب نبوت کا چھیالیسواں حصہ ہے ۔



اور مشکلات القرآن صفحہ ۲۷۳ پر ہے :

فذلک الولی اذا اطلعہ اللہ علی غیبہ لم یرہ بنور نفسہ وانما یراہ بنور متبوعہ ای بنورنبیہ ۔

ولی اللہ کشف میں جو دیکھتا ہے ' وہ اپنے ذاتی نور سے نہیں دیکھتا ہے ' بلکہ اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نور سے دیکھتا ہے جس کا وہ تابع ہے ۔

## انبیاء اور اولیاء کو قبل از وجود اشیاء کا انکشاف

فیض الباری 1:۱۸۲

اعلم ان مایرونہ الاولیاء من الاشیاء قبل وجودھا لھا ایضا نحومن الوجود کما ان بایزید البسطامی رحمتہ اللہ علیہ لما مرمن جانب مدرسۃ فعبت الریح قال انی اجد منھا ریح عبدمن عباد اللہ فنشاء منہ الشیخ ابوالحسن الخرقانی رحمتہ اللہ علیہ وکما ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال انی اجد نفس الرحمٰن من الیمن فنشاء منہ الاویس القرنی فھذاایضا نحومن الوجود

جان لو کہ اولیاء اللہ جس چیز کو اس کی پیدائش سے پہلے دیکھتے ہیں اس کا بھی ایک قسم کا وجود ہوتا ہے ' جیسے بایزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ ایک مدرسہ کے پاس سے گزرے تو ہوا کا جھونکا آیا ۔ آپ نے فرمایا کہ مجھے اس میں ایک مرد خدا کی خوشبو آرہی ہے چنانچہ (سو سال بعد) وہاں ابوالحسن خرقانی رحمتہ اللہ علیہ پیدا ہوئے ۔ اسی

طرح حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں یمن کی طرف سے تجلیات باری دیکھتا ہوں - چنانچہ وہاں اویس قرنی رحمتہ اللہ علیہ پیدا ہوئے - یہ بھی پیدائش سے قبل ایک قسم کے وجود کی دلیل ہے

اسی کتاب کے ۳/۲۲۳ پر ہے -

وقتثبت عند الشرع وجودات للشیئ قبل وجودھا فی ھذاالعالم

شریعت کی رو سے ثابت ہے کہ اشیاء کے وجود میں آنے سے پہلے ایک قسم کے وجود ہوتے ہیں -

پھر ۳/۲۲۷ پر فرمایا ہے -

قال ترون ماارى ھذا الذى قلت ان للشئى وجوداقبل ظھوره فى ھذا العالم ايضا فالفتن التى راھا النبى صلى الله عليه وسلم تقطر خلال بيوتهم لم تكن فى زمنه فلكنه راھا نحووجودھا قبل ظھورھا -

میں نے یہی بات کہی ہے کہ اشیاء کے اس دنیا میں ظاہر ہونے سے پہلے بھی ایک قسم کے وجود ہوتے ہیں - جو فتنے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں نہیں تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں دیکھا وہ گھروں کے دروازوں کے درمیان ٹھیک ثابت ہوئے ' اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے وجود میں آنے سے پہلے کشف سے دیکھ لیا تھا - ان کا بھی ایک قسم کا وجود تھا -

اور روح المعانی ۲/۲۳۶ پر ہے کہ اولیاء اللہ بقید حیات دنیوی جنت کی سیر کرتے ہیں -



والذى ذھب اليه سادتنا الصوفيه قدس الله تعالے اسرارھم انها فى الارض عند جبل الياقوت تحت خط الاستواء ويسمو نها جنت البرزخ فهى الآن موجودة فان العارفين يدخلونها اليوم بارواحهم لا باجسادھم :

" صوفیہ کرام نے فرمایا ( وہ جنت جس میں حضرت آدم علیہ السلام کو خدا نے رکھا تھا ) وہ زمین پر برزخی جنت ہے جو جبل یاقوت کے پاس ہے صوفیہ اپنے ارواح کے ساتھ حالت کشف میں اس جنت کی سیر کرتے ہیں ' اجسام کے ساتھ نہیں -

عوام کا نیند کی حالت میں خواب میں مختلف اشیاء دیکھنا ایک عام بات ہے ' جو کسی کیلئے بھی حیرت کی بات نہیں - یہی صورت اولیاء اللہ کو بیداری کی حالت میں پیش آتی ہے - جیسے نیند کی حالت میں انسان کی آنکھیں بند ہوتی ہیں ' حرکات ختم اور خیالات کی جولانی بھی نہیں ہوتی ' اسی طرح اولیاء اللہ بیداری کی حالت میں اندھیرے کمرے میں بیٹھ جاتے ہیں ' آنکھیں بند کر لیتے ہیں اور خیالات کو ہر طرف سے ہٹا کر اللہ تعالے کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں - اس یکسوئی کی حالت میں ان پر حالات کا انکشاف ہوتا ہے -

مرقاۃ ۲:۱ پر ملا علی قاری رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں :

الظلمة فى المكان اجلى القلوب فى الذكر -

مکان میں تاریکی ذکر کے دوران دلوں کو بہت جلا بخشنے والی ہے

فیض الباری ۱/۱۷۱ پر فرمایا :

ان الاولياء يرون فى كشوفهم اشياء بعين الباصرة ولامنعاها كذلك والانبياء عليهم الصلوة والسلام يرون المغيبات باعين

الباصرة فی الیقظہ -

اولیاء اللہ کشف میں دل کی آنکھوں سے وہ کچھ دیکھتے ہیں جو ہم نہیں دیکھ سکتے اور انبیاء کرام علیہم السلام غیب کی چیزوں کو دل کی آنکھ سے بیداری کی حالت میں دیکھتے ہیں جن کو عوام نہیں دیکھ سکتے -

ہر چیز کی ایک صورت ہوتی ہے اور ایک اس کی حقیقت - نگاہ ظاہر صورت تک پہنچ کر رک جاتی ہے کیونکہ اس کی حد وہی ہے مگر نگاہ باطن یا بصیرت صورت سے گزر کر حقیقت تک پہنچ جاتی ہے اور نگاہ وہی ہے جو حقیقت کا کھوج لگا لے - خوب کہا کسی نے -

اے اہل نظر ذوق نظر خوب ہے لیکن
جو شے کی حقیقت کو نہ سمجھے وہ نظر کیا

علماء ظاہر بین اور حقیقت شناس عارفین میں یہی فرق ہے ' جیسا کہ فیض الباری ۱۸۵ پر فرمایا:

ونظر العلماء احکم ونظر ارباب الحقائق اسبق والطف فھم یمثلون علی مایظھر من ظاھر الشریعۃ وھولاء یداعون ماکشف اللہ سبحانہ علیھم من حقائق الشریعۃ وخبیئۃ واسرارھا وفی الحدیث "لکل آیۃ ظھر وبطن ولکل حد مطلع" فلکن من لم یجعل اللہ لہ نورا فمالہ من نور

علماء ظاہر کی نگاہ مضبوط ہے ' مگر ارباب حقائق صوفیہ کی نگاہ بہت آگے ہے اور بڑی لطیف ہے - علماء ظاہر تو ظاہر شریعت پر عمل کرتے ہیں ' اور اولیاء اللہ ان امور کی رعایت ملحوظ رکھتے ہیں - جو اللہ تعالے شریعت کے حقائق و رموز میں سے بذریعہ کشف ان پر ظاہر



کرتا ہے - اور حدیث میں ہے کہ ہر آیت قرآنی کا ظاہر بھی ہے اور باطن بھی ' اور ہر چیز کی ایک حد ہے ' لیکن جس کو اللہ تعالی نور بصیرت نہ دے اس کے لئے کوئی نور نہیں -

صورت شے اور حقیقت شے میں جو فرق ہے اس کو سمجھنے کے لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت خضر علیہ السلام کا واقعہ کافی ہے -

کچھ برخود غلط قسم کے لوگ علم حقائق اور علم اسرار کو علم غیب کی قبیل سے شمار کرتے ہیں - اور علم غیب خاصہ خدا ہے اس لئے کشف کا انکار کر دیتے ہیں - اس کا علمی جواب گزشتہ کسی باب میں دیا جا چکا ہے - اصل بات یہ نہیں کہ اعتراض میں کوئی وزن ہے ' حقیقت یہ ہے کہ یہ لوگ قرآن و حدیث کو اپنا رہنما بنا کر ان کے پیچھے چلنے کے عادی ہی نہیں ' یہ خدا و رسولؐ کو اپنے پیچھے چلانے کی کوشش کرتے ہیں - اس لئے قرآن و حدیث میں سے صرف اسی کو حق سمجھتے ہیں ' جو ان کے اپنے ایجاد کردہ عقیدہ کے مطابق ہو -

فیض الباری ۱۵۱ پر اس مسئلے پر اصولی بحث کی گئی ہے:

اعلم ان ھذہ الخمس لما کانت من الامور التکوینیہ دون الشریعۃ لم یظھر علیھا احدا من الانبیاء الا بماشاء وجعل مفاتیحہ عندہ فقال وعندہ مفاتح الغیب لا یعلمھا الا ھو لا نھم بعثوا للتشریع فالمناسب لھم علوم التشریع دون التکوین ثم المراد منہ اصولھا فلما علم الجزئیات فقد یعطی منہ الا ولیاء رحمھم اللہ تعالی ایضا لان علم الجزئیات لیس بعلم فی الحقیقۃ لکونھا محطا للتوصلات والتغیرات محضا

خوب سمجھ لو کہ مغیبات خمسہ کا تعلق امور تکوینی سے ہے ' تشریعی سے نہیں - اس لئے اللہ تعالے نے اس کے متعلق کسی نبی

کو اطلاع نہیں دی - اور اس کی چابیاں اپنے پاس رکھیں اور فرمایا کہ غیب کی چابیاں اس کے پاس ہیں ' اس کے بغیر نہیں کوئی جانتا - چونکہ انبیاء کرام شریعت کے احکام بیان کرنے کے لئے مبعوث ہوتے ہیں ' اس لئے ان کے منصب کے مناسب شریعت کے علوم ہی ہیں امور تکوینی نہیں - پھر علوم خمسہ سے مراد اصول علم ہیں ' جزئیات نہیں - جزئیات کا علم اللہ تعالے اپنے اولیاء کو بھی دے دیتا ہے ' کیونکہ جزوی علم حقیقت میں علم ہی نہیں ' کیونکہ وہ قابل تغیر و تبدل ہے -

اسی حقیقت کو ملا علی قاری رحمتہ اللہ علیہ نے مرقاۃ ۷۲۵ پر یوں بیان فرمایا

> فان قلت قد اخبرالانبیاء والاولیاء بشیئی کثیر من ذلک فکیف الحصر قلت الحصر باعتبار کلیاتہا دون جزلیاتہا -
>
> اگر تو کہے کہ جب اللہ تعالے نے ان مغیبات میں سے بہت سے حصوں کے متعلق انبیاء اور اولیاء کو خبر دے دی ہے تو حصر کیسے ہوا ؟ میں کہوں گا کہ کلیات کے اعتبار سے حصر ہے ' جزئیات کے لحاظ سے نہیں - یعنی جزئیات میں سے انبیاء اور اولیاء کو اطلاع دیدی جاتی ہے جو مانع حصر نہیں -

نگاہ کا صورت شے تک پہنچ کر رک جانا بڑا حجاب ہے اور یہ حجاب درحقیقت عذاب ہے ' جیسا کہ مرقاۃ شرح مشکوۃ ۱۵۳۱ پر **ومن لم یجعل اللہ لہ نورا فمالہ من نور** کے سلسلے میں فرمایا :-

**قالت السادۃ الصوفیۃ الحجاب اشدالعذاب** صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ حجاب شدید ترین عذاب ہے -



اس سلسلے میں ایک سوال توجہ طلب ہے کہ انبیاء کرام علیہ السلام اور اولیاء اللہ کو کشف میں اشیاء قبل از وجود جو دکھائی دیتی ہیں ' وہ کونسا وجود ہوتا ہے ؟ کیا یہ وجود مثالی ہوتا ہے ؟ کچھ لوگوں نے اپنی اٹکل سے یہی رائے ظاہر کی ہے کہ وہ اشیاء کا وجود مثالی ہوتا ہے - مگر یہ رائے محض بے بنیاد ہے کیونکہ -

۱: مثال اس چیز کی ہوتی ہے جس کا موجود اصلی پہلے موجود ہو - جب ممثل لہ کا وجود ہی نہیں تو مثال کس کی ہو گی ؟

۲: انسانوں میں وجود مثالی سے تماثل نوعی مراد ہوتا ہے کہ یہ دونوں ایک ہی نوع انسانی کے فرد ہیں ' اس لئے وجود مثالی کو کون کہہ سکتا ہے کہ اسی انسان کا فرد ہے - جب مثال شے دیدنی ہے نہ بودنی ' جیسا کہ - خواب میں دکھائی دینے والی چیز کا کوئی حقیقی وجود نہیں ہوتا ' بلکہ اس کا وجود صرف دیکھنے کی حد تک ہے - پھر معدوم ہو جاتا ہے -

کشف میں جو وجود نظر آتا ہے وہ اس طرح کا ہے جیسے کسی مقرر کے ذہن میں تین چار گھنٹے کی تقریر کا وجود موجود ہوتا ہے - پھر اسی تقریر کو زبان پر لاتا ہے ' یعنی جس تقریر کا وجود علمی تقدیری اس کے ذہن میں موجود تھا ' اسی وجود کو زبان پر لا کر بیان کیا - اگر مقرر کے ذہن میں تقریر کا وجود مثالی مانا جائے تو علم بھی وجود مثالی کا ہو گا ' اور تقریر بھی وجود مثالی کی ہو گی کیونکہ جب اصل وجود کا علم ہی نہ تھا تو اس کا بیان کیونکر ہو گا -

اسی طرح مستری کے ذہن میں مکان کا جو نقشہ ہوتا ہے ' وہی مادی طور پر اینٹ پتھر سے مل کر خارج میں ظاہر ہوا - یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اس کے ذہن میں وجود مثالی کا نقشہ تھا اور مکان مثالی ہی تیار ہوا - مختصر یہ کہ جو وجود ذہن میں ہوتا ہے اس پر خارج میں ثمرات ' اثرات اور احکام کی بنا ہوتی ہے -

اسی طرح تمام اشیاء کا وجود علمی تقدیری عنداللہ حاضر ہے ' وہ اپنے قدیم ازلی

علم سے ان کو جانتا ہے ' وہی وجود اپنے وقت پر خارج میں مادی دنیا میں ظہور پذیر ہوتا ہے۔

فان الوجود الخارجی ھو مایکون مبدء الاثار مظہر الاحکام وعلیہ ترتیب الثمرات ماکان للوجود الذھنی '

پس وجود خارجی آثار کا مبداء ہے اور احکام کا ظاہر کرنے والا ہے ' اور اسی پر وجود ذہنی کے ثمرات مرتب ہوتے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ ہر شے کا وجود اس کی پیدائش سے پہلے عالم تقدیر میں موجود ہوتا ہے ' جس کو وجود علمی وتقدیری کہا جاتا ہے ۔ جس سے دنیا میں آتا ہے اسی وجود پر اللہ تعالے انبیاء اور اولیاء کو مطلع فرماتے ہیں یعنی ان کے جزوی واقعات کے متعلق اطلاع من اللہ ہوتی ہے ۔ جب اللہ تعالے نے اطلاع دے دی تو غیب نہ رہا۔

علم غیب کی تعریف یہ ہے **لایعرف بالحواس الظاہرۃ ولا ببداھۃ العقل** ' اس لئے جس کو ظاہری آنکھیں دیکھ لیں یا عقل کی روشنی سے معلوم ہو سکے وہ غیب کی تعریف میں نہیں آتا ۔ غیب کی دوسری خصوصیت یہ ہے کہ وہ علم اس کا ذاتی ہو ' کسی واسطہ یا ذریعہ سے حاصل نہ کیا گیا ہو ۔

تیسری خصوصیت یہ ہے کہ حادث نہ ہو اس کی ابتدا اور انتہا نہ ہو ۔

جو علم ذاتی نہ ہو ۔ وحی ' کشف یا الہام کے واسطہ سے حاصل ہو یا خواب کے ذریعہ سے حاصل ہو اسے علم غیب کہنا صرف ان لوگوں کا کام ہے جو سراپا جہالت میں غرق ہیں اور جنہیں علم کی ہوا بھی نہیں لگی ۔



# کشف اور الہام از قبیل وحی انبیاء ہیں

قال ابن حجر فھوالمقام الذی اشار الیہ ھوالا لہام فھو من جملۃ اقسام وحی الانبیاء ۹۷

" اور مقام مشار الیہ الہام ہے ' اور وحی انبیاء کی قسموں میں سے ہے "

# کشف اور خواب میں فرق

ان المنام یرجع الی قواعد مقررۃ فلہ تاویلات مختلفۃ فیقع لکل احد بخلاف الا لہام فانہ لایقع الاالخواص۹۸

" خوابوں کے لئے ایک قانون تعبیر مقرر ہے اور ان کی مختلف تعبیرات ہوتی ہیں اور خواب ہر شخص دیکھتا ہے ' اس کے برعکس الہام خواص سے مختص ہے "

# کشف والہام بدکاروں کا حصہ نہیں '

وقولہ صلی اللہ علیہ وسلم قد کان فی امم محدثون ۔ فثبت بھذا ان الالہام حق فانہ وحی باطن فانما حرمہ العاصی لا ستیلاء وحی الشیطان علیہ ۹۹

" (حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فاروق اعظمؓ کو محدث فرمایا) اور فرمایا کہ امم سابقہ میں بھی محدث ہوئے ہیں ۔ اس سے الہام کا وحی باطنی اور حق ہونا ثابت ہوا ۔ اور بدکاروں کو اس سے محروم رکھا گیا ہے کیونکہ ان پر وحی شیطانی کا غلبہ ہوتا ہے ۔ "

## الہام کا انکار مردود ہے ۔

قال ابن السمعانی ان انکار الالہام مردود و یجوز ان یفعل الله تعالے بعبدہ مایکرمہ بہ

" ابن سمعانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ الہام کا انکار مردود ہے یہ جائز ہے کہ اللہ تعالے کسی بندے کو بوجہ الہام مکرم بنادے ۔

## کشف والہام خاص اہل اللہ کا حصہ ہے

فنحن لاننکر ان الله تعالے یکرم عبدہ بزیادۃ نور فیہ یزداد بہ نظرہ فیقوی بہ رایہ فانما ھو نور یختص بہ الله لمن یشاء من عبادہ

" اور ہم اس بات کا انکار نہیں کرتے ہیں کہ اللہ تعالے کسی بندے کو مکرم بنائے ' اس کے نور قلبی میں اضافہ کر کے اس کی قلبی نظر کو قوی بنادے ۔ اور حقیقت یہ ہے کہ یہ ایسا نور ہے کہ اللہ تعالے اپنے بندوں میں سے جسے چاہے خصوصی طور پر عطا فرمادے ۔ "

## کشف میں انقلابی اثر ہے

فالقی السحرۃ ساجدین الخ

فمارفعوارؤسھم حتے راواالجنۃ والنار فثواب اھلھا الخ ؎

" ابن کثیر اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ ساحرین فرعون جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مقابل تھے ' انہوں نے سجدہ سے اس



وقت سر اٹھایا ' جب جنت دوزخ اور عذاب وثواب دیکھ لیا ۔

**فائدہ :** یہ ہے کشف کا انقلابی اثر ۔ ساحرین فرعون نے درباری قرب کو چھوڑا ۔ انعام سے دست بردار ہوئے ۔ موت کو بخوشی اختیار کرنے کا اعلان کر دیا کیونکہ کشف سے حقیقت واضح ہو چکی تھی ' اس لئے زندگی کا رخ ہی بدل گیا ۔

## حقیقی ایمان بھی ایمان شہودی ہے

؎ عن حارث بن مالک الانصاری انہ مربرسول الله صلی الله علیہ وسلم فقال لہ کیف اصبحت یا حارث قال اصبحت مومنا حقا قال انظر ماتقول فان لکل شئی حقیقۃ فما حقیقۃ ایمانک فقال عزمت نفسی عن الدنیا فاسھرت لیلی واظمات نھاری وکانی انظر الی عرش ربی بارزا وکانی انظر الی اھل الجنۃ یتزاورون فیھا ۔ وکانی انظر الی اھل النار یتضاغون فیھا فقال یا حارث عرفت فالزم ثلاثۃ ( ۱۰۰

" حارثؓ بن مالک فرماتے ہیں کہ میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے گزرا ۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ۔ اے حارثؓ کیا حال ہے ؟ میں نے عرض کیا ۔ حقیقی مومن ہوں ۔ فرمایا سوچ تو سہی کیا کہہ رہے ہو ' ہر شے کی حقیقت ہوتی ہے تمہارے ایمان کی حقیقت کیا ہے ؟ تو حارث نے کہا کہ میرے ایمان کی حقیقت یہ ہے کہ میرا نفس دنیا سے منہ موڑ چکا ہے مکاسب دنیا میں مخلوق پر نگاہ نہیں ۔ رات کو رب کو یاد کرتا ہوں ۔ دن کو روزہ رکھتا ہوں ۔ کشف کی حالت یہ ہے گویا کہ عرش الٰہی کو ظاہر باہر دیکھتا

ہوں ' اہل جنت کو دیکھتا ہوں کہ ایک دوسرے سے ملاقات کر رہے ہیں ' اور اہل دوزخ کو چیختا ہوا دیکھتا ہوں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا - اے حارثؓ تو نے ٹھیک پہچانا پس اسے لازم پکڑ ( تین بار فرمایا )

امام غزالی رحمتہ اللہ علیہ نے ایمان کی مختلف قسمیں بیان فرمائی ہیں اور ہر قسم کی کچھ تفصیل بھی فرمادی ہے -

الاول : القول المحض قشر القشرفھوایمان المنافقین والعیاذ باللہ

الثانی : التصدیق بمعنی الکلمۃ فھو ایمان عموم المسلمین

الثالث : ان یشاھد ذلک بطریق الکشف فھو مقام المقربین وذلک بان یری اسبابا کثیرۃ ولکن مع کثرتھا صدرت من الواحد القھار

والرابع : ان لایری الا واحدا فھو مشاھدۃ الصدیقین

المرشد الامین صفحہ ۲۲۷

اس سے کون انکار کر سکتا ہے کہ مقربین اور صدیقین کا ایمان ہی اصل اور کامل ایمان ہے ' اور وہ شہودی ہے -

امام ربانی رحمتہ اللہ علیہ دفتر دوم مکتوب نمبر ۸ فرماتے ہیں :

" ایمان بالغیب جو اخص خواص کے نصیب ہے عوام کے ایمان بالغیب کی طرح نہیں عوام نے سماع اور استدلال کے ساتھ ایمان بالغیب حاصل کیا اور اخص نے جمال وجلال کے ظلال وتجلیات وظہورات کے پردوں کے پیچھے غیب الغیب کا مطالعہ کر کے ایمان بالغیب حاصل کیا ہے اور متوسط ظلال کو اصل خیال کر کے اور تجلیات کو عین متجلی جان کر ایمان شہودی کے ساتھ خوش ہیں - ان کے نزدیک



ایمان بالغیب نصیب اعدا ہے - "

اور تفسیر عزیزی پارہ الم صفحہ ۶۶ پر ہے -

" ایمان کی دو قسمیں ہیں ' اول ایمان تقلیدی ' دوسرے ایمان تحقیقی - اور تحقیقی بھی دو قسم ہے ' استدلالی اور کشفی اور ہر ایک ان دو قسموں سے یا نہایت رکھے اور اس حد سے تجاوز نہ کرے یا نہایت نہ رکھے - اور جو کہ نہایت رکھے اس کو علم الیقین کہتے ہیں ' اور جو کہ انجام نہ رکھے ' وہ بھی دو قسم ہے یا مشاہدہ ہے کہ اس کا نام عین الیقین ہے اور یا مشہود ذاتی ہے کہ نام اس کا حق الیقین ہے "

## اصل ایمان اطمینان قلب ہے

فالطمانیہ اصل اصول الایمان التی قام علیہا بناؤہ ثم یطمئن الی خبرہ عمابعد الموت من امور البرزخ فمابعد ھا من احوال القیامۃ حتی کانہ یشاھد ذالک کلہ عیاناً فھذا حقیقۃ الیقین - الی ان قال فھذا ھوالمومن حقاًبالیوم الآخرۃ کما فی حدیث حارثہؓ اصحبت مئو منا حقا فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان لکل حق حقیقۃ فما حقیقۃ ایمانک قال عزمت نفسی عن الدنیا فاھلھا وکانی انظر الی عرش ربی بار زاوالی اھل الجنۃ یتزاورون فیھا فاھل النار لیمتنبون فیھا فقال عبد نور اللہ قلبہ [۱۰۱]

" پس اطمینان قلبی اصل ایمان کی جڑ ہے جس پر ایمان قائم ہے ' پھر اس کے بعد اس خبر کی طرف مطمئن ہونا ' جو احکام برزخ اور اس کے بعد احوال قیامت سے متعلق ہے ' یہاں تک کہ مومن یہ ساری چیزیں ظاہر مشاہدہ کر رہا ہو - پھر فرمایا یہی شخص یوم آخرت پر حقیقی ایمان رکھتا ہے جیسا حدیث حارث میں ہے کہ میں حقیقی مومن ہوں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ' ہر حق کی حقیقت ہوتی ہے ' تمہارے ایمان کی حقیقت کیا ہے ؟ عرض کیا میں نے دنیا اور اہل دنیا سے منہ پھیر لیا ہے گویا کہ عرش الہی ظاہر دیکھتا ہوں - اہل جنت کو دیکھتا ہوں کہ ایک دوسرے کی ملاقات کو جا رہے ہیں اور اہل دوزخ کو دیکھتا ہوں کہ انہیں عذاب دیا جا رہا ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ ایسا بندہ ہے جس کے دل کو اللہ تعالے نے منور کر دیا ہے "



**فائدہ :** اس سے ثابت ہوا کہ حقیقت ایمان اطمینان قلب کے بعد حاصل ہوتی ہے ' اور اطمینان قلب ذکر الہی سے پیدا ہوتا ہے -

کماقال تعالے الابذکر اللہ تطمئن القلوب -

اور حقیقت ایمان یہ ہے کہ مومن کا قلب اس قدر منور ہو جائے کہ اس کی روشنی میں عرش باری تعالے جہاں سے امر نازل ہوتا ہے نظر آجائے 'امور برزخ ' اور جنت و دوزخ نظر آجائیں ' اسی کا نام کشف ہے ' اور یہی حقیقت ایمان کی دلیل ہے -

سوال : جب دیگر صحابہ کرامؓ سے ایسے واقعات منقول نہیں تو کیا ان پر اعتراض وار دہو گا -

الجواب : ہر صحابیؓ سے عدم نقل اور چیز ہے اور عدم کشف اور چیز ہے - عدم نقل سے عدم وجود کہاں ثابت ہوا - صحابہ کرامؓ کے انکشاف فردا فردا اتنے ہیں کہ شمار میں نہیں آسکتے - ذخیرہ احادیث ان سے بھرا پڑا ہے - چند مثالیں جو ہم نقل کر چکے ہیں ان سے استیعاب مقصود نہیں - بلکہ یہ تو مشتے نمونہ از خروارے ہیں - '

گزشتہ باب کا خلاصہ یہ ہے کہ کشف والہام وحی باطنی ہے اور کمالات نبوتؐ سے ہے ' اور نائب وخلیفہ نبوت ہے ' انقطاع نبوت اور انقطاع وحی شرعی کے بعد یہ دلائل میں داخل ہے ' یہ باطنی دولت انبیاءؑ کا حصہ ہے جو بطور وارثت انبیاء کی حقیقی اولاد یعنی متبعین کو ملتی ہے ' اور یہ کہ کشف والہام بدکاروں کو نہیں حاصل ہوتا ' بلکہ خواص کو ہوتا ہے ' جن کے دل حقیقت ایمان سے منور ہو چکے ہیں -

یہ بحث قدرے طویل ہو گئی ہے ' دراصل بات یہ ہے کہ جب

ہمارے بعض نئے رفقائے حلقہ سے کشف قبور کے متعلق اظہار ہوتا ہے تو بات ذرا آگے چلتی ہے۔ نور بصیرت سے محروم مولوی نما لوگ جب سنتے ہیں تو چیں بہ جبیں ہوتے ہیں اور جھوٹے مدعیان ولایت وخلافت وسجادگی جو اعلیٰ حضرت خلیفہ مجاز، پیر طریقت، راز دان شریعت، قطب الاقطاب اور نہ جانے کیا کیا بنے بیٹھے ہیں۔ جب یہ باتیں سنتے ہیں تو دل ہی دل میں اپنی تہی دامنی پر نادم ہوتے ہیں، مگر اپنا جھوٹا وقار قائم رکھنے کے لئے بھانت بھانت کی بولیاں بولتے ہیں۔

کوئی کہتا ہے کہ نسلاً بعد نسل یہ کمالات تو ہمارے نام رجسٹری ہو چکے ہیں، مگر رحمت الٰہی کو ایک خاص خاندان میں محدود کر دینے کی آخر کوئی دلیل؟ کوئی کہتا ہے کہ میاں کشف والہام کوئی چیز نہیں، اصل چیز تو رضائے الٰہی کا حصول ہے، درست! مگر شاید انہیں یہ معلوم نہیں کہ کشف والہام رضائے الٰہی کا ثمرہ ہی تو ہیں۔ جن پر اللہ ناراض ہو، بھلا انہیں یہ انعام کیونکر عطا فرمائے گا۔ کوئی حسد کی آگ ذرا علمی رنگ میں اگلتا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے کہ کشف ظنی چیز ہے اس کی کوئی اہمیت نہیں، بجا، مگر یہ بھی تو فرمایئے کہ کیا کتب فقہ میں مذکور تمام مسائل قطعیہ ہی ہیں، کیا ذخیرہ احادیث کی تمام حدیثیں متواتر اور قطعی ہیں، کیا وتر، سنت، نفل کی تعیین نصوص قطعیہ سے ثابت ہے؟ اگر محض ظنی ہونے کے احتمال پر کشف کی کوئی اہمیت نہیں تو فقہ اسلامی سے کیا سلوک کریں گے؟ کوئی یہ کہتا ہے کہ اس میں غلطی کا احتمال ہے، اس کا جواب دیا چکا ہے کہ دین نقل ہے اور نقل خبر ہے اور خبر میں احتمال صدق وکذب دونوں کا ہے۔ تو پھر کیا اس احتمال پر پورے دین کو چھوڑ دینا چاہئے



کوئی کہتا ہے کہ کشف والہام کوئی حجت شرعی نہیں، اس کا تفصیلی جواب گزر چکا ہے، مختصر یہ ہے کہ اس کے انکار سے متواترات کا انکار لازم آتا ہے، کوئی کہتا ہے کہ کشف تو کافر کو بھی ہو جاتا ہے یہ محض فریب ہے، جس گروہ کے لئے اللہ تعالےٰ کا فیصلہ یہ ہو کہ لاتفتح لهم ابواب السماء اسے کشف ہو سکتا ہے؟ وہ جنت دوزخ دیکھ سکتا ہے، ملائکہ اور انبیاء کے ارواح سے ملاقات کر سکتا ہے؟ سیدھی سی بات ہے کہ اگر کافر کو کشف ہو جائے تو لازماً اپنے پیشواؤں اور آباء واجداد کو دوزخ میں جلتا ہوا دیکھ لے گا تو کیا پھر بھی کفر پر قائم رہ سکتا ہے، اور اہل ایمان کو جنت میں دیکھ کر کفر پر ہی اڑا رہے گا؟ کافر کا عقیدہ ظلمت، عمل ظلمت، قول میں ظلمت، قلب میں ظلمت، کیا اندھیرے میں چیزیں نظر آتی ہیں۔ خوب سمجھ لو کہ کافر کیلئے کشف نہیں۔

القاء ہے تو شیطانی، اور اگر کوئی فرشتہ نظر آیا جیسا بدر میں ہوا تو وہ عذاب کے لئے، انعام باری تعالےٰ نہیں۔

بعض ظاہر بیں جو اس سلسلے میں دھوکہ کھا جاتے ہیں ہم انہیں حقیقت سے روشناس کرائے دیتے ہیں کہ کافر مسلسل مجاہدہ سے بھوکا پیاسا رہ کر بدن کو کمزور کر لیتا ہے اور بدن میں خون اور چربی کم ہو جاتی ہے تو اسے ایک طرح کی یکسوئی حاصل ہو جاتی ہے اور قلب پر بعض مادی چیزوں کا عکس پڑتا ہے۔ یہ ہے کافر کے کشف کی حقیقت۔ اسے حقائق اشیاء برزخ کے حالات، جنت، دوزخ اور عرش وکرسی کہاں نظر آئیں، کیونکہ وانما هو نور يختص به الله لمن يشاء من عباده۔

سب سے پہلے کشف کی حقیقت معلوم کر لینی چاہئے :

الکشف عندالصوفیۃ ھوانکشاف حقائق الالھیۃ للصوفی بعد اتخاذہ طرقا مخصوصۃ للوصول الی ذٰلک ' فاھل الکشف عندھم الذین وصلوا الی مقام سام فی الصوفیۃ فیشاھدون حقیقۃ العالم الروحانی من غیر نظر عقلی بل بنور یقذفہ اللہ فی قلوبھم (المنجد)

صوفیوں کی اصطلاح میں کشف کی حقیقت یہ ہے اگر کافر کو کشف ہوتا تو ماننا پڑے گا کہ کافر واصل ہوتا ہے - اللہ تعالٰی کافر کے دل میں وہ نور ڈال دیتا ہے کہ اسے حقائق الٰہیہ کا انکشاف ہو جاتا ہے - اگر اسے درست تسلیم کر لیا جائے تو پھر ایمان لانے کی ضرورت ہی کیا رہ جاتی ہے ؟

امام غزالی رحمتہ اللہ علیہ نے احیاء العلوم باب جنود القلب میں فرمایا والکشف مفتاح الفوزالاکبر جب کافر کو کشف اصطلاحی ہو جاتا ہے تو گویا اس کے ہاتھ میں فوزاکبر کی مفتاح آگئی - کیا اس کا تصور کیا جاسکتا ہے ؟

کافر کے کشف کی حقیقت امام ربانی رحمتہ اللہ علیہ کی زبانی سنئے فرماتے ہیں :

" کثرت جوع البتہ شفا بخش است وصفائی قلب ہی بخشد وجمع دیگر راصفائے نفس صفائی قلب ہدایت افزاو نور بخش است وصفائی نفس ضلالت تمامت وظلمت افزا فلاسفہ یونان وبراہمہ جوگیہ ہندہمہ ریاضت کرشتگی صفائی نفس بخشیدہ بضلالت وخسارت دلالت نمودہ - افلاطون بے خرد اعتماد برصفائی نفس خود نمودہ صورۃ کشفیہ خیالیہ خودر امقتدائے



خودساختہ عجب ورزید... نداست کہ ایں صفا از پوست رقیقہ امارہ او گذشتہ است وامارہ اوبہ ہماں خبث ونجاست خود است بیش ازیں نیست کہ نجاست مغلظ رابگر غلاف رقیق نمائند " ( مکتوبات امام ربانی مکتوب نمبر۲۳ )

معلوم ہوا کہ کافر اگر ریاضت کرے تو اس کو صفائے نفس حاصل ہو سکتی ہے ' مگر کشف عندالصوفیہ کا تعلق صفائی قلب سے ہے اور کافر کو صفائی حاصل ہو ہی نہیں سکتی - پھر کشف کیونکر ہو -

حضرت لاہوری رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں :

" یاد رکھئے - علم اور چیز ہے ' تربیت اور چیز ہے ' امراض روحانی کا فقط ایک علاج ہے ' اور وہ اللہ والوں کی صحبت ہے ' ان کی صحبت میں ' اللہ کے پاک نام کی برکت سے اللہ کی رحمت کے دروازے کھل جاتے ہیں - میں کیا عرض کروں ' ان کے جوتوں کی خاک کے ذروں میں وہ موتی ملتے ہیں جو بادشاہوں کے تاجوں میں نہیں ہوتے ! بشرطیکہ عقیدت ' ادب اور اطاعت کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹے - ان میں سے ایک موتی حلال وحرام کی تمیز - دوسرا موتی ہے کشف قبور .... جو سر پھرے نوجوان ان باتوں کو نہیں مانتے ان سے کہا کرتا ہوں کہ چودہ سال کا خرچ میرے پاس جمع کرادو ' تو میں تمہیں ایسے اللہ والوں کی صحبت میں جا بٹھاؤں گا جو تمہاری تربیت کریں گے ' پھر ایک منٹ میں تم بتاسکو گے کہ قبر ھذا المقبور روضۃ من ریاض الجنۃ وقبر ھذا المقبور حفرۃ من حفر النیران " ( مجلس ذکر حصہ اول صفحہ ۷۵-۷۶)

حضرت لاہوری رحمتہ اللہ علیہ نے کشف قبور کو جو کشف اصطلاحی کی

ایک فرد ہے ' ایک موتی قرار دیا ہے ' جو اللہ والوں کی صحبت میں اللہ کے پاک نام کے ذکر کی برکت سے حاصل ہوتا ہے - اور کہیں نہیں ملتا - اور ظاہر ہے کہ کافران دونوں شرائط سے محروم ہے - پھر اسے کشف کیونکر ہو ؟

حضرت لاہوری رحمتہ اللہ علیہ تو کشف قبور کو ئی کمال سمجھتے ہیں جو بڑی مدت کے بعد اللہ تعالے کی عنایت سے حاصل ہوتا ہے ' بلکہ آپ تو سکھانے کی دعوت بھی دیتے ہیں فرماتے ہیں -

" سنو ! ہوش کرو ' مجھے اللہ تعالے نے باطن کی آنکھیں دی ہیں اور مجھے علم ہے کہ جو نوجوان علمائے کرام کو گالیاں دیتے مر گئے ہیں ان کی قبریں جہنم کا گڑھا بنی ہوئی ہیں - اگر تم کو یقین نہیں آتا تو آؤ ' میرے پاس آکر بیٹھ جاؤ ' میں نے یہ فن چالیس سال میں سیکھا ہے - تمہیں چار سال میں سکھادوں گا -

( خدام الدین ۲۳-۲-۲۲ )

حضرت کے اس اعلان میں بیک وقت کئی باتیں پائی جاتی ہیں - اپنے کمال کا دعوے بھی ہے اور دوسروں کو کامل بنانے کا اعلان بھی ہے - جن دو موتیوں کا مندرجہ بالا بیان میں ذکر ہوا ہے ' ان میں سے ایک موتی یعنی کشف قبور کے لئے چالیس سال صرف کرنے کا بیان بھی ہے - اور چار سال میں سکھانے کا دعوئے بھی ہے اور یقین پیدا کرنے کے لئے کشف قبور کو ذریعہ بھی قرار دیا گیا ہے -

حیرت ہوتی ہے کہ حضرت لاہوری رحمتہ اللہ علیہ جیسی شخصیت جس چیز کو ۴۰ سال کی محنت کے بعد حاصل کرے ' وہ کافر کو کفر کی حالت میں رہ کر محض تپسیا سے حاصل ہو جائے -



کشف قبور کے متعلق بوجوہ ایک غلط فہمی پیدا ہو گئی ہے کہ یہ کشف کونی ہے اس کے متعلق بنیادی طور پر یہ بات سمجھ لینی چاہئے کہ کشف قبور میں مٹی کے گڑھے کا کشف نہیں ہوتا ' بلکہ مقبور کی حالت کا کشف ہوتا ہے ' جیسا کہ حضرت لاہوری رحمتہ اللہ علیہ کا ایک اقتباس گزرچکا ہے کہ صاحب کشف کو معلوم ہو جائیگا کہ مقبور روضۃ من ریاض الجنۃ میں ہے یا حفرۃ من حفر النیران میں ہے یعنی کشف قبور میں اہل ایمان اور اولیاء اللہ کے درجات اور منازل کا انکشاف ہوتا ہے -

عالم کون عالم موجودات ظاہریہ پر بولا جاتا ہے - جس کو قرآن نے عالم ظاہر ' عالم محسوسات اور عالم شہادت بھی بیان کیا ہے اور عالم شہادت عالم غیب کے مقابلے میں ہے - پس جس کشف کا تعلق عالم غیب سے ہو ' اسے کشف کونی کہنا کہاں درست ہے - کشف کونی یہ ہے کہ عالم کون کی موجود اور ظاہر چیزیں جو نظر سے اوجھل ہیں ' زمین پر ہیں ان کی حالت منکشف ہو جائے - کیونکہ انہی چیزوں کا تعلق عالم شہادت سے ہے - فیعبرون من عالم الشهادة بالارض (مرقات ) یعنی عالم شہادت کو زمین سے تعبیر کرتے ہیں -

معلوم ہوا کہ کشف کونی میں عالم کون کی اشیاء کی صورتیں منکشف ہوتی ہیں ' جن کا ایمانیات سے کوئی تعلق نہیں - اور عالم غیب کی اشیاء پر ایمان لانا فرض ہے ' مثلاً ثواب وعذاب قبر پر ایمان لانا ضروری ہے اور یہ عالم غیب سے ہے ' عالم کون سے اس کا کوئی تعلق نہیں - اور ثواب وعذاب قبر کا انکار کرنا کفر ہے جیسا کہ علامہ انور شاہ کاشمیری رحمتہ اللہ علیہ نے عرف شذی ۳۸۹ پر فرمایا :

عذاب القبر ثبت متواترابقدر المشترک فقال به اهل السنة والجماعة قاطبة ومنکر المتواتر هلاارتیب فیه تبلیعه فمنکر التواتر بالقدر المشترک کافر ان کان التواتر بدیهیا وفاسق مبتدع ان کان نظریا۔

ترجمہ: عذاب وثواب قبر مشترک وتواتر سے ثابت ہے' اور اس پر تمام اہل سنت والجماعت کا اجماع ہے اور اس تواتر کے منکر کے بدعتی ہونے میں تو ذرہ شک نہیں اور منکر تواتر قدر مشترک کافر ہے اگر تواتر بدیہی ہے اور بدعتی ہے اور بدتر فاسق ہے اگر تواتر نظری ہے اور عذاب وثواب قبر کا ثبوت جس تواتر سے ہے وہ بدیہی ہے۔ پس ثابت ہوا کہ عذاب وثواب قبر عالم آخرت کی چیزیں ہیں' جن پر ایمان لانا فرض ہے' اور عالم کون کے پہاڑ' درخت' انسان' حیوان وغیرہ کی صورتوں پر ایمان لانا ضروری نہیں۔ یومنون بالغیب کی تفسیر میں صاحب مظہری رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ [illegible]

فالمراد به ماغاب من ابصارهم من ذات الله تعالى وصفاته والملائكة والبعث والجنة والنار والصراط والميزان وعذاب القبر وغيره۔

عالم غیب سے مراد وہ چیزیں ہیں جو حاسہ بصر سے باہر ہیں جیسے ذات وصفات باری تعالیٰ' ملائکہ' قیامت' جنت' دوزخ' پل صراط' میزان اور عذاب قبر وغیرہ

اسی طرح تفسیر قرطبی [illegible] پر ہے:

كل مااخبربه الرسول عليه الصلوة والسلام مما لاتهتدى اليه العقول من اشراط الساعة وعذاب القبر والحشر والنشر والصراط والميزان والجنة والنار۔



غیب سے مراد وہ چیزیں ہیں جن کی خبر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دی ہے' جن تک عقل کی رسائی نہیں ہو سکتی جیسا اشراط قیامت' عذاب قبر۔ حشر نشر پل صراط۔ میزان۔ جنت۔ دوزخ۔

اور تفسیر خازن اور معالم میں ہے:

فالغيب ماكان مغيبا عن العيون قال ابن عباس الغيب ههنا كل ماامرت بالايمان به فيما غاب عن بصرك من الملائكة والبعث والجنة والنار والصراط والميزان۔

غیب وہ چیزیں ہیں جنہیں آنکھیں نہ دیکھ سکیں۔ ابن عباس ؓ فرماتے ہیں کہ اس آیت میں غیب سے مراد ہر وہ چیز ہے جس کے ساتھ تمہیں ایمان لانے کا حکم دیا گیا ہے جو باصرہ کی دسترس سے باہر ہے' جیسے فرشتے' قیامت۔ جنت دوزخ۔ پل صراط اور میزان۔

غوث زماں سید عبدالعزیز دباغ رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"لیکن انہیں (کفار کو) قبرالنبی صلی اللہ علیہ وسلم اور وہ نور جو وہاں سے پھیل کر قبہ برزخ تک جا پہنچتا ہے' یا مثلاً اولیائے عارفین کی ذوات مبارکہ' یا ارواح مومنین جو صحن ہائے قبور میں ہیں' نہ ہی کسی فرشتہ کو دیکھ سکیں گے' اور نہ ہی جنت' قلم لوح اور نہ ان انوار کا مشاہدہ کر سکیں گے ۔۔۔ الخ (الابریز اُردو صفحہ ۵۵۹)

ثابت ہو گیا کہ ثواب وعذاب قبر کا تعلق عالم کون سے نہیں' امور آخرت سے ہے اس لئے کشف قبور کشف کونی نہیں بلکہ کشف الٰہی میں داخل ہے۔

کشف قبور کو کشف کونی کہنے والوں نے بلاشبہ ٹھوکر کھائی' مگر کشف قبور کو علم غیب سے متعلق تسلیم کرنے والوں نے تو کمال ہی کر دیا اس قسم کے بعض پڑھے

لکھے جہلا کہتے ہیں کہ "کشف قبور علوم غیب سے ہے اور جو شخص کشف قبور کا دعوے کرے وہ مشرک ہے۔"

سبحان اللہ! کیا اجتہاد ہے، ان جہلا کو نہ اس بات کا علم ہے کہ علم غیب کسے کہتے ہیں، نہ انہیں کرامت اولیاء اور خرق عادت سے واقفیت ہے، حالانکہ محض نام کا عالم بھی اتنا جانتا ہے کہ علم غیب جس کا دعوے کفر ہے، وہ ہے جس پر کسی قسم کی دلیل قائم نہ ہو جو مخصوص بالباری تعالے ہے اور کشف تو ایک دلیل ہے اور اعلام من اللہ میں داخل ہے۔ اس پر علم غیب کا اطلاق کرنا نری جہالت ہے۔ ان حضرات کے دماغ میں علم کی جو آندھیاں چلتی ہیں تو عقائد و نظریات میں توازن برقرار نہیں رکھ سکتے۔ مثلاً جواہر القرآن ۱۹۵ پر:

"امر دوم۔ ذات باری تعالے۔ فرشتے۔ کتب سماوی۔ انبیاء متقدمین علیہم الصلوۃ والسلام احوال برزخ وعلامات قیامت حشر نشر صراط۔ میزان۔ جنت دوزخ۔ ثواب وعذاب قبر یہ تمام احکام عالم غیب کے ہیں، اور عالم غیب کے امور جو نصوص قطعیہ سے ثابت ہیں، مثلاً عذاب قبر حشر، نشر وغیرہ ان کا انکار کفر ہے"۔

۔ "یعنی مفسر" صاحب اقرار کرتے ہیں کہ عذاب قبر نصوص قطعیہ سے ثابت ہے اس کا انکار کفر ہے۔ اب ملاحظہ ہو جواہر القرآن ۹۰۵۳ ـ ۹۰۹

"عذاب قبر نہ روح کو ہوتا ہے نہ بدن کو ہوتا ہے۔"

پھر سوال یہ ہے کہ کس کو ہوتا ہے؟ صاف ظاہر ہے کہ عذاب قبر کا انکار فرما رہے ہیں، اور صاحب جواہر القرآن عذاب قبر کے منکر کو فرقرار دے چکے ہیں۔

یعنی صاحب جواہر القرآن جلد اول نے صاحب جواہر القرآن جلد دوم کو کافر قرار دے دیا۔



جلد دوم والے صاحب جواہر القرآن کا عقیدہ وہی ہے جو معتزلہ میں سے بھی صرف دو آدمیوں کا عقیدہ تھا۔

فلم ینکر احد منهم (من المعتزله) الاضرار بن عمر وبشر المریسی (عرف شذی ۳۸۹)

## محاکمہ مابین علمائے ظواہر وعلمائے باطن ازروئے کتاب اللہ

علمائے ظواہر کشف والہام کی مخالفت کو جائز سمجھتے ہیں اور صوفیہ کرام اس کی مخالفت کو حرام سمجھتے ہیں، بشرطیکہ قواعد شرعیہ کے خلاف نہ ہو۔ حقیقت یہ ہے کہ کشف والہام جو اپنے مافوق کے مخالف نہیں، اس پر عمل نہ کرنے سے کو دینی عتاب وطرد تو لاحق نہ ہو گا کہ موجب جزا وعذاب ہو مگر دنیوی اور بدنی تکلیفوں کا یقیناً موجب ہو گا۔ لہذا جسمانی اور دنیوی تکلیفوں سے بچنے کے لئے کشف والہام پر عمل ضروری ہوا۔ اس قانون کو اچھی طرح ذہن نشین کر لیں۔

اس تقریر سے کشف والہام کا موجب علم ہونا ثابت ہوا پس علمائے ظواہر کے قول کے مطابق نا قابل التفات قرار دینا غلط ٹھہرا۔ پھر یہ ثابت ہوا کہ موجب وجوب نہیں، پس صوفیہ کرام کا موجب وجوب قرار دینا درست نہ ہوا پس حق دونوں کے بین بین ہے، یعنی موجب علم ہے۔ قابل عمل ہے، مگر موجب وجوب نہیں۔ اب اس کی تفصیل ملاحظہ ہو:

قال تعالیٰ: فوسوس لهما الشیطٰن وقوله تعالیٰ فلما ذاقا الشجرة بدت لهما سوآتهما۔

1: اس سے عصمت اور تصرف یعنی وسوسہ شیطان کا اجتماع ہوا معلوم ہوا کہ وسوسہ شیطانی فی نفسہ گناہ نہیں، نہ منافی کمالات ہے، جب تک موصل الی المعصیت نہ ہو جائے

۲: حضرت آدم علیہ السلام حضرت حوا علیہما السلام کو خطاب جو اکل شجرہ سے پہلے ہوا وہ الہامی خطاب تھا نہ کہ وحی شرعی جیسا ولاتقربا ھذہ الشجرۃ اور ناداھما ربھما میں امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ دونوں کو خطاب تھا اور حضرت حوا کو بلا واسطہ حضرت آدم علیہ السلام کے ہوتا تھا۔

لانہ ماکان مع اٰدم فی الجنۃ من البشر الا حوا فان الخطاب کان یا تیھا من غیر واسطۃ اٰدم بدلیل قولہ تعالےٰ ولاتقربا ھذہ الشجرۃ

(اربعین فی اصول دین ۲۳۹)

" کیونکہ حضرت آدم علیہ السلام ہمراہ جنت میں کوئی انسان سوائے حضرت حوا علیہما السلام کے موجود نہ تھا ' اور حضرت حوا علیہما السلام کو جو خطاب خدا کی طرف سے ہوتا بغیر واسطہ حضرت آدم علیہما السلام کے ہوتا ' جیسا آیت ولاتقربا سے ظاہر ہے "

۳: اس الہام پر عمل نہ کرنے سے حضرت آدم علیہما السلام اور حضرت حوا علیہما السلام کو جسمانی اور دنیوی مصائب پیش آئے ' نہ کہ دینی عقاب ' اگرچہ قرآن نے حضرت آدم علیہ السلام کے لئے "فعصیٰ ادم" فرمایا ہے ' مگر یہ معصیت لغوی ہے۔ معصیت شرعی قرآن سے ثابت نہیں ' قرآن نے "بدت لھما سواتھما" ہی جرم بیان کیا ہے۔ حالانکہ یہ جرم نہیں کیونکہ زوجین کے بدنوں کا ایک دوسرے کے سامنے کھل جانا شرعی جرم نہیں۔

پس ثابت ہوا کہ الہام موجب علم ہے قابل عمل ہے ' اس پر عمل نہ کرنے سے بدنی اور دنیوی تکلیف ہوئی ' دینی عقاب لاحق نہ ہوا یعنی موجب وجوب نہیں۔

اس طرح حضرت مریم علیہما السلام کو پانچ طرح کا الہامی خطاب ہوا :۔

۱: وکفلھا زکریا : تا: قال یٰمریم انیٰ لک ھذا یہ خطاب تربیت جسمانی کیلئے ہے۔

۲: واذقالت الملائکۃ: تا : فاصطفٰک علیٰ نساء العٰلمین : یہ خطاب تربیت روحانی



کے لئے ہے۔

۳: یٰمریم اقنتی لربک : وارکعی مع الرکعین یہ خطاب تکلیف شرعی کا ہے۔

۴: اذ قالت الملائکۃ تا ومن المقربین۔ اس خطاب میں حضرت عیسٰی علیہ السلام کی بشارت ہے۔

۵ : فناداھا من تحتھا : فلم اکلم الیوم انسیا۔

یہ خطاب حضرت عیسٰی علیہ السلام کی پیدائش کے بعد تسلی کے لئے ہے ' ان میں سے چار خطاب ملائکہ کی طرف سے ہیں جو مامور من اللہ تھے۔

فوائد : ۱: ملائکہ کا انسان سے کلام کرنا ثابت ہوا۔

۲: حضرت مریم علیہما السلام کا واقعہ بیان کر کے بتایا کہ انبیاء علیہم السلام کے متبعین کو یہ کمالات بطور میراث ملتے ہیں تم بھی نبی کریم صلی اللہ علیہا وسلم کے متبع بن جاؤ۔ تمہیں یہ کمالات پہلے انبیاء علیہم السلام کے متبعین سے بڑھ کر ملیں گے۔

۳: جو اللہ کا ہو رہے ' اللہ اس کا ہو رہتا ہے الیس اللہ بکاف عبدہ حضرت مریم علیہما السلام اور حضرت عیسی علیہما السلام کو غیروں سے بچایا۔ غیبی رزق دیا عزت بچائی۔ تم بھی اس کے ہو رہو سب کچھ ملے گا ویرزقہ من حیث لایحتسب سے مزید تاکید فرمادی۔

۴: بتایا کہ میں اپنے بندوں کی امداد کے لئے بڑی بڑی ہستیوں کو مقرر کرتا ہوں۔ دیکھا حضرت مریم علیہما السلام کی کفالت ایک نبی علیہ السلام کو سونپی اور ملائکہ میں سے حضرت جبریل علیہ السلام کو مقرر کیا۔

۵ : جبریل علیہ السلام ولی اللہ کے پاس آسکتے ہیں ' صرف وحی شرعی اور وحی احکامی کا سلسلہ ختم ہوا ' کیونکہ دین مکمل ہو چکا ہے۔

۶: حضرت مریم علیہما السلام کو کشف والہام کے ذریعے ہدایات دی گئیں۔

۷ : حضرت مریم علیہا السلام نے ان ہدایات پر عمل کیا۔

پس ثابت ہو گیا کہ کشف والہام موجب علم بھی ہے اور قابل عمل بھی ۔

اولیاء اللہ کی شان میں جو احادیث متعلقہ باب میں بیان کی گئی ہیں ، اور جن سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام قیامت کے دن اولیاء اللہ پر غبطہ کریں گے ۔ ان احادیث کی آیات سے مطابقت ثابت ہوتی ہے ، مثلاً حضرت زکریا علیہ السلام نبی نے حضرت مریم علیہا السلام کے پاس بے موسم پھل دیکھ کر غبطہ کیا ۔ اور طالب اولاد ہوئے ، اسی طرح حضرت خضر علیہ السلام اور حضرت موسے علیہ السلام کے واقعہ سے بھی غبطہ ثابت ہوتا ہے ۔

ظن غالب یہ ہے کہ گزشتہ شریعتوں میں یہ اصول تھا کہ جو کشف والہام کسی صحیح متبع انبیاء کو ہو اور وہ عام قانون کے خلاف ہو تو وہ کشف اس قانون کا مخصص ہو گا ۔ مثلاً قانون یہ تھا کہ نابالغ بچہ کو خواہ کافر ہو قتل نہ کیا جائے مگر کسی مخفی علت کے تحت حضرت خضر علیہ السلام نے کافر بچہ کو قتل کر دیا تو یہ خلاف قانون نہ ٹھہرا بلکہ اس قانون کا مخصص قرار پایا ۔ **واللہ اعلم بالصواب**

خلاصہ : کشف والہام اولیاء اللہ کے لئے خاص ہیں ، نائب وحی ہیں ۔ آسمانی علوم کا واسطہ ہیں ، گو وحی کے مقابلہ میں کمزور واسطہ ہیں ۔ یعنی موجب علم ہیں ۔ قابل عمل ہیں ، موجب وجوب نہیں ۔

سوال : علم تصوف اور کشف والہام کا تعلق علم ظاہری سے ہے بے علم کو کیوں کر کشف ہو سکتا ہے ؟ اس سلسلے کے بعض بے علم بھی کشف ومکاشفات کا اظہار کرتے ہیں ، کیا یہ ممکن ہے ۔

الجواب : صحابہ کرام ؓ کے حالات میں ایمان اور علم کی ترتیب کو پیش نظر رکھنے سے یہ عقدہ خود بخود حل ہو سکتا ہے ، صحابہ کرام ؓ کو پہلے ایمان کی دولت نصیب ہوئی "" جو بجائے خود اجمالی علم کا ثمرہ تھا ، لیکن دین کا تفصیلی علم ایمان کے



بعد حاصل ہوا ، اسی طرح تصوف کا تعلق تزکیہ باطن سے ہے ، جو بمنزلہ ایمان ہے ، اس کے حصول کے لئے شیخ کامل سے عقیدت اور اس کا اتباع لازمی ہے ، علم تفصیلی شرط نہیں اور ظاہر ہے کہ تزکیہ باطن سے کشف والہام حاصل ہو جاتا ہے ، پس کشف والہام کے لئے بھی علم شرط نہیں ، ہاں اس کی حفاظت اور مزید ترقی کے لئے علم ظاہری کی ضرورت ہے ، اور یہ علم ظاہری یا تو اکتساب سے حاصل ہوتا ہے یا اللہ تعالے کی طرف سے شرح صدر کے طور پر عطا ہوتا ہے ۔

کما قال تعالی افمن شرح اللہ صدرہ للاسلام فھو علی نور من ربہ
فویل للقاسیۃ قلوبھم من ذکر اللہ ۔
( الزمر )

" سو جس شخص کا سینہ اللہ تعالے نے اسلام کے لئے کھول دیا اور وہ اپنے پروردگار کے نور پر ہے ، کیا وہ شخص اور اہل قساوت برابر ہیں ۔ سو جن لوگوں کے دل خدا کے ذکر سے متاثر نہیں ہوتے ، ان کے لئے بڑی خرابی ہے ۔ "

اس سے معلوم ہوا کہ ذکر الہی سے شرح صدر اور نور باطن عطا ہو جاتا ہے ، تصوف کی ابتدا اور انتہا ذکر الہی ہے ، اس لئے تصوف وسلوک کے حصول سے یقیناً کشف ہو جاتا ہے کسی کو کم کسی کو زیادہ ۔ ،

کشف کو محفوظ رکھنے کے لئے اور کشف کی تکمیل کے لئے علم کی اس لئے بھی ضرورت ہے کہ روح کے کلام میں اجمال ہوتا ہے ، رمزواشارات ہوتے ہیں ، اس کلام کو ٹھیک طور پر سمجھنے کے لئے آٹھ ، دس برس کا عرصہ لگتا ہے جب کہیں جا کر عالم برزخ کی اصطلاحات پورے طور پر سمجھ میں آتی ہیں اس سے پہلے کشف میں غلطی کا امکان رہتا ہے ۔

علم ظاہری کی ضرورت اس لئے بھی ہے کہ اس کے بغیر منازل سلوک تو طے

ہو جاتے ہیں مگر مناصب نہیں دیئے جاتے ' اکثر قانون صوفیہ کا دیکھا ہے اور مشاہدہ سے بھی معلوم ہوا ہے کہ قطب ' غوث ' قیوم ' فرد اور قطب وحدت کے مناصب خلفائے اربعہ کی نسل میں ہی رہے ہیں یہ قاعدہ اکثریہ ہے ' کلیہ نہیں -

کشف علم اور مناصب کا ذکر آگیا تو یہ بات بھی سمجھ لیجئے کہ ذکر الہٰی سے کشف قبور تو لازما ہوجاتا ہے ' بعض اوقات اتنا تیز کشف ہوتا ہے کہ قبور کی طرف محض خیال کرنے سے پورے حالات منکشف ہو جاتے ہیں ' سینکڑوں آدمی ایسے ہوتے ہیں جن کو لوگوں نے غوث اور قطب سمجھ رکھا ہے انہیں حاجت روا اور مشکل کشا سمجھ کر ان کی قبروں کا طواف کرتے رہتے ہیں ' حالانکہ یہ حرکت عقیدہ توحید کے سراسر منافی ہے ' اور صاحب قبر پر وہ کچھ گزر رہی ہوتی ہے کہ خدا کی پناہ ! ایک مزار پر جانے کا اتفاق ہوا روضہ بنا ہوا ہے قبر پر چادریں چڑھی ہوئی ہیں - بوسے دیئے جا رہے ہیں ' مگر صاحب قبر زنجیروں میں جکڑا ہوا ہے ' کتے کی طرح اٹھ اٹھ کر حملہ کرتا ہے -

ایک اور ایسے ہی " غوث " کے مزار پر ہر ہفتہ میلہ لگتا ہے ' حالانکہ صاحب قبر کا فرسادھو ہے ' کسی نے غلطی سے دفن کر دیا - رفتہ رفتہ غوث بن گیا ' اور روضہ کھڑا کر دیا گیا - اس کو ایسا دردناک اور بھیانک قسم کا عذاب ہو رہا ہے کہ اس سے کوئی بات معلوم نہیں کی جاسکتی -

حقیقت یہ ہے کہ اس ملک میں غوث کا منصب صرف چند ایک ہستیوں کو ملا ہے - سب سے پہلے غوث عبدالہادی شاہ رحمتہ اللہ علیہ بھیرہ والے ان کا مدفن پوشیدہ ہے - ' پھر حضرت بہاؤ الحق زکریا ملتانی رحمتہ اللہ علیہ اور بوعلی قلندر رحمتہ اللہ علیہ ہیں - قلعہ لاہور میں ایک غوث مدفون ہیں ' علی ہجویری رحمتہ اللہ علیہ نام ہے - یہ داتا صاحب رحمتہ اللہ علیہ سے الگ دوسری شخصیت ہیں ' نام وہی ہے ' ان کا مدفن پوشیدہ ہے ' ان کی طرف سے قبر کا نشان بتانے کی سخت ممانعت



ہے - ایک غوث ریاست دیر کی طرف ہوئے ہیں - ان کا نام گل بادشاہ رحمتہ اللہ علیہ تھا ' ان کے علاوہ اس ملک میں کوئی غوث نہیں ہوا - ہاں بڑی بڑی ہستیاں گزری ہیں ' مگر وہ قطب کے منصب تک ہی ہیں -

# ۱۸

# رُویتِ انبیاؑ و ملائکہ

رُویتِ انبیاؑ کا ثبوت
رویتِ عین ذات اور رُویت مثالی میں اختلاف
حالتِ بیداری میں رُویت انبیاؑ
مشائخ کے اقوال
علمائے اُمّت کی تحقیق
رَویت جنّات وشیاطین
رَویت جنّات کا ثبوت
خرقِ عادات اور اہلِ السُنت والجماعت کا مسلک

# رویت انبیاء وملائکہ

رویت انبیاء وملا ئکہ وارواح کا معاملہ کشف سے تعلق رکھتا ہے یہ چیزیں مقصود بالذات نہیں - ہاں کبھی اس راہ کے مسافر کو یہ نعمتیں ضمناً حاصل ہو جاتی ہیں - پچھلے کئی ابواب میں بیان ہو چکا ہے کہ تصوف وسلوک میں مقصود بالذات رضائے الٰہی کا حصول ہے اس کی تکرار کی ضرورت اس لئے پڑتی ہے کہ مروجہ تصوف میں سب سے زیادہ بے اعتنائی اسی سے برتی جاتی ہے - صحیح اسلامی تصوف تو محبت الٰہی اور اتباع سنت ہی کا نام ہے اس کی ابتداء اور انتہا یہی ہے

اماالبدایہ فالاشتغال بالعبودیہ واماالنہایہ فقطع النظر عن الاسباب فتفویض الامور کلھا الی اللہ - کل نفسٍ ذائقہ الموت ثم الینا ترجعون -

تصوف کی ابتدا اللہ کی عبادت میں مشغول ہونا ہے اور اس کی انتہا اسباب سے نظر اٹھالینا اور تمام امور کو اللہ کے سپرد کر دینا ہے ہر جاندار کو موت کا ذائقہ چکھنا ہے پھر لوٹ کے ہمارے پاس آنا ہے -

## رویت انبیاء کا ثبوت

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم انبیائے کرام علیہ السلام اور ملا ئکہ کی حالت بیداری میں رویت مختلف فیہ نہیں ہے اگر کچھ اختلاف ہے تو اس میں کہ مرئی یعنی جو دیکھے جاتے ہیں ان کی ذات مقدسہ بعینہٖ ہے یا اس کی مثل ہے ایک قلیل بلکہ اقل جماعت کا خیال ہے کہ یہ مرئی صورت عین ذات نہیں بلکہ صورت مثالیہ



ہوئی ہے - اکثر علمائے ظواہر وباطن حالت بیداری میں رویت رسول صلی اللہ علیہ وسلم بعینہٖ کے قائل ہیں :

۱: علامہ ابن تیمیہ نے اقتضائے صراط مستقیم میں اس پر اظہار رائے کیا ہے اور اس کے قائل ہیں فرماتے ہیں کہ حضرت فاروق اعظمؓ کے زمانے میں ایک آدمی نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے فرمایا کہ عمرؓ کو کہو کہ صلوٰۃ استسقاء کے لئے لوگوں کو باہر نکالو-

۲: شاہ ولی اللہ رحمتہ اللہ علیہ تو یہاں تک فرماتے ہیں کہ میں نے قرآن مجید حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پڑھا-

فان سالتنی عن الخبر الصدق فانی تلمیذ القران العظیم بلاواسطۃ کما انی اویسی لروح حضرۃ الرسالۃ صلی اللہ علیہ وسلم ابدا -

" اگر سچ پوچھو تو ( میں تعلیم قرآن میں اویسی ہوں جس طرح فیض باطنی میں اویسی ہوں ) میں نے روح نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بلاواسطہ قرآن مجید پڑھا جیسے فیض باطنی حاصل کیا - "

مزید تفصیل کے لئے حضرت شاہ اللہ ولی رحمتہ اللہ علیہ کی فیوض الحرمین اور تفہیمات الٰہیہ ملاحظہ ہوں -

۳: علامہ سیوطی رحمتہ اللہ علیہ نے ایک مستقل کتاب **تنویر الحلک فی امکان رویۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم والملک** " لکھی ہے اس کی تفصیل ملاحظہ ہو -

۴: امام غزالی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں :

فمن اول الطریقۃ تبتدالمشاھدات والمکاشفات حتی انھم فی یقظھم یشاھدون الملائکۃ وارواح الانبیاء ویسمعون منھم اصواتاً

فیقتبسون منهم فوائد[۱۰۳]

طریقہ سلوک کی ابتداء ہی مشاہدات اور مکاشفات شروع ہو جاتا ہے - حتیٰ کہ سالکین بیداری میں انبیاء کے ارواح اور ملائکہ کا مشاہدہ کرتے ہیں ان کا کلام سنتے ہیں اور ان سے فوائد حاصل کرتے ہیں -

مگر امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ دیگر صوفیہ اور علماء سے اتنا اختلاف کرتے ہیں کہ رویت مثال کے قائل ہیں عین ذات کے قائل نہیں -

## رویت عین ذات اور صورت مثالی میں اختلاف

علامہ عبدالوہاب شعرانی رحمۃ اللہ علیہ نے امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کی رائے سے اختلاف کیا ہے -

قال (ای غزالی ) انما هو مثال روحه صلى الله عليه وسلم المقدسه عن الصورة والشكل فشبه رويه الله فى المنام بذالک فلا ادری ما اراده رحمه الله[۱۰۴]

" امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی روح کی مثال کی زیارت ہوتی ہے نہ بعینہ جسم مقدس کی اور اس کو رویت باری فی المنام سے تشبیہ دی ہے میں نہیں سمجھ سکتا کہ اس سے آپ کا ارادہ کیا ہے - "



پھر علامہ شعرانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ شیخ صالح عطیہ ابناسی رحمۃ اللہ علیہ ' شیخ قاسم مغربی رحمۃ اللہ علیہ اور قاضی زکریا رحمۃ اللہ علیہ نے امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ سے سنا ہے کہ **يقول رايت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقظة بضعاوّسبعين مرة** [۱۰۵] فرماتے ہیں " میں نے حضور اکرم ؐ کو ستر سے زیادہ مرتبہ بیداری میں دیکھا - علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے اس موضوع پر تفصیل سے بحث کی ہے:

هل الرويه لذات المصطفیٰ ؐ بجسمه وروحه اولمثاله ففصل القاضى ابوبكربن العربى فقال رويه النبى صلى الله عليه وسلم بصفه المعلومة ادراک على الحقيقة ورويته على غير صفته ادراک للمثال وهذاللى قاله القاضى فى غايه الحسن ولايمتنع رويه ذاته الشريفه بجسمه وروحه وذالک لانه صلى الله عليه وسلم وسائر الانبياء احياء[۱۰۶]

کیا رویت رسول ؐ بجسمہ ہے یا صورت مثالی کا دیکھنا ہے اور قاضی ابوبکر بن العربی نے اس پر محاکمہ کیا اور فرمایا کہ صفت معلومہ کے ساتھ حضور ؐ کی رویت حقیقت پر محمول ہو گی اور غیر صفت معلومہ کے ساتھ رویت مثالی پر محمول ہو گی قاضی موصوف کا محاکمہ بہت خوب ہے اور حضور ؐ کی رویت جسدی وروحی میں کوئی امر مانع نہیں ہو سکتا کیونکہ حضور اکرم ؐ اور دیگر انبیاء علیہم السلام زندہ ہیں -

پھر فرمایا:

قال عبد الله بن سلام ثم اتيت عثمان رضى الله عنه لاسلم عليه فهو محصور فقال مرحبايا اخى انى رايت رسول الله صلى الله عليه وسلم فى هذه الخوخه فقال يا عثمان حصروک قلت نعم قال

عطشوک قلت نعم فادلی لی دلواً فیہ ماء فشربت حتی رویت حتی انی لاجد برد بین ثدی فبین کتفی فقال ان شئت نصرت علیھم وان شئت افطرت عندنا فاخترت ان افطرعندہ - فقتل ذلک الیوم ھذہ القصہ مشھورة عن عثمان ممزجہ فی کتب الحدیث با لاسناد اخرجھاابن ابی اسامہ فی مسندہ وغیرہ ففھم المصنف منھا انھا رویتہ یقظہ فان لم یصلح عدھافی الکرامات لان رؤیة المنام یستوی فیھا کل احد ۱۰۷

عبداللہ بن سلام ؓ نے کہا کہ پھر میں حضرت عثمان ؓ کے پاس آیا تاکہ انہیں سلام عرض کروں اور وہ محصور تھے - حضرت عثمان ؓ نے مجھے خوش آمدید کہا اور فرمایا میں نے حضور اکرم ؐ کو اس کوچہ میں دیکھا - حضورؐ نے فرمایا کہ لوگوں نے تمہیں محصور کر لیا ہے عرض کیا جی ہاں - پھر فرمایا انہوں نے پیاسارکھا عرض کیا جی ہاں - پھر حضورؐ نے میری طرف ڈول بڑھا دیا جس میں پانی تھا - میں نے پانی پیا اور سیر ہو گیا - حتی کہ میں اسکی ٹھنڈک سینے میں محسوس کرتا ہوں پھر فرمایا اگر تو چاہے تو میں تمہاری مدد کروں ' اگر تو چاہے تو آج ہمارے پاس افطاری کرے تو میں نے اسکو پسند کیا کہ آپ ؐ کے ساتھ افطاری کروں - چنانچہ حضرت عثمان ؓ اسی روز شہید کر دیئے گئے اور یہ قصہ مشہور ہے اور کتب احادیث میں باسناد موجود ہے اس کو ابن ابی اسامہ نے اپنی مسند میں اخراج کیا ہے اور دوسروں نے بھی - اور تحقیق بات یہ ہے کہ مصنف اس روایت سے رویت رسول ؐ کو بیداری میں سمجھا - ورنہ اس روایت کو کرامات کے ضمن میں بیان کرنا ٹھیک نہ ہو گا - کیونکہ خواب میں رویت رسول ؐ میں تو سب لوگ مساوی ہیں -



## حالت بیداری میں روٗیت کی بنیاد

عن ابی ھریرة قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول من رانی فی المنام فسیرانی فی الیقظہ ۱۰۸

حضرت ابوہریرہؓ کی حدیث کے الفاظ سے یہ مفہوم اخذ کیا گیا اور یہی روایت اسکی بنیاد ہے میں نے حضور اکرمؐ کو یہ فرماتے سنا کہ جس شخص نے مجھے خواب میں دیکھا قریب ہے کہ وہ بیداری میں بھی دیکھ لے گا -

## مشائخ کے اقوال:

قال الشیخ صفی الدین فی رسالتہ قال لی الشیخ ابوالعباس الحراردخلت علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم مرة فوجدتہ یکتب مناشیرللاولیاء بالولایة وکتب لاخی محمد منھم منشورا ۱۰۹

" شیخ صفی الدین رحمتہ اللہ علیہ اپنے رسالہ میں فرماتے ہیں کہ شیخ ابوالعباس رحمتہ اللہ علیہ نے مجھ سے بیان کیا کہ ایک مرتبہ میں حضور اکرم ؐ کی خدمت میں حاضر ہوا تو دیکھا کہ آپ ؐ اولیا کے لیے ولایت کے منشور لکھ رہے ہیں - ان میں ایک میرے بھائی محمد کا منشور بھی تھا - "

قال ابوعبداللہ القرشی سافرت الی الشام فلما وصلت الی قریب ضریح الخلیل علیہ السلام تلقانی الخلیل فقلت یا رسول اللہ اجعل ضیا فتی عندک الدعاء لاھل مصر فدعالھم ففرج اللہ عنھم قال الیافعی فقولہ تلقانی الخلیل قول حق لاینکرہ الاجاھل

بمعرفته مایردا الیهم من الاحوال التی یشاهدون فیها ملکوت السماء والارض وینظرون الانبیاء احیاء غیر اموات کما نظر النبیؐ الی موسی علیه السلام فی الارض لنظره ایضاهوجماعه من الانبیاء و سمع منهم مخاطبات ۔

ابوعبداللہ قرشی کہتے ہیں کہ میں نے شام کا سفر کیا جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مزار مقدس پر پہنچا تو آپ مجھے ملے ۔ میں نے عرض کیا کہ آپ کے ہاں میری مہمانی یہ ہے کہ اہل مصر کیلئے دعا فرمائیں آپؑ نے دعا فرمائی تو اہل مصر کی مصیبت دور ہو گئی ۔ امام یافعی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ قرشی کا یہ قول ہے کہ میری ملاقات حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ہوئی ۔ اس کا انکار صرف جاہل ہی کرے گا جو صوفیہ کے احوال سے ناواقف ہے ۔ وہ لوگ آسمان اور زمین کا مشاہدہ کرتے ہیں ۔ انبیاء کو زندہ دیکھتے ہیں جیسا کہ حضورؐ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو زمین پر دیکھا اور ان کو مع جماعت کے آسمان پر دیکھا اور ان سے باتیں سنیں ۔ "

قال رجل للشیخ ابی العباس المرسی یا سیلی صافحنی بکفک هذا فانک لقیت رجالا فبلادا فقال واللہ ماصافحت بکفی هذه الا رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم قالو وقال الشیخ لوحجب عنی رسول اللہ طرفه عین ماعدوت نفسی من المسلمین ۔

" ایک شخص نے شیخ ابوالعباس رحمتہ اللہ علیہ المری سے عرض کیا مجھ سے مصافحہ کیجئے کیونکہ بڑے ملکوں میں پھرے ہیں ۔ اور بڑے بڑے مردان خدا سے مصافحہ کیا ہے ۔ شیخ نے فرمایا کہ میں نے یہ ہاتھ سوائے رسول اکرمؐ کے کسی سے نہیں ملائے اور فرمایا کہ اگر



حضورؐ کی ذات ایک لمحہ کیلئے بھی میری آنکھ سے اوجھل ہو جائے تو میں اپنے آپ کو مسلمان نہیں سمجھتا ۔ "

وقال البارزی فقد سمع من جماعه من الاولیاء فی زماننا وقبله انهم راوالنبی صلی اللہ علیه وسلم فی الیقظه حیابعد وفاته ؁۳۲

" علامہ بارزی رحمتہ اللہ علیہ نے کہا کہ محقق بات یہ ہے کہ ایک جماعت اولیا نے ہمارے زمانے میں بھی اور اس سے پہلے بھی رسول اکرمؐ کو بعد وفات زندہ حالت بیداری میں دیکھا ۔ "

از بعض صالحین حکایات دریں باب آمدہ و بصحت رسیدہ وحکایات وروایات مشائخ بسیار است نزدیک بحد تواتر رسیدہ است؁۳۳

## علمائے امت کی تحقیق

علامہ ابن حجر کی رحمتہ اللہ علیہ اس پر بحث فرماتے ہوئے لکھتے ہیں ۔

" هل تمکن رویه النبی صلی اللہ علیه وسلم فی الیقظه فاجاب بقوله انکر ذالک جماعه وجوزه اخرون فهو الحق فقد اخبربذالک من رویتهم من الصالحین بل استدل بحدیث البخاری من رانی فی المنام فسیرانی فی الیقظہ ای بعین راسه فقیل بعین قلبه " ثم قال " وفی شرح ابن ابی جمرة للاحادیث التی انتقلها من البخاری ترجیح لقاء الحدیث علی عمومه فی حیاته فمماته لمن له اهلیه لاتباع السنه للغیره قال فمن یدعی الخصوص بغیرتخصیص منه صلی اللہ علیه وسلم فقد تعسف ثم الزم منکر ذالک بانه غیرمصدق بقول الصادق فبانه جاهل بقدرة القادرواته

منکر بکرامات الاولیاء مع ثبوتها بدلائل السنة الواضحة فمراده
بعموم ذالک وقوع رؤیة الیقظة الموعودة بها لمن راه فی المنام
فلومرة واحدة تحقیقا لوعده الشریف الذی لایخلف واکثر مایقع
ذالک للعامة قبل الموت عند الاحتضار فلاتخرج روحه حتی یراه ۴۴

"کیا رسول اکرم ؐ کی زیارت بیداری میں ممکن ہے ؟ علامہ
ابن حجر نے جواب دیا کہ ایک جماعت منکر ہے اور ایک جماعت
قائل ہے اور یہی جماعت حق پر ہے ۔

رویت کی خبر صالحین (کی ایسی جماعت ) نے دی ہے ( جس پر اتہام
نہیں لگایا جا سکتا ) بلکہ جواز کی دلیل حدیث بخاری سے پیش کرتے
ہیں کہ حضورؐ نے فرمایا جس نے مجھے خواب میں دیکھا وہ عنقریب
ہی میں دیکھے گا ۔ " تو کسی نے سر کی آنکھوں سے دیکھنا مراد لیا
ہے ۔

کسی نے دل کی آنکھوں سے ۔ پھر ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے
شارح بخاری عبداللہ ابن ابی جمرہ رحمتہ اللہ علیہ کا قول پیش کیا
جنہوں نے بخاری کی حدیث کی شرح کرتے ہوئے خواب کی حدیث کو
عموم پر ترجیح دی ہے خواہ حیات میں ہو ۔ خواہ ممات میں مگر کامل
متبع سنت کے لیے ہے ۔ پھر شارح مذکور نے فرمایا جس نے تخصیص
حدیث کا دعوی کیا ہے اس نے تعنت کیا ہے ۔ پھر اسکو الزام دیا
ہے کہ جب حضورؐ نے تخصیص نہیں فرمائی تو وہ کیوں کرتا ہے ۔ پھر
یہ کہ فرمان نبوی ؐ کا منکر ہے پھر یہ قدرت قادر سے جاہل ہے ۔ اور
وہ کرامات اولیاء کا منکر ہے ۔ حالانکہ کرامات واضح سنت رسول ؐ سے
ثابت ہیں اور مراد شارح مذکور کی عموم حدیث سے رسول اکرم ؐ سے



ثابت ہیں اور مراد شارح مذکور کی عموم حدیث سے رسول اکرمؐ کی
زیارت بیداری میں ہے جس کا وعدہ حضورؐ نے خواب والے کو دیا
ہے اگرچہ زیارت ایک دفعہ ہو وعدہ پورا کرنے کیلئے کافی ہے اس میں
جائز نہیں اور اکثر عوام الناس کو قریب موت زیارت ہو جاتی ہے
اور روح اس کے جسد سے خارج نہیں ہوتی جب تک زیارت نہ ہو
جائے ۔ "

بخاری کی اس روایت کا صحیح مفہوم تو یہی ہے جو رویت یقظہ سے بیان کیا گیا
ہے ۔ البتہ مسلم میں **فکانما رانی** ہے اور ابن ماجہ میں **فقد رانی** ہے ۔ ان میں
احتمال ہیں ۔ اور بخاری کی اس حدیث میں یہ تاویل کرنا کہ عنقریب اس کی صحیح
تعبیر دیکھ لے گا کتنا تعنت ہے ۔ **فسیری** کا مفعول ضمیر متکلم حضورؐ کی ذات
اقدس ہے اور تعبیر خواب کو مفعول بتانا تاویل بعید ہے درحقیقت مفعول ضمیر متکلم
حضورؐ کی ذات اقدس ہے ۔ اس کی تائید ان احادیث سے ہوتی ہے جو لیلۃ المعراج
کے سلسلے میں آئی ہیں ۔ کہ حضورؐ نے انبیاء علیہ السلام کو دیکھا ۔ ان سے باتیں
کیں ' استفادہ کیا ' یہ تھا معجزہ حضور ؐ کا اور یہی ہوئی کرامت اولیاء کی
**وقدتقرران ماجاز للانبیاء معجزة جاز للاولیاء کرامة ۴۵** " یہ بات جمہور کے
نزدیک ثابت ہو چکی ہے کہ جو چیز انبیاء علیہ السلام کے لیے معجزہ ہے اولیاء رحمہ
اللہ کے لیے کرامت ہے ۔ "
اور ابن کثیر نے فرمایا ۔

انا لانجوز ظهورالکرامة علی الولی عند ادعاء الولایة
الااذاافرعند تلک الدعوی بکونه علی دین ذالک النبی فمتی کان
الامر کذالک صارت تلک الکرامة لذلک النبی معجزة فموکده
رسالته ۴۶

" ہم کسی مدعی ولایت سے ظہور کرامت کے اس وقت قائل
ہوں گے جب وہ اس دعوی کے ساتھ یہ اقرار بھی کرے کہ میں اسی
نبی کے دین پر ہوں - اور جب دعوی اس صورت میں ہوا تو یہ
کرامت اس نبی کا معجزہ ہو گا اور اس کی رسالت کی تائید ہو گی - "

لیکن بعض ظاہر بین علماء جب اس کو نہیں سمجھ سکتے تو سرے سے انکار کر دیتے ہیں - جیسا امام رازی رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا :

فان وراء ھا اسرار دقیقہ وامور عمیقہ فما لم یصل الیھا لم یصدق بھا[۷۷]

" اس سے آگے دقیق اور عمیق اسرار ہیں - جب تک انسان
ان امور تک نہ پہنچے تو ان کی تصدیق اس کے لیے محال ہے - "

فائدہ : نبی کا معجزہ نہ عین نبوت ہے نہ جزو نبوت ' نہ شرط نبوت بلکہ ایک دلیل اور سند ہے اور کمالات نبوت کی علامات میں سے ہے - یہی معجزہ منتقل ہو کر نبی کی امت میں اس کے صحیح وارثوں میں کرامت کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے - کشف ' رویت انبیاء علیہ السلام ' ملائکہ اور ارواح کرامت کی قسم سے ہیں -

## رویت جنات وشیاطین :

کیا جنات اور شیطان کو دیکھنا ممکن ہے - قرآن میں آتا ہے کہ جن اور شیاطین نہیں دیکھے جاتے ہاں وہ ہمیں دیکھتے ہیں -

**انہ یراکم ھو وقبیلہ من حیث لاترونھم** اور حدیث میں آتا ہے کہ عذاب وثواب قبر ثقلین نہیں دیکھ سکتے - رویت عذاب وثواب کا قائل ہونا قرآن وحدیث کے خلاف ہے اور امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ نے تو مدعی رویت جن کی شہادت بھی مردود قرار دی ہے -



## رویت جنات کا ثبوت

واستدل الخطابی بھذا الحدیث علی ان اصحاب سلیمان علیہ السلام کانوا یرون الجن فی اشکالھم وھیئتھم حال تصرفھم قال واماقولہ تعالی انہ یراکم ھو وقبیلہ الخ فالمراد الاکثر الاغلب من احوال بنی ادم

علامہ خطابی نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے - جس میں ذکر ہے (کہ نبی اکرم نے جن کو باندھنا چاہا تھا کہ صبح مدینے کے لڑکے اس سے کھیلیں مگر بھائی سلیمان علیہ السلام کی دعاء کی وجہ سے یہ ارادہ ترک کر دیا تھا ) کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے صحابی جنوں سے کام لیتے وقت انہیں دیکھتے تھے - رہا فرمان باری تعالی کہ شیطان اور اس کا کنبہ تمہیں اس جگہ سے دیکھتا ہے کہ تم انہیں نہیں دیکھتے - تو یہ حکم اکثر اوراغلب پر ہے - یہ نہیں کہ جن دیکھے نہیں جا سکتے - "

اس پر علامہ ابن حجر رحمتہ اللہ علیہ نے اعتراض کیا ہے اور فرمایا ہے :

بان نفی رویۃ الانس الجن علی ھیئتھم لیس بقاطع من الایۃ بل ظاھر انہ ممکن فان نفی رویتھا ایاھم مقید بحال رویتھم لنا ولا ینفی امکان رویتنا لھم فی غیر تلک الحالۃ ویحتمل العموم[۷۸]

" نفی رویت جنات آیت سے قطعی طور پر ثابت نہیں بلکہ
صرف احتمال ہے کیونکہ ہماری عدم رویت مقید ہے - ان کی رویت
کے وقت سے نہ کہ عام ہاں احتمال عموم کا بھی ہے - "

علامہ آلوسی رحمتہ اللہ علیہ نے اس پر بحث کرتے ہوئے فرمایا :

وقال والقضیہ مطلقہ لادائمہ و فیہ وعلی ھذا لایفسق مدعی رویتھم فی صورھم الاصلیہ اذاکلن مظنہ للکرامہ فلیس فی الایہ اکثر من نفی رویتھم کذالک بحسب العادۃ [۲۹]

" یہ قضیہ مطلقہ ہے دائمہ نہیں - اور اسی روح المعانی میں ہے کہ مدعی رویت کا فاسق نہ ہو گا کہ اس کی شہادت رد کی جائے - خصوصا جب کرامت کا گمان بھی ہو اور آیت میں نفی رویت کی بطور عادت کے ہے نہ کہ بطور خرق عادت کے - "

اور علامہ بیہقی نے مناقب امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ میں ان کا یہ قول نقل کیا ہے کہ :

" یقول من زعم انہ یری الجن ابطلنا شھادتہ الا ان یکون نبیا -

(عن الربیع )

حضرت ربیع فرماتے ہیں کہ میں نے امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ سے سنا کہ جس شخص نے کہا کہ میں جنوں کو دیکھتا ہوں ہم اسکی شہادت مردود قراردیتے ہیں سوائے اس کے کہ دیکھنے والا نبی ہو - "

**فائدہ :** علامہ بیہقی رحمتہ اللہ علیہ نے جو قول امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ کا نقل کیا ہے اس سے یہ معلوم ہوا کہ امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ کی مراد رویت بصری ہے جو بطور عادت کے ہے نہ کہ خرق عادت - اور یہ بھی معلوم ہوا کہ روحانی اور قلبی آنکھ سے دیکھا جا سکتا ہے جو **الا ان یکون نبیا** کی استثناء سے ظاہر ہے - اور یہ مسلم ہے کہ کشف ازقبیل کرامت ہے - اور کرامت معجزہ کی فرع ہے - نبی کا جنات کو دیکھنا معجزہ ہوا اور ولی کا دیکھنا کرامت ہوا 2: علامہ آلوسی کے بیان سے معلوم ہوا کہ عادت کے طور پر رویت ممکن نہیں لیکن کرامت کے طور پر ممکن ہے اس سے حدیث ثقلین کا مسئلہ بھی حل ہو گیا کہ عذاب



وثواب قبرعادت کے طور پر معلوم نہیں ہو سکتے ہاں خرق عادت کے طور پر معلوم ہو سکتے ہیں - چنانچہ کشف قبور کے سینکڑوں واقعات رسول اکرمؐ سے اور صحابہؓ سے احادیث میں موجود ہیں - لہٰذا نفی سے نفی عادت کی ہوئی اور ثبوت سے ثبوت خرق عادت کا ہو گا - رہا یہ سوال کہ یہ کیسے ہوتا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ جب یہ خرق عادت ہے تو عادت سے کیسے بتایا جا سکتا ہے اور کیونکر معلوم ہو سکتا ہے - ہاں کم از کم چھ ماہ مسلسل صرف کرو اگر خدا کو منظور ہوا تو دیکھ لو گے -

## خرق عادت اور اہل سنت والجماعت کا مسلک

کشف وکرامت کا تعلق خرق عادت سے ہے اور اہل سنت کے نزدیک کرامت معجزہ کی فرع ہے اس کے انکار سے متواترات کا انکار لازم آتا ہے - جن لوگوں نے اس کا انکار کیا ہے وہ غلط فہمی سے امور خرق عادت کو امور عادیہ طبعیہ پر قیاس کرتے ہیں - اس صورت میں وہ قدرت قادر کے انکار کا ارتکاب کرتے ہیں :

عند اھل السنہ ان الرویہ لا یشترط لھا عقلا عضو مخصوص ولا مقابلہ ولاقرب فانما تلک امور عادیہ یجوز حصول الادراک مع عدمھا عقلا وکذالک حکموا بجواز رویہ اللہ تعالی فی الاخرۃ خلافا لاھل البدع بوقوفھم مع العادۃ [۳۰]

" اہل سنت کا رویت کے متعلق یہ عقیدہ ہے کہ اس کے لیے کسی خاص اندام یعنی آنکھ کا ہونا شرط نہیں - نہ مرئی کا مقابل اور قریب ہونا شرط ہے - کیونکہ یہ امور عادیہ ہیں اور رویت عقلا جائز ہے بغیران امورعادیہ کے اسی وجہ سے آخرت میں رویت باری تعالی کے جواز کا حکم کیا ہے - اس کے برعکس اہل بدعت رویت کو عادت پرموقوف جانتے ہیں - "

اور یہ واضح بات ہے کہ جس شخص کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت خواب میں ہوتی ہے وہ مرد صالح ہے ۔ اس کے قلب میں نور ہے ۔ اگر کاملین میں سے کوئی اس کی تربیت کرنے والا ہو تو بیداری میں بھی یقیناً حضورؐ کی زیارت سے مشرف ہو جائے گا ۔

" وبعض گویند کہ ایں بشارت است برانیاں کہ جمال اورادرخواب کہ آخر بعد از انقطاع وارتفاع کدورات نفسانیہ وقطع علائق جسمانیہ بمرتبہ برسند کہ بے حجاب کشفا وعیانادربیداری بایں سعادت فائز باشند چنانچہ اہل خصوص ازاولیارا ے باشد"[41]

البتہ ان حجابات کے دور کرنے کے لیے مناسب ذرائع اور وسائل اختیار کرنے پڑیں گے جن سے تزکیہ نفس اور تصفیہ قلب ہو جائے ۔ حجاب اٹھا تو زیارت ہو جائے گی اور وہ وسیلہ جس سے حجابات دور ہوتے ہیں ذکر الٰہی ہے ۔ اس سے قلب میں نور پیدا ہوتا ہے ۔ ملا ئکہ اور انبیاء سے مناسبت پیدا ہو جاتی ہے ۔ ذکر الٰہی کے ساتھ چند شرائط ہیں :

۱: صحیح عقائد ضروری ہے شرک وبدعت کو دل سے نکال دے ۔
۲: اعمال صالحہ کا عادی ہو جائے ۔
۳: حرام سے بچنے کی پوری پوری کوشش کرے ۔
۴: کامل کی صحبت اختیار کرے اور اس کے بتائے ہوئے طریقے پر عمل کرے ۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبل نبوت زندگی پر نگاہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ

ان اللہ بغض الیہ الاوثان وحبب الیہ خلال الخیر فلزوم
الوحدۃ فرارا من قرناء سوء فلما لزم ذالک اعطاہ للہ علی قدرنیتہ
ووھب لہ النبوۃ کما یقال الفواتح عنوان الخواتیم وقال ابن المنیر
کان مقدمہ النبوۃ فی حق النبی صلی اللہ علیہ وسلم الھجرۃ الیٰ



اللہ تعالی عزوجل بالخلوۃ فی غارحرا[43]

" اللہ تعالی نے حضور اکرمؐ کے دل میں بتوں کے خلاف بغض ڈال دیا تھا اور اچھی عادتوں کو محبوب بنا دیا تھا ۔ اور حضورؐ نے تنہائی اور برے ساتھیوں سے دوری کو پسند فرمایا ۔ جب آپؐ نے ان اوصاف حمیدہ کو اپنایا تو اللہ تعالے نے آپؐ کو آپؐ کی نیت کے مطابق دیا اور نبوت عطافرمائی جیسے کہا جاتا ہے کہ ابتدا خاتمہ کا عنوان ہوتا ہے اور ابن منیر شارح بخاری نے کہا کہ یہ نبوت کا مقدمہ تھا کہ آپؐ نے مخلوق سے خالق کی طرف ہجرت کی اور غار حرا میں تنہائی اختیار فرمائی ۔ "

قلب کی بحث میں تفصیل سے بیان ہو چکا کہ اصل دانا بینا قلب ہے ۔ معاصی کے ارتکاب سے اس پر غبار بیٹھ جاتا ہے ۔ رفتہ رفتہ اس کی بینائی ختم ہو جاتی ہے ۔ یہی دل کا سب سے خطرناک مرض ہے ۔ اللہ تعالے نے اسی حقیقت کو کہیں یوں بیان کیا ہے کہ **وان علی قلوبھم** ۔ کبھی فرمایا **اثم قلبہ** اور کہیں فرمایا کہ **فانھا لاتعمی الابصار ولکن تعمی القلوب التی فی الصدور** یعنی ان کے سر کی آنکھیں اندھی نہیں بلکہ ان کے سینے میں دل اندھے ہیں ۔ یہاں " عمی " اور بصر کا تقابل عدم اور ملکہ کا ہے ۔ اندھے کا لفظ اس پر بولا جاتا ہے جس کے شان سے دیکھنا ہو **عمی من شانہ ان یکون بصیرا** ۔ پتھر اور دیوار کو کوئی اندھا نہیں کہتا ۔ معلوم ہوا کہ قرآن مجید نے دل کو اس لیے اندھا فرمایا اس کے شان سے بینائی تھی ۔

سوال : یہ آیتیں تو کفار کے حق میں نازل ہوئیں جن کے دلوں پر کفر کی ظلمت چھاچکی تھی اور وہ حق کو دیکھ نہیں سکتے تھے ۔

الجواب : اثر تو ایک ہے یعنی عدم رویت قلوب ہاں موثر اور سبب مختلف ہو

سکتے ہیں - کفار کے عدم رویت قلب کا سبب ظلمت کفر ہے اور مسلمان کے عدم رویت قلب کا سبب ظلمت عصیاں ہے فسق وفجور ' مخالفت سنت اور اتباع ہوی ہے - یہ ضروری نہیں کہ اثر واحد ہو تو موثر اور سبب بھی واحد ہو امراض قلب کے ماہر معالج انبیاء علیہم السلام تھے انہوں نے قلب کی صحت کا نسخہ ذکر الہی بتایا جس سے قلب سلیم اور مطمئن ہو جاتا ہے - قلب کے لیے غذائے صالحہ شریعت حقہ کی پیروی اور احکام الہی کی پابندی بتایا اور غذائے فاسدہ یعنی شرک وبدعت اور اتباع ہوی سے منع فرمایا - انبیاء علیہم السلام کے بعد ان کے صحیح جانشینوں نے ان کی نیابت کی جن کو صوفیہ کرام اور علمائے ربانی کہا جاتا ہے مگر آج انکے وجود عنقاہیں - مشیخیت اور سجادہ نشینی ' علم وفضل اور وعظ وتبلیغ کے دعوے تو موجود ہیں مگر حقیقت غائب ہے - امام ولی اللہ دہلوی رحمتہ اللہ علیہ نے اپنے زمانے کے حالات کا جو نقشہ تفہیمات الہیہ میں کھینچا ہے آج کے حالات اس سے بھی بدتر ہو گئے ہیں - فرماتے ہیں :

" اے سجادہ نشینو! جو اپنے آباء کی مسندوں پر بغیر کسی استحقاق کے جمے بیٹھے ہو تم نے وہ طریقہ تو چھوڑ دیا جو اللہ تعالی نے نبی اکرم ؐ کے ذریعے انسانوں کی ہدایت کیلئے نازل فرمایا تھا اور اپنی خواہشات کی اتباع کو تم نے دین بنالیا اور ہر شخص پیشوا بنا بیٹھا ہے اور اپنے آپکو ہادی اور مہدی سمجھتا ہے حالانکہ وہ حقیقت میں ضال اور مضل ہے - ہم ان لوگوں کو قطعا پسند نہیں کرتے جو محض دنیوی اغراض اور مادی مفاد کی خاطر لوگوں سے بیعت لیتے پھرتے ہیں .... یہ لوگ راہزن اور ڈاکو ہیں جھوٹے اور فتنہ پرداز ہیں - لوگو ! خبردار ! ان ڈاکوؤں سے ہوشیار رہنا تمہیں تو صرف اس شخص کو اپنا مرشد اور پیشوا بنانا ہے جو کتاب وسنت کی طرف دعوت دے ....الخ "

حقیقت یہ ہے کہ جب سے عقابوں کے نشیمن زاغوں کے تصرف میں آئے



لگے ہیں وہ مقام جہاں سے رشدوہدایت کے چشمے پھوٹتے تھے آج بیہودگی اور عیاشی بے دینی اور آوارگی کے مرکز بن گئے ہیں - جہاں دین کے علاوہ سب کچھ موجود ہے اور جہاں سے دین داری اور ہدایت کے علاوہ سب کچھ ملتا ہے - دنیا بن رہی ہے اور عاقبت بگڑ رہی ہے اور بقول عارف الہ آبادی اسے ایک کاروبار بنالیا گیا ہے :

مردہ سمجھ ان کو کہ جو پہنچے ہوں خدا تک ۔ مرشد ہے وہی جو ہے گورنمنٹ رسیدہ

اور علماء کا جو نقشہ امام غزالی رحمتہ اللہ علیہ نے احیاء العلوم میں کھینچا ہے وہ چھٹی صدی ہجری کے علماء سے متعلق ہے فرماتے ہیں :

انتم کالمنخل یخرج منہ الدقیق الطیب فتبقی فیہ النخالہ کذالک انتم تخرجون الحکمہ من افواھکم ویبقی الغل فی قلوبکم افستم اخرتکم فصلاح الدنیا عندکم احب الیکم من صلاح الاخرۃ فای الناس اخسرمنکم لو تعلمون - "

فائدہ : امام غزالی رحمتہ اللہ علیہ کو اپنے زمانہ کہ علماء سے شکایت ہے کہ تم چھلنی کی مانند ہو جس سے باریک اور عمدہ آٹا نکل جاتا ہے اور چھان اس کے اندر رہ جاتا ہے - مگر آج کے علماء ( الاماشاء اللہ ) کی حالت یہ ہے کہ وہ اس سوئی چھلنی کی مانند ہیں جس سے چھان بھی خارج ہوتا رہتا ہے اور وہی حصہ چھلنی کے اندر رہ جاتا ہے جو سب سے زیادہ ردی اور بیکار ہو - اسی طرح ان کے منہ سے اگر کبھی کبھار حکمت کی ایک آدھ بات نکلتی ہے تو اس کے ساتھ دس باتیں ایسی بھی نکلتی ہیں جو تہذیب اور شرافت کا ماتم کرتی ہوئی فضا میں پھیل جاتی ہیں -

جب ہمارے فکروعمل کی حالت یہ ہے ہمارے عوام اور خواص کی ذہنیت اس قسم کی ہے تو قلوب کی کیفیت کا اندازہ بخوبی ہو سکتا ہے - جب ان کے قلوب نور بصیرت سے محروم ہیں تو اپنے اوپر قیاس کر کے صلحائے امت اور اصحاب بصیرت کا انکار کر دیں یا رویت رسول ؐ کا انکار کر دیں تو ہم انہیں معذور سمجھتے ہیں - کیونکہ کسی شخص کو نابینا آدمی سے یہ گلہ نہیں ہوتا کہ وہ دیکھتا کیوں نہیں - بلکہ ان کی حالت قابل رحم ہے - ان کے دل روگی ہیں - ان کے قلوب بیمار ہیں - اس لیے ہمارا مخلصانہ مشورہ یہی ہے کہ کسی معالج روحانی کی خدمت میں جا کر اپنے قلوب کا علاج کرائیں :

دل بینا بھی کر خدا سے طلب !     آنکھ کا نور دل کا نور نہیں



# ۱۹

# رسولِ کریم ؐ سے روحانی بیعت

# رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روحانی بیعت

سوال : آپ نے کہیں ذکر کیا ہے کہ ابتدائی منازل سلوک طے کرانے کے بعد ہمارے سلسلہ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روحانی بیعت کراتے ہیں ' کیا اس کا ثبوت متقدمین صوفیہ میں بھی ملتا ہے ؟

الجواب : علامہ ابن حجر نے فرمایا:

فقال تاج ابن عطاء اللہ عن شیخہ العارف الکامل ابی العباس المرسی صافحت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بکفی ھذہ۔

" تاج ابن اعطاء اللہ رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ میرے شیخ عارف کامل ابوالعباس المرسی رحمتہ اللہ نے فرمایا کہ میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ کا ہاتھ پکڑ کر مصافحہ کیا۔"

فقال علی وفاء رحمہ اللہ : فرایت النبی صلی اللہ علیہ وسلم قبالۃ وجھی فعانقنی فقال واما بنعمۃ ربک فحدث [۴۳]

اور عارف علی وفا رحمہ اللہ نے فرمایا کہ میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو روبرو دیکھا۔ پھر آپؐ نے میرے ساتھ معانقہ فرمایا۔ پھر فرمایا اللہ تعالےٰ کی نعمت بیان کیا کر۔

" از شیخ ابوالمسعود آوردہ کہ مصافحہ می کرد آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رابعد ہر نماز[۴۴]"

اور آخر میں امام الہند شاہ ولی اللہ رحمتہ اللہ کی زبانی تفصیل سنئے :

" چون ایں معرفت جلیلہ بخاطرم جاگرفت آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم تبسم کناں سرازجیب مراقبہ بیرون آور دندودست خویش برواشتند واشارت فرمودند بہ

بیعت ومصافحہ - ایں فقیر برخاست وزانو بزانو متصل ساختہ دودوست خود درمیان دودوست آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نہادہ بیعت کرد وبعد از فراغ از بیعت چشم فرو بستند"[45]

"جب یہ معرفت میرے دل میں جاگزیں ہوئی ' حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسکراتے ہوئے مراقبہ سے سرمبارک اٹھایا ' اور اپنے دونوں مبارک ہاتھوں سے میری طرف مصافحہ اور بیعت کا اشارہ فرمایا - یہ فقیر اٹھا' اپنے زانو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زانوؤں کے ساتھ ملائے ' اور اپنے دونوں ہاتھ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک ہاتھوں کے درمیان رکھے اور بیعت کی۔ بیعت لینے سے فارغ ہوئے تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ نے آنکھیں بند فرمالیں -"



# ۲۰

# کلامِ بالارواحؒ

# کلام بالارواح

کلام بالارواح یا کشف قبور کا انکار دراصل دعویٰ بلادلیل سے زیادہ کوئی حیثیت نہیں رکھتا اس موضوع پر بحث کرنے کے لئے علمی اور نقلی دلائل سے رہنمائی حاصل کی جائے تو اقرار کے بغیر نہیں بنتی اور یہ ماننا پڑتا ہے کہ اہل اللہ پر یہ اللہ تعالے کا خاص انعام ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحیح جانشینوں کو میراث نبویؐ کے طور پر اللہ تعالے عطا فرماتا ہے۔

سب سے پہلے اس امر پر غور کرنا چاہئے کہ کلام بالارواح کی شریعت میں اصل بھی ہے یا نہیں پھر یہ دیکھنا چاہئے کہ سابقین سے اس کی نقل بھی ملتی ہے یا نہیں پھر یہ دیکھنا ہے کہ اسلاف میں اس کی ایسی مثالیں بھی ملتی ہیں جنہیں حقیقت نفس الامری کہا جاسکتا ہے۔

اگر ان تینوں صورتوں میں دلائل قاطعہ مل جائیں تو انکار کرنا جہالت یا ضد اور عناد کے بغیر کچھ نہیں

۱ : بیت المقدس میں تمام انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتدا کے لئے جمع کیا گیا تھا پھر ارواح انبیاء سے مکالمہ ہوا ( ابن کثیر [illegible]

فقال ابراهيم عليه السلام الحمد الله الذى اتخذنى خليلا
واعطانى ملكا عظيما وجعلنى امه قانتا يئوتم بى فانقذنى من النار
وجعلها على بردا وسلاما ثم ان موسى عليه السلام اثنى على ربه
فقال الحمد الله الذى كلمنى تكليما وجعل هلاک ال فرعون
فنجاة بنى اسرائيل على يدى وجعل من امتى قوما يهدون بالحق

وبه یعملون ثم ان داؤد علیه السلام اثنی علی ربه فقال الحمد الله

اللّی جعل لی ملکا عظیما وعلمنی الزبور والاٰن لی الحدید وسخرلی

الجبال یسبحن والطیر...الخ

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا کہ تعریف اس اللہ کے لئے ہے جس نے مجھے خلیل بنایا ہے اور مجھے عظیم ملک عطا کیا - اور مجھے اطاعت شعار امت بنایا اور مجھے آگ میں سے نکالا اور آگ کو میرے لئے ٹھنڈک اور سلامتی بنادیا - پھر موسیٰ علیہ السلام نے اپنے رب کی ثناء بیان کی اور کہا تعریف اس اللہ کے لئے ہے جس نے مجھ سے خوب کلام کی اور میرے ہاتھ سے فرعون کو ہلاک کیا اور بنی اسرائیل کو نجات دی اور میری امت سے ایسے لوگ پیدا کئے جو حق وہدایت پر قائم رہے اور رہنمائی کرتے رہے - پھر اسی طرح حضرت داؤد علیہ اسلام نے کہا کہ تعریف اس اللہ کے لئے ہے جس نے مجھے سلطنت عطا کی مجھے زبور کی تعلیم دی - میرے لئے لوہے کو نرم کر دیا اور میرے لئے پہاڑوں کو مسخر کر دیا کہ میرے ساتھ مل کر پہاڑ اور پرندے تسبیح پڑھتے ہیں -

یہ واقعہ کلام بالارواح کی اصل کی حیثیت رکھتا ہے - اس سے ثابت ہوا کہ

۱: زندہ انسان ارواح کی کلام سن سکتا ہے - جیسا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انبیاء کے ارواح کی کلام سنی -

۲: زندہ انسان برزخ والوں کو دیکھ سکتا ہے -

۳: انسان پر دنیوی زندگی میں جو حالات گذرتے ہیں - برزخ میں روح کو خوب یاد ہوتے ہیں -



یہ امر پیش نظر رہے کہ یہ دلائل ان لوگوں کے نقطہ نظر کے مطابق پیش کئے جا رہے ہیں جن کا عقیدہ ہے کہ بیت المقدس میں ارواح متشکل تھے ان سے کلام ہوئی لیکن ہمارا عقیدہ ہے کہ ارواح مع الاجساد بیت المقدس میں حاضر ہوئے تھے اور قرآن وسنت سے دلائل بھی ہمارے عقیدہ کے حق میں قوی ہیں - جن کی تفصیل ہم نے اپنی کتاب " سماع موتیٰ " میں بیان کر دی ہے -

شب معراج میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی انبیاء کرام کے ارواح سے آسمانوں پر یکے بعد دیگرے جو ملاقات ہوئی اس کی تفصیل صحیح مسلم شریف میں موجود ہے - بخوف طوالت صرف حوالہ پر اکتفا کیا جاتا ہے جس سے صاف ظاہر ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ارواح انبیاء سے ملاقات بھی ہوئی اور کلام بھی ہوئی -

۲: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے شب معراج میں جو واقعات پیش آئے وہ واقعات کے اعتبار سے کلام بالارواح کی اصل کی حیثیت رکھتے ہیں اب حضورؐ کا ارشاد بھی ملاحظہ ہو - جو دوسری حیثیت سے اصل قرار دیجاتی ہے -

( نسیم الریاض ۳۸۳ )

قال النبی صلی اللہ علیه وسلم انی اری مالاترون واسمع

مالاتسمعون المراد بما الموصولة فیهما مغیبات وامورفی الملاء

الاعلی اطلعه الله تعالٰے علیها فغیره صلی الله علیه وسلم لایراها

کرؤیة الملائکة والجنة والنار وعذاب القبر والاطلاع علی الموتٰی

واحوال البرزخ وسماعه لاصوات المعذبین فی القبور

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں دیکھتا ہوں جو چیزیں تم نہیں دیکھتے - اور اس کلام کو سنتا ہوں جو تم نہیں سنتے - ان دونوں جملوں میں ماموصولہ ہے اور اس سے مراد مغیبات ہیں اور

وہ امور ہیں جو ملاءاعلیٰ میں واقع ہوئے اور اللہ تعالےٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس پر مطلع فرمایا جو دوسرے لوگ نہیں دیکھتے - جیسے ملائکہ کو دیکھنا - جنت دوزخ ' عذاب قبر کو دیکھنا - برزخ کے حالات دیکھنااور ان لوگوں کی آوازیں سننا جو قبروں میں عذاب سے دو چار ہیں -

اس حدیث سے اور اس کی شرح سے جہاں معلوم ہوتا ہے کہ کلام بالارواح کی شریعت میں اصل موجود ہے وہاں یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ عذاب قبر مغیبات میں سے ہے اور مغیبات پر ایمان لانا فرض ہے اس لئے کشف قبور کو کشف کونی کہنا علمی لغزش ہے -

بحث کی دوسری شق کے متعلق چند اقتباسات ملاحظہ ہوں :

1: الحاوی للفتاوی ۲۹۳

الثانی ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی حیاتہ کان یری الانبیاء فیجتمع بھم فی الارض کما تقدم انہ رایٰ عیسیٰ فی الطواف وصح انہ صلی اللہ علیہ وسلم مرعلیٰ موسیٰ فھو یصلی فی قبرہ وصح انہٗ صلیّ اللہ علیہ وسلم قال الانبیاء احیاء یصلون . فکذلک اذانزل علیہ الصلوۃ والسلام الی الارض یری الانبیاء فیجتمع بھم فمن جملتھم النبی صلی اللہ علیہ وسلم فیاخذعنہ مایحتاج الیہ من احکام الشریعۃ

امردوم یہ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس دنیوی زندگی میں انبیاء کو دیکھتے اور ان سے ملاقات کرتے تھے جیسا کہ گذر چکا ہے کہ انہوں نے عیسیٰ علیہ السلام کو طواف میں دیکھا اور یہ صحیح ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم موسیٰ علیہ السلام کے پاس سے گذرے جبکہ



وہ قبر میں نماز پڑھ رہے تھے - اور یہ صحیح ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ انبیاء زندہ ہیں نماز پڑھتے ہیں - اسی طرح جب عیسیٰ علیہ السلام زمین پر واپس آئیں گے انبیا کو دیکھیں گے اور ان سے ملاقات کریں گے - ان میں سے ایک حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور عیسیٰ علیہ السلام ' حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے احکام شریعت حاصل کریں گے جن احکام کے وہ محتاج ہوں گے -

اب یہ دیکھنا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ میراث جن لوگوں کو ملتی ہے ان میں کون سی ایسی خوبی ہے جو دوسرے لوگوں میں نہیں پائی جاتی - جب ایسے حضرات کے حالات کا مطالعہ کیا جاتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ سارے کے سارے اصحاب تصوف وسلوک ہی گذرے ہیں - معلوم ہوا کہ اس دولت کے ملنے کا واحد ذریعہ تصوف وسلوک ہے اس علم اور فن کی فضیلت کے متعلق علامہ وزیر فرماتے ہیں :

الروض الباسم ۲؍۵۷

ھذا بحر عُمیق لاساحل لہ لایصح رکوبہ الافی سفن المکاشفۃ فلیل جھیم لایحسن مسراہ الابعد طلوع اھلۃ المشاھدۃ.... ان ذلک من العلوم الضروریۃ التجربیۃ المتواترۃ عن ارباب الریاضات وملازمۃ الخلوات فانھم یرون فی الیقظۃ مثل مایراہ الناس فی النوم ویسمعون مخاطبات من غیررویۃ المخاطب۔

یہ ( علم سلوک ) بہت گہرا سمندر ہے جس کا کوئی کنارہ نہیں مکاشفہ کی کشتی کے بغیر اس سمندر میں سفر کرنا درست نہیں اور یہ ایک سیاہ رات ہے جس میں مشاہدہ کے چاند کے طلوع ہونے کے بغیر

سفر کرنا درست نہیں - یہ علوم سروری اور بدیہی ہیں تجربہ سے تواتر کے ساتھ اصحاب ریاضت سے ثابت ہیں - جنہوں نے تخلیہ کو لازم سمجھا اور وہ بیداری میں وہ چیزیں دیکھتے ہیں جو دوسرے لوگ خواب میں دیکھتے ہیں اور وہ مخاطب کو دیکھے بغیر اس کا کلام سن لیتے ہیں -

اب ان حضرات کے واقعات دیکھئے جن کو اللہ تعالیٰ نے یہ نعمت عطا فرمائی تھی -

1: الحاوی للفتاوی ۳۳۳۲

قال الشیخ عبدالقادر الجیلانی رایت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قبل الظہر فقال لی یا بنی لم لاتکلم ؟ قلت یا ابتاہ ! انا رجل اعجمی کیف اتکلم علی فصحاء بغداد فقال افتح فاک ففتحتہ فتفل فیہ سبعا فقال تکلم علی الناس وادع الی سبیل ربک بالحکمۃ والموعظۃ الحسنۃ فصلیت الظہر وجلست وحضرنی خلق کثیر فارتج علی فرایت علیا رضی اللہ عنہ قائما بازائی فی المجلس فقال لی مثل ماقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے ظہر سے پہلے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا - بیٹا تم بات کیوں نہیں کرتے - عرض کیا اباجان ! میں عجمی ہوں فصحائے بغداد کی طرح کلام کیسے کر سکتا ہوں - فرمایا اپنا منہ کھول - میں نے منہ کھولا - حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سات مرتبہ میرے منہ میں لعاب دہن ڈالا اور فرمایا کہ لوگوں کو حکمت اور موعظہ حسنہ کے ذریعے اللہ کی طرف دعوت دے پھر میں نے ظہر کی نماز پڑھی اور بیٹھ گیا - ایک ہجوم میرے گرد جمع ہو گیا -



پھر میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اپنے پاس کھڑا ہوا دیکھا - انہوں نے بھی مجھے وہی کچھ فرمایا جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا -

یہی واقعہ امام یافعی رحمۃ اللہ علیہ نے کفایۃ المعتقد صفحہ ۳۸۷ پر درج فرمایا ہے -

۲: الحاوی للفتاوی ۳۳۳۲

قال فی ترجمۃ الشیخ خلیفہ بن موسی النہر ملکی کان کثیر الرؤیۃ لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقظۃ ومنا مافکان یقال ان اکثر افعالہ متلقاۃ منہ صلی اللہ علیہ وسلم اما یقظۃ اما مناما فراہ فی لیلۃ واحدۃ سبع عشرۃ مرۃ

شیخ خلیفہ بن موسیٰ رحمۃ اللہ علیہ کے حالات میں لکھا ہے کہ وہ خواب اور بیداری میں کثرت سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کیا کرتے تھے - اور کہا جاتا تھا کہ ان کے اکثر کام حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تلقی سے ہوتے تھے خواہ تلقی خواب میں ہو یا بیداری میں اور انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک رات میں سترہ مرتبہ دیکھا -

۳: علامہ الکمال الاوفی نے اپنی کتاب الطالع السعید میں لکھا ہے:

کان مشہورا بالصلاح ولہ مکاشفات وکرامات کتب عنہ ابن دقیق العید وابن النعمان والقطب العسقلانی وکان یذکرانہ یری النبی صلی اللہ علیہ وسلم ویجتمع بہ

" وہ بہت صالح مشہور تھے - ابن دقیق العید ابن النعمان اور قطب عسقلانی نے ان کے مکاشفات اور کرامات کا ذکر کیا ہے - "

وہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی اور مجلس کی "۔

**۴: شیخ عبدالغفار بن نوح نے اپنی کتاب الوحید میں فرمایا ۔**

کان للشیخ ابی العباس المری وصلہ بالنبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا سلم علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم ردعلیہ السلام ویجاوبہ اذاتحدث معہ

شیخ ابی العباس المری کی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات ہوتی تھی ۔ جب آپ سلام کہتے تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جواب دیتے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے گفتگو کرتے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس کا جواب دیتے تھے ۔

**۵ : ابن فارس کی کتاب المنح الالٰہیہ فی مناقب السادہ الوفائیہ میں ہے**

قال ( ای ابن فارس ) کنت وانا ابن خمس سنین اقراء القران علی رجل یقال لہ الشیخ یعقوب فاتیتہ یوما فرایت النبی صلی اللہ علیہ وسلم یقظۃ لامنا ما وعلیہ قمیص ابیض قطن ثم رایت القمیص علی فقال لی اقرأ فقرات علیہ سورۃ والضحی والم نشرح ثم غاب عنی فلما ان بلغت احدی وعشرین سنہ احرمت لصلوٰۃ الصبح بالقرافہ فرایت النبی صلی اللہ علیہ وسلم قبالۃ وجھی فعانقنی فقال لی واما بنعمۃ ربک فحدث ۔

ابن فارس کہتے ہیں کہ جب میں پانچ برس کا تھا تو شیخ یعقوب سے قرآن مجید پڑھتا تھا ایک روز میں ان کے پاس آیا تو میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو عین بیداری میں دیکھا ۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک سفید سوتی قمیض پہن رکھی تھی پھر میں نے دیکھا



کہ وہ قمیض میں نے پہنی ہوئی ہے ۔ پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پڑھ ! میں نے سورۃ الضحیٰ اور الم نشرح پڑھی پھر حضورؐ غائب ہو گئے ۔ جب میری عمر 21 برس کی ہوئی میں نے قرافہ میں صبح کی نماز کی نیت باندھی تو میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے سامنے دیکھا پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے معانقہ فرمایا اور فرمایا اپنے رب کی نعمت بیان کر ۔

**۶: معجم شیخ برہان الدین بقاعی میں بیان ہوا ہے ۔**

قال حدثنی الامام ابوالفضل بن ابی الفضل النویری ان سید نور الدین الایجی والدالشریف عفیف الدین لما ورد الی روضۃ الشریفہ قال السلام علیک ایھاالنبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ سمع من کان بحضرتہ قائلا من القبر یقول وعلیک السلام یا ولدی

کہتے ہیں امام ابوالفضل النویری نے مجھ سے بیان کیا کہ سید نور الدین جب روضہ اطہرؐ پر حاضری دیتے تو کہتے السلام علیک ایھاالنبی صلی اللہ علیہ وسلم ۔ جو لوگ وہاں موجود ہوتے وہ قبر مبارک سے یہ آواز سنتے کہ وعلیک السلام یا ولدی ۔

**۷: حافظ محب الدین بن النجار نے اپنی تاریخ میں نقل کیا ہے جس کو علامہ سیوطی رحمتہ اللہ علیہ نے الحاوی للفتاوی صفحہ نمبر ۲۴۷ پر بیان فرمایا ہے ۔ کہ شیخ عبدالواحد بن عبدالملک نے بیان فرمایا کہ :**

حججت فزرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم فبینا انا جالس عند الحجرۃ اذادخل الشیخ ابوبکر الدیار بکری ووقف بازاء وجہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال السلام علیک یا رسول اللہ فسمعت صوتا من داخل الحجرۃ وعلیک السلام یا ابابکر وسمعہ من حضرہ

میں نے حج کیا ور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی جب میں روضہ اطہر کے پاس بیٹھا ہوا تھا - ابوبکر دیار بکری آئے اور مواجہ شریف کے سامنے کھڑے ہو کر کہا السلام علیک الخ میں نے روضہ اطہر کے اندر سے یہ آواز سنی وعلیک السلام الخ اور میرے علاوہ جو لوگ وہاں موجود تھے انہوں نے بھی یہ آواز سنی -

**۸: طبقات الشعرانی ۲۳۵ سید محمد شاذلی رحمتہ اللہ علیہ کے ترجمہ میں بیان کیا -**

وکان رضی اللہ عنہ کثیرالرویا لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وکان یقول قلت لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان الناس یکذبو ننی فی صحتہ رویتی لک فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من کذبک فیھا لایموت الایھودیا انصرانیا المجوسیا -

سید محمد شاذلی رحمتہ اللہ علیہ کثرت سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کیا کرتے تھے وہ کہتے ہیں کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ یا رسول اللہ وسلم! لوگ میری رویت کا انکار کرتے ہیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے تیری تکذیب کی وہ یہودی یا نصرانی یا مجوسی ہو کر مرے گا -

**۹: طبقات شعرانی ۲۵۲**

وکان ( ای شاذلی رحمتہ اللہ علیہ ) یقول رایت النبی صلی اللہ علیہ وسلم فسالہ عن الحدیث المشھور اذکراللہ حتی یقولوا مجنون ففی صحیح ابن حبان اکثروا من ذکر اللہ حتی یقولوا مجنون فقال صلی اللہ علیہ وسلم صدق ابن حبان فی روایتہ وصدق راوی اذکرواللہ فانی قلتھما معامرۃ قلت ھذا لمرۃ قلت ھذا



سید محمد شاذلی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی اور مشہور حدیث اذکرواللہ الخ کے متعلق پوچھا کہ ابن حبان نے اکثر وامن ذکر اللہ لکھا ہے تو حضور نے فرمایا کہ ابن حبان بھی سچا ہے اور پہلی حدیث کا راوی بھی سچا ہے میں نے ایک دفعہ وہ الفاظ کہے اور دوسری مرتبہ دوسرے الفاظ -

**پھر اسی صفحہ پر ہے کہ پھر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور میرے مابین حجاب حائل ہو گیا اور رویت ختم ہو گئی تھی -**

وکنت اشتغلت بقراۃ جماعۃ فی الفقہ دوقع بینی فبینھم جدال فی ادحاض حجج بعض العلماء فترکت الاشتغال بالفقہ فقلت یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الفقہ من شریعتک فقال بلی فلکن یحتاج الے ادب بین الائمۃ -

میں ایک جماعت کو فقہ پڑھانے میں مشغول تھا میرے اور ان کے درمیان بعض علماء کے دلائل کے بارے میں اختلاف واقع ہو گیا - میں نے فقہ کا مشغلہ چھوڑ دیا - پھر میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم! کیا فقہ کا علم آپ کی شریعت میں سے نہیں ؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیوں نہیں مگر فقہا کے دلائل کے رد کرنے میں ادب اور احتیاط لازم ہے -

**10: طبقات شعرانی ۲۹۱**

قال (ای عبداللہ بن ابی جمرہ) انا اجتمع بالنبی صلی اللہ علیہ وسلم یقظہ

عبداللہ بن ابی جمرہ فرماتے ہیں کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بیداری میں زیارت اور مجلس کرتا رہتا ہوں -

**۱ : طبقات ج۲ ۸۸**

فمنهم سيدنا شمس الدين الحنفی يقول رايت جدی رسول الله صلی الله عليه وسلم فی خيمة عظمة والاوليا يجيئون فيسلمون عليه واحد ابعد واحد

**۲: طبقات ج۲ ۲۷** فمنهم الشيخ مخلص . فلما حج فزارالنبی صلی الله عليه وسلم سمع ردالسلام من رسول الله صلے الله عليه وسلم

ان میں سے ایک شمس الدین حنفی ہیں - وہ فرماتے ہیں - میں نے اپنے جد بزرگوار یعنی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک بڑے خیمہ میں دیکھا اور دیکھا اولیاء کرام ایک ایک کر کے آتے ہیں - اور سلام عرض کرتے ہیں - ازاں جملہ شیخ مخلص ہیں - جب انہوں نے حج کیا اور روضہ المطہر پر حاضری دی تو حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم سے سلام کا جواب سنا -

**۳ : الیواقیت والجواہر ۳۲۵ میں**

فمنهم وطی يقول رايت رسول الله صلی الله عليه وسلم فی اليقظة بضعا وسبعين مرة فقلت له فی مرة منها هل انا من اهل الجنة يا رسول الله فقال نعم فقلت من غير عذاب يسبق فقال لک ذلک قال الشيخ العطيه وسالت الشيخ جلال الدين السيوطی مرة ان يجتمع بالسلطان الغوری فی ضرورة وقعت لی فقال لی يا عطيه انا اجتمع بالنبی صلی الله عليه وسلم يقظة واخشی ان اجتمعت بالغوری ان يحتجب صلی الله عليه وسلم عنی -



**۴ : الیواقیت والجواہر ۵۱ میں**

ازاںجملہ علامہ سیوطی رحمتہ اللہ علیہ ہیں وہ فرماتے ہیں - میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بیداری میں ستر سے زائد مرتبہ دیکھا - ایک مرتبہ میں نے عرض کیا یا رسول صلی اللہ علیہ وسلم کیا میں جنتی ہوں ؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں - پھر میں نے عرض کیا بغیر کسی عذاب کے ؟ فرمایا تمہارے لئے ایسا ہی ہے - شیخ علیہ کہتے ہیں - میں نے علامہ سیوطی سے ایک مرتبہ اپنی ایک ضرورت کے سلسلے میں سلطان غوری سے ملنے کو کہا تو علامہ سیوطی نے فرمایا کہ میں بیداری میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں حاضر ہوتا ہوں اگر میں سلطان غوری کی خدمت میں جاؤں تو مجھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے شرم آتی ہے -

وسئل الحافظ ابوعبد الله الذهبی عن قول الشيخ محی الدين ابن العربی رحمه الله فی كتابه الفصوص انه ماصنفه الاباذن من حضرت النبوية صلی الله عليه وسلم فقال الحافظ ماظن ان مثل هذا الشيخ محی الدين يكذب اصلامع ان الحافظ الذهبی كان من اشد المنكرين علی الشيخ وعلی طائفة الصوفية هو وابن تيمية -

علامہ ذہبی سے شیخ محی الدین ابن عربی کے اس قول کے متعلق سوال کیا گیا کہ " میں نے کتاب فصوص حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے تصنیف کی " حافظ ذہبی نے کہا میں یہ گمان نہیں کر سکتا کہ شیخ محی الدین جیسا شخص جھوٹ بولے حالانکہ علامہ ذہبی ایسے شخص ہیں جو ابن عربی اور صوفیاء کے سخت مخالف ہیں - وہ اور ابن تیمیہ دونوں شدید مخالفین میں سے ہیں -

اور طبقات شعرانی میں شیخ علامہ عبداللہ بن ابی جمرہ، سید شمس الدین حنفی!
الشیخ مخلص اور کئی دیگر اولیائے کرام کے حالات میں اس بات کا خاص طور پر
ذکر کیا گیا ہے کہ یہ حضرات حالت بیداری میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے
ساتھ کلام روحانی کیا کرتے تھے۔

اسی طرح الیواقیت والجواہر میں متعدد اولیائے کرام کے متعلق کلام بالارواح
کے سلسلے میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ان حضرات کی ملاقات
مکالمہ اور استفادہ کا ذکر کیا گیا ہے۔

اب ہم ایک ایسی ہستی کا ذکر کرتے ہیں جو اپنے یہاں خوب جانی پہچانی ہے
اور وہ ہیں حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی رحمتہ اللہ علیہ۔

تفہیمات الٰہیہ ۲۴۹

1: سالتہ صلی اللہ علیہ وسلم سوالا روحانیا عن معنی قولہ
کنت نبیا وآدم منجدل بین الماء والطین ففاض علی روحی من
روحہ الکریم الخ

۲ سالتہ صلی اللہ علیہ وسلم سوالا روحانیا عن معنی قولہ
کان فی عماء۔

۳۔ سالتہ صلی اللہ علیہ وسلم سوالا روحانیا عن التسبب
وترکھا ایھما احسن لی ففاض منہ صلے اللہ علیہ وسلم علی روحی
الخ

۴ سالتہ صلی اللہ علیہ وسلم سوالا روحانیا عن سر
تفضیل الشیخین علی علیؓ مع انہ اشرفھم نسبا واقضاھم حکما
واشجعھم جنانا والصوفیۃ اکثرھم ینتسبون الیہ ففاض علی قلبی
منہ صلے اللہ علیہ وسلم وجھین وجھا ظاھرا ووجھا باطنا فالوجہ
الظاھر اقامۃ العدل فی الناس وتالیفھم وارشادھم الی ظاہر الشریعۃ



وھمابمنزلۃ الجوارح فی ذلک والوجہ الباطن الی مراتب الفناء
والبقاء وعلوم الرویۃ کلھا انما تنبع من الوجہ الظاھر۔

تفہیمات الٰہیہ ۲۵۰۳

۱ میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کنت نبیا الخ حدیث کے معنی کے
متعلق روحانی طور پر سوال کیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے روح پر فتوح سے
میرے دل پر القا ہوا۔ الخ

۲ میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے "کان فی عماء" کے متعلق روحانی
طور پر سوال کیا۔

۳ میں نے حضور اکرمؐ سے روحانی طور پر سبب کے اختیار اور ترک کے متعلق
سوال کیا تو حضورؐ کی طرف سے میرے دل پر القا ہوا۔ الخ

۴ میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت علیؓ پر شیخینؓ کی تفضیل
کے راز کے متعلق روحانی طور پر عرض کیا کہ حضرت علیؓ نسب کے اعتبار سے
افضل ہیں۔ فیصلے کے اعتبار سے اقضی ہیں اور سب سے زیادہ شجاع ہیں اور صوفی
تمام کے تمام انہیں کی طرف منسوب ہیں۔ تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے
میرے قلب پر القا ہوا کہ میری نبوت کے دو پہلو ہیں ایک ظاہر ایک باطن ظاہری
پہلو کا تعلق لوگوں میں عدل قائم کرنا ان کی تالیف اور ان کی ہدایت کا سامان کرنا
ہے۔ اس معاملے میں وہ دونوں (شیخینؓ) میرے دست وبازو کی حیثیت رکھتے ہیں
اور باطنی پہلو کا تعلق فناو بقاء کے مراتب وغیرہ سے ہے۔ مگر ان سارے پہلوؤں
کا منبع اور ماخذ ظاہری پہلو ہے۔ یعنی شریعت ہے۔

سالتہ صلی اللہ علیہ وسلم سوالا روحانیا عن الشیعۃ
فاوحالی ان مذھبھم باطل فبطلان مذھبھم یعرف من لفظ الامام
ولماافقت عرفت ان الامام عندھم ھوالمعصوم المفترض الطاعۃ
الموحی الیہ وحیاباطنیا فھذا ھو معنی النبی فمذھبھم سیلزم

انکارختم النبوۃ:

تفہیمات الٰہیہ ۲۵۰:۲

میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے شیعہ کے متعلق روحانی طور پر سوال کیا ۔ حضورؐ نے فرمایا کہ ان کا مذہب باطل ہے اور اس کے بطلان کی وجہ لفظ "امام" سے ظاہر ہے ۔ جب میں نے غور کیا تو یہ راز مجھ پر کھلا کہ شیعہ کے نزدیک امام معصوم ہوتا ہے ۔ اور اس کی اطاعت فرض ہے ۔ اس پر باطنی وحی ہوتی ہے ۔ اور یہی اوصاف نبی کے ہوتے ہیں اس لئے ان کے عقیدہ سے انکار ختم نبوت لازم آتا ہے ۔

سئالتہ صلی اللہ علیہ وسلم عن هذه المذاهب وهذه الطرق ايهااولى عنده بالاخذفاحب ففاض على قلبى منه صلى الله عليه وسلم ان المذاهب والطرق كلها سواء فلافضل لواحد على الاخر ۔

میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ان مذاہب (مذاہب اربعہ) چار سلسلوں (تصوف) کے متعلق سوال کیا کہ ان میں سے افضل کون سا ہے اور آپ کو سب سے زیادہ پسند کون سا ہے ۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے مجھ پر القا ہوا کہ تمام مذاہب اور تمام سلسلے یکساں ہیں ۔ اور کسی کو کسی پر فضیلت نہیں ۔

تفہیمات الٰہیہ میں حضرت شاہ ولی اللہ رحمتہ اللہ علیہ کے بیسیوں واقعات درج ہیں جن سے اس حقیقت کا اظہار ہوتا ہے کہ آپ نے بے شمار علمی اور دینی مسائل میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی روح پر فتوح سے استفادہ کیا جس کا واحد ذریعہ کلام بالارواح تھا ۔

اس کے بعد زمانی اعتبار سے اور قریب آجایئے ۔

نقش حیات مدنی صفحہ ۱۰۷ اور شیخ الاسلام نمبر صفحہ ۱۶۱ ۔

" مواجہ شریفہ میں جب کہ آپ بیدار ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی



زیارت اس طرح ہوتی ہے کہ آپ میں اور ذات اقدس سرورکائنات صلی اللہ علیہ وسلم میں کوئی حجاب کسی قسم کا نہیں ہے ۔ "

" اور شیخ الاسلام نمبر صفحہ 164 پر مولانا رشید احمد صدیقی بیان کرتے ہیں :

کہ حضرت مدنی نے تقریبا دوبجے شب راقم الحروف اور چوہدری محمد مصطفے انسپکٹر مدارس کو طلب فرمایا دونوں فورا حاضر ہوئے ارشاد فرمایا کہ بھائی اصحاب باطنی نے ہندوستان کی تقسیم کا فیصلہ کر دیا اور ہندوستان کی تقسیم کے ساتھ بنگال اور پنجاب کو تقسیم کر دیا ۔ راقم الحروف نے عرض کیا کہ اب ہم لوگ جو تقسیم کے مخالف ہیں کیا کریں ۔ آپ نے فرمایا کہ ہم لوگ ظاہر کے پابند ہیں اور جس بات کو حق سمجھتے ہیں اسکی تبلیغ پوری قوت سے کریں گے ۔ "

بلغتہ الحیران صفحہ ۸ مولانا حسین علی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں ۔

رايت رسول الله صلى الله عليه وسلم عانقنى وذهب بى فى معانقة على الصراط ( اى پلصراط ) رايت ان رسول الله صلى الله عليه وسلم كتب لى ضمينة ختم عليه بيده المبارك وكان معه اكثر الاكابردعوت عندبيت الله الحرام ثم جئت عند رسول الله صلى الله عليه وسلم فقلت الصلوة والسلام عليک يا رسول الله فعانقنى صلى الله عليه وسلم وعلمنى اللطائف والاذكار فرايته انه يسقط فامسكته واعصمته عن السقوط فقمدت عند مزار الامام الربانى فقال لى فى المكاشفه بيان مسئله التوحيد اعلى درجة عن السلوک و رايت الانبياء كلهم من آدم الى نبينا صلى الله عليه وسلم كلهم ينادون باعلى نداء ان من دعا غيرالله تعالے معتقدا انه يعلم ويسمع فهو كافر ۔

> میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی آپ نے مجھے بغل میں لے لیا اور پل صراط پر چل دیئے - میں نے دیکھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے لئے ضمانت نامہ لکھا اور اپنے دست مبارک سے اسپر مہر لگائی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بت سے اکابر تھے میں نے بیت اللہ کے پاس دعا کی پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوا - میں نے سلام عرض کیا - حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے معانقہ فرمایا اور مجھے لطائف واذکار سکھائے اور میں نے دیکھا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم گرنے لگے ہیں - میں نے حضور کو تھام لیا اور گرنے سے بچالیا اور میں امام ربانی رحمتہ اللہ علیہ کے مزار پر بیٹھا تھا - آپ نے مکاشفہ میں فرمایا - سلوک سے بھی اونچا درجہ مسئلہ توحید کا بیان ہے - اور میں نے حضرت آدم سے لیکر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تک تمام انبیاء کی زیارت کی تمام انبیاء کرام علیھم السلام نہایت بلند آواز سے فرمارہے ہیں کہ جو شخص غیر اللہ کو اس عقیدے کے ساتھ پکارے کہ وہ جانتا اور سنتا ہے وہ کافر ہے -

ان اقتباسات سے یہ بات واضح ہو گئی کہ کلام بالارواح کی اصل شریعت میں موجود ہے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحیح جانشینوں کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ میراث بطور انعام باری ملتی رہی ہے - اور ایسے لوگ ہر دور میں موجود رہے ہیں

معلوم ہوا کہ کلام بالارواح کی اصل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنھم سے اس پر عمل کرنے کی کثیر مثالیں ملتی ہیں - طوالت کے خوف سے یہاں ذکر نہیں کیا گیا - پھر اولیاء کرام کی مقدس جماعت نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور اور صحابہؓ کی اس سنت پر عمل کیا - یہ



سنت مدت سے قریبا مردہ ہو چکی تھی جس نے اس مردہ سنت کا احیاء کیا - وہ تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق سو شہیدوں کے ثواب کا مستحق ہے اس کے برعکس جو لوگ اس کا انکار کرتے ہیں وہ درحقیقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کا انکار کرتے ہیں - صحابہؓ کے عمل اور ان کی فضلیت کا انکار کرتے ہیں اور اولیائے کرام کی مقدس جماعت جس کی تعداد سینکڑوں نہیں بلکہ ہزاروں تک پہنچتی ہے ان کا انکار کرتے ہیں اور ان پر طعن کر کے اپنی عاقبت خراب کرتے ہیں رہا یہ سوال کہ ایسے منقول واقعات کی حیثیت کیا ہے ؟ کیا ان سے استدلال کیا جا سکتا ہے اس سلسلے میں مولانا عبدالحی لکھنوی رحمتہ اللہ علیہ کی تحقیق کا ماحصل قابل غور ہے :

ان الذاکرین لھذہ المناقب لیسوامن لایعتمد علیہ الممن لایکون حجۃ فی النقل بل ائمۃ الاسلام عمد الانام الذین یرجع الی اقوالھم فی المھمات فتجعل اخبارھم من القطعیات کابی نعیم ' وابن کثیر والسمعانی وابن حجر المکی وابن حجر العسقلانی والسیوطی وعلی القاری لشمس العلماء الکردی والنووی ' وعبدالوھاب الشعرانی لشیخ الاسلام الذھبی ومن یحذ حذوھم افتری ھولاء قدرجوافی تصانیفھم مایری انہ کذب اواعتمد واعلی نقل ماینقلہ ارباب الکذب کلا واللہ ھم ائمۃ محتاطون لایناقشون فیمایکتبون فان شککت فی ذلک فارجع الی الطبقات ینکشف لک احوال صدق ھولاء الثقات ...وان وقوع مثل ھذا وان استبعد من العوام لکن لایستبعد ذلک من اھل اللہ تعالٰی فانھم اعطوامن ربھم قوۃ ملکیۃ وصلوابھا الی ھذہ الصفات لاینکرہ الامن ینکر صدورالکرامات وخوارق العادۃ ...والجاھل المتعسف لاینفعہ شیئی وان طولنا ھنالک ...فان شک فی ذلک شاک علم قطعا انہ متعصب خارج من حدالخطاب لایلیق معہ الاالزجر والعتاب -

یہ ناقلین حضرات ایسے نہیں کہ ان پر اعتماد نہ کیا جائے اور ایسے نہیں کہ ان کی نقل کو حجت قرار نہ دیا جائے بلکہ وہ ائمہ اسلام ہیں اور لوگوں کے لئے ستون ہیں یہ ایسے لوگ ہیں کہ اہم امور میں ان کے اقوال کی طرف رجوع کیا جاتا ہے اور ان کے بیان کو قطعیت کا درجہ حاصل ہے - جیسے ابونعیم رحمتہ اللہ علیہ' ابن کثیر رحمتہ اللہ علیہ ' سمعانی رحمتہ اللہ علیہ' ابن حجر مکی رحمتہ اللہ علیہ ' ابن حجر عسقلانی رحمتہ اللہ علیہ ' علامہ سیوطی رحمتہ اللہ علیہ ' ملا علی قاری رحمتہ اللہ علیہ ' شمس العلماء کردی رحمتہ اللہ علیہ ' نووی رحمتہ اللہ علیہ اور



عبدالوہاب الشعرانی رحمتہ اللہ علیہ اور شیخ الاسلام ذہبی رحمتہ اللہ علیہ اور اسی پایہ کے لوگ ہیں - کیا تمہارا خیال ہے کہ ان حضرات نے اپنی تصانیف میں جھوٹ ملا دیا ہے یا جھوٹے لوگوں کی نقل پر اعتماد کر بیٹھے ہیں - خدا کی قسم ایسا ہرگز نہیں وہ امام ہیں بڑے محتاط ہیں اور جو لکھ دیتے ہیں اس میں مناقشہ نہیں کیا جاتا اور تجھے اس میں شک ہو تو طبقات کی طرف رجوع کر تجھ پر ان معتبر حضرات کی صداقت کھل جائے گی - عوام سے تو ایسی باتوں کا امکان ہے - لیکن ان اہل اللہ سے ان باتوں کا امکان نہیں کیونکہ انہیں اپنے رب کی طرف سے قوت ملکیہ عطا ہوئی ہے اور اس قوت کی وجہ سے ان صفات تک پہنچے ان کا انکار صرف وہی کرتا ہے جو کرامات کے صدور کا منکر ہو اور جہاں تک جاہل متعصب کا تعلق ہے اسے کوئی چیز فائدہ نہیں دے سکتی - اگر کوئی اس امر میں شک کرے تو وہ قطعی طور پر متعصب ہے وہ اس قابل نہیں کہ اس سے گفتگو کی جائے وہ تو زجرو توبیخ کے لائق ہے -

علامہ سیوطی رحمتہ اللہ علیہ نے بھی ابن ابی جمرہ رحمتہ اللہ علیہ کے حوالہ سے اسی قسم کا خیال ظاہر کیا ہے - الحاوی للفتاوی ۲۴۳/۱

قال (ای ابن ابی جمرہ) والمنکر لھذا لایخلو اماان یصدق بکرامات الاولیاء اویکذب بھا فان کان ممن یکذب بھا فقد سقط البحث معہ فانہ یکذب ماأثبتہ السنۃ بالدلائل الواضحۃ وان کان مصدقا بھا فھذہ من ذلک القبیل لان الاولیاء یکشف لھم بخرق العادۃ عن اشیاء فی العالمین العلوی والسفلی عدیدۃ فلاینکر ھذا مع التصدیق بذالک

پھر صفحہ ۱۰۲ پر فرماتے ہیں

ابن ابی جمرہؒ فرماتے ہیں کہ اس کا منکر یا تو کرامات اولیاء کی تصدیق کرتا ہے یا تکذیب۔ اگر تکذیب کرتا ہے تو اس سے بحث فضول ہے کیونکہ وہ اس حقیقت کو جھٹلا رہا ہے جو سنت سے واضح دلائل سے ثابت ہے اور اگر وہ تصدیق کرنے والا ہے وہ اسی قبیل سے ہے۔ کیونکہ اولیاء پر تو عالم سفلی اور علوی سے خرق عادت کے طور پر بیشمار چیزیں منکشف ہوتی ہیں اور اس تصدیق کے ساتھ انکار جمع نہیں ہو سکتا۔

وان اعتبر مثل ھذالشک ارتفع الامان عن کتب التواریخ واسماء الرجال فانھم یکتبون

پھر صفحہ نمبر۱۰۲ پر فرماتے ہیں۔

اگر اس قسم کا شک معتبر قرار دیا جائے تو تاریخ اور اسماء رجال کی کتابوں سے اعتبار اٹھ جاتا ہے۔ کیونکہ انہوں نے یہ واقعات لکھے ہیں۔

اور الرفع والتکمیل کے صفحہ ۶۳ پر فرماتے ہیں۔

فمن زعم ان الناس اتفقواعلی الخطاء فی ذلک فھوالئی بالخطاء منھم فلولا جواز الاعتماد ذلک لتعطل کثیر من المصالح قلت من کذب العلماء المتقدمین فھو اکذب الکاذبین۔

اگر کسی کو یہ خیال ہو کہ ان حضرات نے غلط باتوں پر اتفاق کر لیا ہے تو وہ خود ایک بہت بڑی غلطی کا شکار ہے اگر ان حضرات پر اعتماد نہ کیا جائے تو بے شمار امور میں تعطل پیدا ہو جاتا ہے۔ میں کہتا ہوں جو علماء متقدمین کی تکذیب کرتا ہے وہ بہت بڑا کذاب ہے۔



ان حضرات کی تحقیق کا خلاصہ یہ ہے کہ کشف قبور اور کلام بالارواح کا انکار کرنا نری جہالت ہے ایسا منکر اس قابل نہیں کہ علمی سطح پر اس سے کوئی گفتگو کی جائے۔

اس سلسلے میں ایک پہلو ابھی تشنہ ہے کہ یہ نعمت صرف مخصوص حضرات کو ہی کیوں عطا کی جاتی ہے۔

اس کی حکمت حافظ ابن قیم نے بیان فرمائی ہے۔(کتاب الروح صفحہ ۸۱)

فاذاشاء اللہ سبحانہ ان یطلع علی ذلک بعض عبیدہ اطلعہ وغیبہ عن غیرہ اذلواطلع العباد کلھم لزالت کلمۃ التکلیف والایمان بالغیب فلماتدافن الناس کمافی الصحیحین عنہ صلی اللہ علیہ وسلم لولا تدافنوالدعوت اللہ ان یسمعکم من عذاب القبرمااسمع

جب اللہ تعالی اپنے بعض بندوں کو (عذاب قبر) پر مطلع کرنا چاہے کر دیتا ہے۔ اور بعض بندوں سے پوشیدہ رکھتا ہے کیونکہ اگر تمام لوگوں کو مطلع کر دے تو مکلف ہونے اور غیب پر ایمان لانے کا سوال اٹھ جائے اور لوگ دفن کرنا چھوڑ دیتے جیسا کہ صحیحین میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر تم دفن کرنا نہ چھوڑ دیتے تو میں اللہ سے دعا کرتا کہ تمہیں عذاب قبر سنا دیتا۔ جیسا کہ میں سنتا ہوں۔

اور صفحہ نمبر۸۴ پر فرماتے ہیں۔

فرؤیۃ ھذالنار فی القبر کرؤیۃ الملائکۃ والجن تقع احیانا لمن شاء اللہ ان یرید ذلک۔

قبر میں جہنم کی آگ کا دیکھنا ایسا ہی ہے جیسا ملائکہ اور جنوں کو دیکھنا - جب اللہ چاہے کبھی کبھی دکھا دیتا ہے -

اور صفحہ ۸۱ پر فرماتے ہیں -

وقدرة الرب تعالی اوسع واعجب من ذالک وقدارانااللہ من آیات قدرتہ فی ھذہ الدارماھو اعجب من ذالک بکثیر فلکن النفوس مولعۃ بالتکذیب بمالم تحط بہ علماالامن وفقہ اللہ تعالی وعصمہ ....فلیس مع الزنادقۃ والملاحدۃ الامجرد تکذیب الرسول -

اور اللہ تعالے کی قدرت اس سے بھی وسیع اور عجیب ہے اس نے اس دنیا میں ہمیں اپنی قدرت کی ایسی کثیر نشانیاں دکھائی ہیں جو اس سے بھی بڑھ کر عجیب ہیں - لیکن انسان جن باتوں کا علم نہیں رکھتا - ان کی تکذیب کی احمقانہ جرأت کر بیٹھتا ہے - ہاں اللہ تعالےٰ جسے اپنے فضل سے بچالے۔زندیق اور ملحد ' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کے سوا کر ہی کیا سکتے ہیں -

اور علامہ ابن حجر عسقلانیؒ نے اس کی حکمت یوں بیان فرمائی ہے -(فتح الباری) ۳ ؛ ۱۵۲

والظاہران اللہ تعالی صرف ابصار العباد واسماعھم عن مشاھدۃ ذالک وسترہ عنھم ابقاء علیھم لئلا یتد فنواالیست للجوارح الدنیویۃ قدرۃ علی ادراک امور الملکوت الامن شاء اللہ تعالی -

اور ظاہر ہے کہ اللہ تعالےٰ نے ان چیزوں کے مشاہدہ سے عام لوگوں کی نگاہ کو روکے رکھا ہے ایسا نہ ہو کہ وہ دفن کرنا ہی چھوڑ دیں اور ان مادی اعضاء کو یہ قدرت ہی نہیں دی گئی کہ عالم ملکوت کے امور کا مشاہدہ کر سکیں -



**فوائد:** حافظ ابن قیم کے بیان سے چند امور کی وضاحت ہوتی ہے:

۱: عذاب وثواب قبر کے متعلق اللہ تعالے اپنے خاص خاص بندوں کو مطلع فرماتے ہیں -

۲: عوام کو مطلع نہ کرنے میں حکمت یہ ہے کہ اس دارا لتکلیف میں ایمان بالغیب کا سوال اٹھ جاتا اور لوگ ڈر کے مارے مردوں کو دفن کرنا ہی چھوڑ دیتے -

۳: عذاب وثواب قبر کا تعلق عالم ملکوت سے ہے عالم کونی سے نہیں لہذا کشف قبور کشف کونی نہیں جن حضرات نے اسے کشف کونی کہا ہے انہوں نے ٹھوکر کھائی ہے -

۴: کشف قبور میں اموات اور عذاب وثواب کو دیکھنا ایسا ہی ہے جیسے جنات اور ملائکہ کو دیکھنا - کیونکہ روح اور عذاب وثواب قبر بھی لطیف اور جنات وملائکہ بھی لطیف ہیں -

۵: عذاب وثواب قبر بھی ملکوت سے ہے اور عالم ملکوت کی چیزیں مادی آنکھوں سے نہیں دیکھی جا سکتیں اور باتیں مادی کانوں سے نہیں سنی جاسکتیں - بلکہ اس کا ذریعہ قلب اور روح کی آنکھیں اور کان ہیں اور یہ خاص اولیاء اللہ کو عطا ہوتی ہیں اس لئے کشف قبور اور کلام بالارواح اللہ کے خاص بندوں کا حصہ ہے -

۶: کشف قبور اور کشف ملائکہ کا انکار صرف ملحدین ' زندیق اور مکذبین رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہی کرتے ہیں -

گزشتہ صفحات میں اولیائے کرام کے متعدد واقعات درج کئے گئے ہیں کہ انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مکالمہ یا معانقہ یا مصافحہ کیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے استفادہ کیا - اس سلسلے میں علامہ سیوطی رحمتہ اللہ علیہ کا ایک قول پیش کر دینا ضروری ہے جو قول فیصل کی حیثیت رکھتا ہے ( الحاوی للفتاوی ۲ : ۲۵۳ )-

فحصل من مجموع هذه النقول والاحاديث ان رسول الله صلى الله عليه وسلم حی بجسده وروحه وانه يتصرف ويسير حيث يشاء فی اقطار الارض وفی الملکوت وهو بهيئته التی کان عليها قبل وفاته لم يتبدل منه شئی وانه مغيب عن الابصار کما غيبت الملائکة مع کونهم احياء باجسادهم فاذا اراد الله رفع الحجاب عمن اراد اکرامه برؤيته راه علیٰ هيئته التی هو عليها لا مانع من ذلک ولاداعی الی التخصيص برؤية المثال۔

ان ساری احادیث اور منقولات کا ماحصل یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے جسد اور روح کے ساتھ زندہ ہیں آپ زمین کے جس حصے میں اور عالم ملکوت میں جانا چاہیں جا سکتے اور تصرف کرسکتے ہیں جیسا زندگی میں کر سکتے تھے۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسی ہیئت میں زندہ ہیں جس ہیئت میں قبل ازوفات تھے اس میں تغیر نہیں آیا اور آپ ایسے ہی پوشیدہ ہیں جیسے ملائکہ جو کہ زندہ ہیں۔ جب اللہ چاہے اور جس شخص کے لئے حجاب اٹھادیتا ہے اور اسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف کرتا ہے اور وہ شخص حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی ہیئت پر دیکھتا ہے اس میں کوئی مانع نہیں اور عالم مثال سے اس رویت کا کوئی تخصص نہیں۔

الحاوی للفتاوی ۲۶۴/۲

قلت اظهر من هذاان يحمل علی الحالة التی تعتری ارباب الاحوال ويشاهدون فيها مايشاهدون ويسمعون مايسمعون فالصحابة رضی الله عنهم هم رؤس ارباب الاحوال۔

میں کہتا ہوں اس سے ظاہر ہے کہ ارباب حال کو یہی حالت پیش



آتی ہے اور اسی حالت میں مشاہدہ کرتے ہیں اور سنتے ہیں جو سنتے ہیں اور صحابہ کرامؓ تو ارباب حال کے سردار ہیں۔

علامہ سیوطی رحمتہ اللہ علیہ کے قول سے کئی فوائد حاصل ہوتے ہیں:

۱: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم روح مع الجسد کے زندہ ہیں۔

۲: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حیات ایسی ہے کہ عوام کی نگاہ سے اوجھل ہیں۔ جیسے ملائکہ زندہ ہیں مگر عوام کی نگاہ سے اوجھل ہیں۔

۳: جب اللہ تعالےٰ اپنے کسی خاص بندے کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کرانا چاہتا ہے تو وہ حجاب اٹھادیتا ہے۔

۴: اس رویت میں صورت مثالی کی تخصیص نہیں۔

۵ : یہ ساری باتیں ان احادیث اور علمائے ربانی اور اولیائے کرام سے منقول واقعات کا ماحصل ہے جو اس سلسلے میں مختلف کتابوں میں محفوظ ہیں اور ہم تک پہنچی ہیں۔

اس کے باوجود اس حقیقت کے انکار میں جو آوازیں اٹھ رہی ہیں یا اٹھائی جارہی ہیں اس کا سبب کیا ہے ؟ سید محمد حریری بیوتی نے اپنی کتاب الروح وماہیتہا صفحہ 46 پر بیان کیا ہے:

وانماالناس ينكرون هذه الكرامات لكثافة حجابهم فتلبسهم بالذنوب فتعلقهم بالدنيا وانهم يريدون الاطلاع علیٰ اسرار الاولياء مع استحالة ذلک لماهم فيه اخص بالذکرمنهم جفاة العلماء المتمسکين بالعرض الدنيوی الزائل الاشحاء بطبعهم المتماکثين علی ابواب الحکام والامراء يريدون ان يرواهذه الا سرار بنفوسهم الملوثة فلما لم يصلوا الی شئی منها ينکرون الکرامات ويحصرونها فی علمهم الظاهری المحدود وکلهم افعالهم شروو بال علیٰ انفسهم

وعلی الناس فھم کبنی اسرائیل یومنون بالانبیاء علیھم الصلوۃ والسلام فلما یرفنھم ینکرون جحدا اوحسدا اوبغضا اعاذنا اللہ منھا۔

لوگ ان کرامات کا انکار بوجہ حجاب کی کثافت، گناہوں کی آلودگی اور دنیا سے تعلق کے کرتے ہیں - اس کے باوجود وہ چاہتے ہیں کہ اولیاء کے اسرار سے مطلع ہو جائیں جو محال ہے ان منکرین میں ان ظالم علماء کا ذکر خصوصیت سے آتا ہے جو عارضی دنیوی اغراض سے چپٹے ہوئے ہیں جو حریص الطبع ہیں اور حکام اور امراء کے دروازوں پر جبہ سائی کر رہے ہیں - پھر چاہتے ہیں کہ ان اسرار کو دیکھ لیں حالانکہ ان کے نفوس ان آلودگیوں سے ملوث ہیں جب انہیں یہاں تک رسائی نہیں ہو سکتی تو کرامات اولیاء کا انکار کر دیتے ہیں اور اسے محدود علم ظاہری میں محصور سمجھتے ہیں وہ سب کے سب یا غالب اکثریت اپنی جانوں کے لئے، اور دوسرے لوگوں کے لئے شر اور وبال ہیں اور وہ بنی اسرائیل کی مانند ہیں جو انبیاء علیہم السلام پر ایمان لاتے ہیں - مگر جب انہیں دیکھتے ہیں جحود، حسد اور بغض کی وجہ سے انکار کر دیتے ہیں - اللہ تعالی ہمیں محفوظ رکھے -

طبقات شعرانی ۲؍۵۷ حضرت شاذلی رحمتہ اللہ علیہ کا فرمان:

رأیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال لی عن نفسہ لست بمیت وانما موتی عبارۃ عن تستری عمن لایفقہ عن اللہ تعالے فامامن یفقہ عن اللہ فھاانا اراہ ویرانی

میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی مجھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود فرمایا میں مردہ نہیں ہوں میری موت عبارت ہے اس شخص سے پوشیدہ ہونا جس کو اللہ کی طرف سے



بصیرت حاصل نہیں اور جسے اللہ تعالی بصیرت دے تو میں اسے دیکھتا ہوں اور وہ مجھے دیکھتا ہے -

اور تفسیر جمل (۴؍۳۰۲)

قال القرطبی والذی یزیح الاشکال ماقالہ بعض مشائخنا ان الموت لیس بعدم محض بالنسبۃ بالانبیاء علیھم الصلوۃ والسلام والشھداء فانھم موجودون احیاء وان لم نراھم۔

قرطبی کہتے ہیں کہ وہ جواب جو اشکال کو زائل کر دیتا ہے - وہ بات ہے جو ہمارے بعض مشائخ نے فرمائی ہے کہ موت بہ نسبت انبیاء اور شہداء کے عدم محض نہیں کیونکہ وہ زندہ موجود ہیں اگرچہ ہم نہیں دیکھتے -

اسی طرح کتاب الروح: صفحہ ۴۳

ان موت الانبیاء انما ھو راجع الی ان غیبوا عنا بحیث لاتدرکھم وان کانوا موجودین احیاء وذلک کالحال فی الملائکۃ فانھم احیاء موجودون ولانراھم -

ابن قیمؒ نے فرمایا انبیاء کی موت اس کے علاوہ کچھ نہیں کہ وہ ہم سے غائب کئے گئے ہیں - اس حیثیت سے کہ ہم انہیں نہیں دیکھتے اگرچہ وہ موجود ہیں زندہ ہیں اور یہ زندگی ان کی مثل فرشتوں کے ہے پس وہ فرشتے زندہ ہیں موجود ہیں اور ہم انہیں نہیں دیکھتے -

اور آخر میں صاحب روح المعانی کا ایک قول سن لیجئے - کرامات اولیاء کا بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

وھذا امر مقرر عندالسادۃ الصوفیۃ مشھور فیما بینھم نحو غیرطی المسافۃ فانکار من ینکر کلا منھا علیھم مکابرۃ لاتصدر الامن جاھل المعاند -
(روح المعانی ۳؍۳۲)

اور یہ بات بڑے بڑے صوفیوں میں مشہور ہے اور درست اور
یہ مسافت کو طے کئے بغیر ہے اور جو شخص اس کا انکار کرتا ہے وہ
صرف اپنی بڑائی جتانے کے لئے ایسا کرتا ہے اور یہ حرکت صرف
ایک جاہل اور دشمن ضدی ' عنادی ہی کر سکتا ہے ۔

علماء میں بھی ایسے لوگ موجود ہیں جو اختلاف رائے رکھنے کے باوجود حق و انصاف کا دامن ہاتھ سے نہیں جانے دیتے مثال کے طور پر ایک واقعہ پیش کیا جاتا ہے ۔
26 نومبر 1971ء مطابق 7شوال المکرم موضع چکڑالہ میں قاضی شمس الدین صاحب تشریف لے گئے ۔ مسجد غازی خیل میں بعد جمعہ انہوں نے تقریر فرمائی ۔ سینکڑوں کا مجمع تھا ۔ موافق و مخالف سب موجود تھے ۔ قاضی صاحب کو حاجی عبداللہ اور مولوی سلیمان صاحب نے دعوت دی تھی ۔ مولوی صاحب نے ہماری کتاب آسرار الحرمین " قاضی صاحب کے سامنے میز پر رکھ دی ۔ غرض یہ تھی کہ قاضی صاحب اس کتاب کے خلاف تقریر فرمائیں اور ان کے عقیدہ انکار کرامات اولیاء کو تقویت پہنچے گی ۔ قاضی صاحب نے کتاب کی تصدیق اور تائید کرتے ہوئے ایک غلطی کی نشاندہی کی کہ کتاب میں حضرت فاطمہ الزہراء رضی اللہ تعالی عنہا کا مکالمہ درج ہے جو روحانی طور پر ہوا ۔ اس میں حضرت فاطمہؓ کے کلام میں ایک لفظ " شکیت " درج ہے مگر لفظ " شکوت " ہونا چاہئے ۔ کیونکہ صحیح عربی لفظ یہی ہے اور حضرت فاطمہؓ تو فصحائے عرب میں سے تھیں ۔ مگر قاضی صاحب نے ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ میں نہیں کہہ سکتا کہ مولانا کو کلام کے سمجھنے میں غلطی ہوئی یا کاتب سے سہو ہوا ۔ اس کے علاوہ باقی کتاب بالکل صحیح ہے اس میں شک کرنے کی کوئی وجہ نہیں پھر اپنا واقعہ بیان کیا میں مولانا حسین علی صاحب رحمتہ اللہ علیہ



کے پاس موجود تھا ۔ محمد طاہر پنج پیری اور ایک اور شخص بھی موجود تھا کہ آپ کا لانگری نور محمد کشمیری روتا روتا آیا ہاتھ میں ایک خط تھا مولانا نے وجہ پوچھی تو کہا کہ حضرت میری والدہ فوت ہو گئی ہے ۔ مولانا نے یہ بات سن کر تھوڑی دیر کے لئے آنکھیں بند رکھیں اور فرمایا کہ تمہیں کسی نے دھوکا دیا ہے ۔ تمہاری ماں زندہ ہے اور اس وقت اپنے گھر کے صحن میں جھاڑو دے رہی ہے لیکن دیکھنا یہ بات میری زندگی میں کسی کو نہ بتانا پھر نور محمد گھر گیا تو واقعہ ہو بہو ایسا ہی پایا جیسے مولانا نے اپنے کشف سے فرمایا تھا ۔

قاضی صاحب نے اپنی تقریر میں یہ بھی فرمایا کہ میں 24 سال تک مولانا حسین علی رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت میں اس فن کی تحصیل کے لئے حاضر ہوتا رہا ۔ مگر میری قسمت میں نہیں تھا مجھے حاصل نہ ہو سکا ۔ مگر اپنی محرومی کی وجہ سے اصل شے کا انکار کر دینا کہاں کی دانائی ہے ۔ صوفیہ کے منازل سلوک کے متعلق کتابوں کے حوالے پیش کروں مگر وقت کی قلت مانع ہے البتہ صوفیاء کو اپنے منازل کا اظہار نہیں کرنا چاہئے ۔ کیونکہ ان کو نقصان ہوتا ہے اس پر مولوی محمد سلیمان صاحب نے کہا کہ صوفیہ تو ظاہر کر دیتے ہیں ۔ قاضی صاحب نے فرمایا کہ بعض ایسے منازل ہیں کہ سالک ان مقامات سے آگے ترقی کر جائے تو اسے کوئی نقصان نہیں ہوتا ۔

## ۲۱

# آدابِ مُریدینؒ مع الشیخؒ

حضورؐ کی مجلس میں صحابہ کرامؓ کی حالت۔

صحابہؓ اور اطاعتِ رسولؐ۔

صحابہؓ اور تعظیمِ نبویؐ۔

صحابہؓ اور محبّت رسولؐ۔

صحابہ کرامؓ کا باہمی حفظِ مراتب۔

تصوّف وسلوک ادب ہی ادب ہے۔

اخذِ فیض کے لئے آداب۔

# آدابِ مُریدین مع الشیخ

زندگی یوں تو گزر ہی جاتی ہے مگر سلیقہ سے گزاری جائے تو اس کا لطف اس کے ثمرات اور اس کی کیفیت کچھ اور ہی ہوتی ہے ' اسی طرح ہر کام کے کرنے کا سلیقہ ہوتا ہے ' کچھ آداب ہوتے ہیں ' انہیں ملحوظ رکھا جائے تو مطلوبہ فوائد حاصل ہونے کی توقع یقینی ہوتی ہے ۔ تعلیم و تربیت ایک ایسی بڑی مہم ہے ۔ جو اپنی جگہ نازک بھی ہے اور مسلسل جدوجہد کی متقاضی بھی ۔ اس میں ذرا سی بے احتیاطی عظیم نقصان کا سبب بن سکتی ہے ۔ اسی وجہ سے اللہ تعالےٰ نے مسلمانوں کو اپنے محسن اعظم اور مربی اعظم صلی اللہ علیہ وسلم سے تعلیم و تربیت حاصل کرنے کے سلسلے میں اہم ہدایات دینے کا اہتمام فرمایا ہے ' ارشاد ہوتا ہے:

یاایھاالذین اٰمنوا لاترفعوا اصواتکم فوق صوت النبی ولاتجھروا لہ بالقول کجھر بعضکم لبعض ان تحبط اعمالکم وانتم لاتشعرون۔

ان الذین ینادونک من ورآء الحجرات اکثرھم لایعقلون ۔ ولوانھم صبروا حتی تخرج الیھم لکان خیرالھم ۔ الخ

اے ایمان والو ! اونچی نہ کرو اپنی آوازیں نبیؐ کی آواز کے اوپر ' اور اس سے نہ بولو تڑک کر ' جیسے تڑکتے ہو ایک دوسرے پر ' کہیں اکارت ہو جائیں تمہارے اعمال اور تمہیں خبر نہ ہو ۔

جو لوگ پکارتے ہیں تجھ کو دیوار کے باہر سے ' وہ اکثر عقل نہیں رکھتے ۔ اور اگر وہ صبر کرتے ' جب تک تو نکلتا ان کی طرف ' تو ان کو بہتر تھا ۔

ان آیات کے تحت الابریز صفحہ ۲۴۳ اور عوارف المعارف ۱: ۵۹ پر لکھا ہے کہ :



ھکذا اداب المرید فی مجلس الشیخ ان یکون مسلوب الاختیار لایتصرف فی نفسہ ومالہ الابمراجعۃ الشیخ وامرہ۔

شیخ کی مجلس میں مرید کو چاہئے کہ ان آداب کو ملحوظ رکھے ۔ شیخ کے سامنے اپنے اختیار سے دست بردار ہو جائے ۔ اپنی جان اور مال میں شیخ کے مشورہ اور حکم کے بغیر تصرف نہ کرے ۔

شیخ کا کام بہ نیابت نبوت اپنے شاگردوں کی روحانی تربیت اور تزکیہ کرنا ہوتا ہے ' اور شاگردوں کا کام صحابہ کرامؓ کے اتباع میں حصول فیض ہوتا ہے ۔ اس لئے تصوف وسلوک میں یہی آداب اصل اور سند کی حیثیت رکھتے ہیں چنانچہ فرمایا :

فللقوم فی ذلک اقتداء واتباع برسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم واصحابہ فمن صح اقتداءٗ واتباعہ برسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم احبہ اللہ تعالےٰ کماقال قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ ۔

اور صوفیائے کرام اس مسئلہ میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ کی اتباع کرتے ہیں ' اور جس شخص نے صحیح طور پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کی وہ خدا کا محبوب بن گیا ۔ جیسا کہ اللہ تعالےٰ فرماتے ہیں ۔ " اے میرے حبیب ' یہ بات برملا کہہ دو کہ اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری اتباع کرو ' اللہ تم سے محبت کرنے لگے گا ۔ "

اس اتباع اور اس کے ثمرات کی صحیح تفسیر صحیحین میں یوں ملتی ہے :

ماتقرب الی عبدی بمثل ماافترضت علیہ فلایزال عبدی یتقرب الی بالنوافل حتی احبہ فاذااحببتہ کنت سمعہ الذی یسمع بہ وبصرہ الذی یبصربہ ویدہ التی یبطش بھا فبی یسمع فبی یبصر فبی یبطش فبی یمشی۔

میرا بندہ میرا قرب حاصل کرنے کے لئے جو کچھ کرتا ہے اس
میں سے محبوب ترین وہ عبادت ہے جو میں نے اس پر فرض کی ہے ۔
اور میرا بندہ ہمیشہ نوافل سے میراقرب حاصل کرتا رہتا ہے ۔ حتیٰ کہ
میں اسے محبوب بنالیتا ہوں ' اس وقت میں اس کے کان بن جاتا
ہوں ' جن سے وہ سنتا ہے ' آنکھ بن جاتا ہوں ' جس سے وہ دیکھتا
ہے ۔ ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے پاؤں بن جاتا ہوں
جس سے وہ چلتا ہے ۔ پھر وہ مجھ سے سنتا ' دیکھتا ' پکڑتا اور چلتا ہے

ظاہر ہے کہ بندے کا **اصل** کام اللہ کا قرب حاصل کرنا ہے ۔ اس کا ذریعہ اتباع نبویؐ میں فرائض کی پابندی اور نوافل کی کثرت ہے ' اس کا نتیجہ اللہ کا محبوب بن جانا ہے ۔ یہ وہ مقام ہے جہاں انسان کا ارادہ اور پسند ' اللہ کے ارادہ اور پسند میں فنا ہو جاتا ہے ۔ بظاہر اس کے اعضا حرکت کر رہے ہوتے ہیں ۔ حقیقت میں اللہ تعالےٰ کی ذات کار فرما ہوتی ہے ۔ اور **ومارمیت اذرمیت ولکن اللہ رمی** کا نقشہ سامنے آجاتا ہے : گفتہ او گفتہ اللہ بود گرچہ از حلقوم عبداللہ بود

اس میں شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات اقدس سے معاملہ کرنے کے آداب کی تعلیم دی ہے ۔ اب ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے شاگردوں یعنی صحابہ کرامؓ نے ان آداب کا عملی مظاہرہ کس صورت میں کیا ۔ وہی آداب شیخ کے سلسلے میں سالکین کے لئے اصل بھی ہیں اور قابل تقلید بھی ۔ بلکہ دین کا شعبہ ہیں ۔ اگر یہ آداب دین سے خارج ہوتے تو یقیناً نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کو منع فرمادیتے ۔

اب ہم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مجلس میں صحابہ کرام کے بیٹھنے کی کیفیت ظاہر کرنے کے لئے چند مناظر پیش کرتے ہیں ۔



# حضورؐ کی مجلس میں صحابہ کرام کی حالت

عن براءؓ بن عازب قال فجلس النبی صلی اللہ علیہ وسلم مستقبل القبلۃ وجلسنا معہ کان علیٰ رؤسنا الطیر

( ایک مجلس میں ) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم قبلہ رخ بیٹھ گئے اور ہم بھی آپؐ کے پاس بیٹھ گئے ' مگر کیفیت یہ تھی جیسے ہمارے سروں پر پرندے بیٹھے ہوں ۔

اور لمعات شرح مشکوٰۃ میں ہے کہ :

ہیئت درنشستن صحابہ کرام درحضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دراحادیث بسیارآمدہ ومذکوراست

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مجلس میں صحابہ کرامؓ کی یہ صورت بہت سی حدیثوں میں آچکی ہے ۔

مجلس میں بیٹھنے کی یہ صورت تب پیدا ہوتی ہے جب :

۱: آدمی کی توجہ شیخ کی ذات پر مرکوز رہے ۔

۲: خیالات اور نگاہ ادھر ادھر نہ بھٹکتی پھرے ۔

۳: کان اس طرف لگے رہیں کہ جانے کس وقت کوئی بات مرکز توجہ زبان سے نکلے اور سن کے پلے باندھ لی جائے ۔

صحابہ کرامؓ کی یہ حالت صرف اسی وجہ سے ہوتی تھی کہ وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو مصدر ہدایت سمجھتے ' اور اپنے آپ کو محتاج جانتے تھے ۔ اسی نظریہ کے تحت سالک کو اپنے شیخ کی مجلس میں اس طرح بیٹھنا چاہئے کہ :

۱: اپنے قلب کا رخ شیخ کی طرف ہو ۔ خیالات اور نگاہ کو آوارہ ہونے سے بچائے ۔

۲: جو سالک سلوک کی اعلیٰ منازل میں جارہے ہوں ' وہ اپنی آخری منزل پر توجہ

کر کے بیٹھیں کہ شیخ کے سینے سے فیض انعکاسی عمل کے ذریعے انہیں پہنچ رہا ہے

۳: جو سالک لطائف کر رہے ہوں انہیں اپنے لطائف پر خیال رکھ کر بیٹھنا چاہئے اور قلب کا رابطہ شیخ کے ساتھ جوڑ لینا چاہئے تاکہ اُدھر سے فیض اِدھر آنے لگے۔

## صحابہؓ اور اطاعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم

عن جابر قال استوی رسول اللہ صلی اللہ علی المنبر قال
اجلسوا فسمع ابن مسعود فجلس علی باب المسجد فرآہ رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال تعال -

حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ کیلئے منبر پر بیٹھے تو فرمایا "بیٹھ جاؤ" ابن مسعودؓ نے جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز سنی تو مسجد کے دروازے پر ہی بیٹھ گئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ پڑی تو فرمایا "آگے آجاؤ۔"

اور خصائص الکبری 1: ۱۲۵ پر علامہ سیوطی رحمتہ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔

عن عائشۃ قالت ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم جلس یوم
الجمعۃ علی المنبر فقال للناس اجلسوا فسمعہ عبداللہ بن رواحہ
وھو فی بنی غنم فجلس مکانہ

جمعہ کے روز حضور صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر بیٹھے تو فرمایا کہ بیٹھ جاؤ۔ عبداللہ بن رواحہ انصاریؓ کے کان میں یہ آواز پڑی۔ تو آپ اس وقت قبیلہ بنی غنم میں تھے وہیں بیٹھ گئے



ان دوریات سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ کرامؓ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم تعمیل کا جذبہ کس درجے کا تھا۔ بیٹھنے یا بٹھانے کی علت دریافت کی، نہ اس کی علت کے متعلق سوچا، بس آواز سنی اور تعمیل کر دی۔

صحابہ کرامؓ کے اس عمل سے ارباب تصوف نے یہ ادب سیکھا کہ اگر شیخ کا حکم نصوص کے خلاف نہ ہو تو علت دریافت کئے بغیر شاگرد کو تعمیل کرنی چاہئے بعض اوقات شاگرد کے ذہن میں وہ علت نہیں ہوتی جو شیخ کے ذہن میں ہوتی ہے، جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت خضر رحمتہ اللہ علیہ کے قصہ میں موجود ہے۔

## صحابہ کرام اور تعظیم نبویؐ

نسیم الریاض شرح شفا ۳:۲۶۵۔

توفی معاویۃ رضی اللہ عنہ بالشام حاکما بھاسنۃ ستین
وعمرہ ثمان وسبعون اوست وسبعون سنۃ وکان عندہ ازار رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم ورداؤہ وشئی من شعرہ وظفرہ فکفن بردائہ
وازارہ وحشی شعرہ وظفرہ بفیہ ومنخرہ بوصیۃ منہ -

امیر معاویہؓ 76/78 سال کی عمر میں سنہ 60ھ میں شام میں فوت ہوئے جبکہ آپ وہاں کے حاکم تھے، ان کے پاس حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دوچادریں کچھ بال اور ناخن تھے۔ ان چادروں میں ان کو کفن دیا گیا اور ناخن اور بال ان کے منہ اور ناک میں رکھ دیئے گئے یہ سب کچھ ان کی وصیت کے مطابق کیا گیا۔

عوارف المعارف ۲۵۱، پر ہے کہ ایک چادر امیر معاویہؓ نے کعب بن زھیر کی اولاد سے 20ہزار درہم کے بدلے خریدی تھی۔ امیر معاویہؓ نے کعبؓ سے یہ

چادر مانگی تھی ' مگر انہوں نے انکار کر دیا تھا ان کی وفات پر ان کی اولاد سے 20 ہزار میں خریدلی - واقعہ یوں ہے کہ جب کعبؓ مسلمان ہوئے تو :

فرمٰی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بردۃ کانت علیہ فلما
کان زمن معاویۃ بعث الیہ ای الی کعب بن زھیر بعنابردۃ رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بعشرۃ آلاف درھم فوجہ الیہ ماکنت
لاوثر بثوب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم احدا فلما مات کعب
بعث معاویۃ الی اولادہ بعشرین الفاً فاخذ البردۃ فھی البردۃ
الباقیۃ عندالامام الناصرلدین اللہ الیوم عادت برکاتھا علی ایام
الزاھرۃ -

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ چادر جو اوڑھ رکھی تھی کعبؓ کی طرف پھینک دی جب حضرت معاویہؓ کا دور آیا تو آپؓ نے دس ہزار درہم میں یہ چادر خریدنا چاہی - کعبؓ نے جواب دیا ' اس چادر کا میں اپنے آپ سے زیادہ حقدار کسی کو نہیں سمجھتا - ان کی وفات کے بعد ان کی اولاد سے امیر معاویہؓ نے 20 ہزار میں خریدلی اور ہاتھوں ہاتھ چلتی آئی - حتی کہ شیخ شہاب الدین سہروردیؒ کے زمانہ میں مصر کے خلیفہ الناصرلدین اللہ کے پاس پہنچ گئی -

ان روایات سے یہ سبق ملتا ہے کہ شیخ کے لباس کی بھی تعظیم کرنی چاہئے : محبت اور ادب کا یہی تقاضا ہے :

نسیم الریاض ۳ـــ۱۵۷ اور روض الانف ۲ــ۳۲۴ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ایک خط کا ذکر کیا گیا ہے جو آپ نے ہرقل روم کے نام بھیجا - ہرقل باوجود عیسائی ہونے کے آداب الانبیاء سے واقف تھا - اس نے اس خط کی حفاظت اور تعظیم کی وصیت کر دی تھی -



ان ھرقل وضع الکتاب اللذی کتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ
فی قصبۃ من ذھب تعظیماً لہ فانھم لم یزالو یتوارثونہ کابراعن کابر

ہرقل روم نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نامہ مبارک کو بڑے احترام وتعظیم سے سونے کی ایک نلکی میں رکھا ہوا تھا اور رومی بادشاہوں کے پاس یہ خط یکے بعد دیگرے ورثے میں آتا رہا -

اور فتح الباری میں -

وقال ھذا کتاب نبیکم الی جدی قیصر مازلنانتوارثہ الی الان
واوصانا اباءُونا مادام ھذاالکتاب عندنا لایزال الملک فینا فنحن
نحفظہ ونعظمہ ونکتمہ من النصارٰی لیدوم الملک فینا -

عیسائی بادشاہ نے کہا یہ خط تمہارے نبیؐ کا ہے - جو انہوں نے ہمارے جدامجد قیصر کی طرف لکھا تھا - ہم ابتک اس خط کو میراث میں لیتے آئے ہیں - ہمارے اجداد نے ہمیں وصیت کی تھی کہ جب تک یہ خط ہمارے پاس محفوظ رہے گا حکومت ہم میں قائم رہے گی - اس لئے ہم اس کی حفاظت کرتے ہیں ' تعظیم کرتے ہیں اور پوشیدہ رکھتے ہیں ' تاکہ ہماری حکومت محفوظ رہے

فتح الباری میں یہ بیان اس واقعہ کے سلسلے میں جو قاضی نور الدین بن صائغ دمشقی نے بیان کیا کہ خلیفہ منصور عباسی نے مجھے ایک عیسائی بادشاہ کی خدمت میں بھیجا ' اس نے ایک صندوق میں سے سونے کی ایک نلکی نکالی جو ریشمی رومال میں لپٹی ہوئی تھی اور اس نلکی میں سے وہ خط نکالا جس کا ذکر اوپر کی عبارت میں کیا گیا ہے - میں نے اس خط کو چومنا چاہا مگر بادشاہ نے اجازت نہ دی کہ خط بوسیدہ ہو چکا ہے ' ضائع ہو جائے گا اور اس کے ضائع ہونے سے ہماری حکومت قائم نہیں رہ سکے گی -

اہل اللہ نے اس سے یہ نتیجہ نکالا ' جس طرح حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خط کی تعظیم کی وجہ سے مادی حکومت محفوظ رہی اسی طرح شیخ کے خط کی حفاظت اور تعظیم سے سالک کی روحانی حکومت محفوظ رہتی ہے - اسی وجہ سے مجدد الف ثانی رحمتہ اللہ علیہ کے خطوط کی سینکڑوں نقلیں کر کے محفوظ کر لی گئیں۔ اس کے مقابلے میں خسرو پرویز نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خط کی توہین کی اور اسے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا - اللہ تعالی نے اس کی سلطنت کے ٹکڑے کر دیئے اور حکومت ان کے ہاتھ سے جاتی رہی -

## صحابہ کرامؓ اور محبت رسولؐ

بخاری ۳۸۱ مقام حدیبیہ میں:

فماتنخم النبی صلی اللہ علیہ وسلم نخامۃ الا وقعت فی کف رجل منہم فدلک وجھہ وجلدہ

صحابہ کرام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تھوک زمین پر نہ گرنے دیتے تھے ' ہاتھوں میں لے کر اپنے منہ اور بدن پر مل لیتے تھے -

اور بخاری ۳۵

فاذا توضاء النبی صلی اللہ علیہ وسلم کادوایقتتلون علے وضوئہ

جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم وضو کرتے تو جو پانی گرتا اس کو حاصل کرنے کے لئے صحابہ کرامؓ جھپٹتے تھے -

ایسے واقعات اس امر کی دلیل ہیں کہ صحابہ کرام کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے انتہائی محبت تھی -



## صحابہ کرام کا باہمی حفظ مراتب اور تعلیم نبویؐ کا لحاظ رکھنا

حضرت عبداللہ ابن عباسؓ حضرت ابی بن کعبؓ کے گھر جا کر قرآن مجید کی تعلیم حاصل کرتے تھے ان کا دستور یہ تھا کہ دروازہ نہ کھٹکھٹاتے ' باہر بیٹھے ' بلا اطلاع دیئے انتظار کرتے رہتے - حضرت ابی بن کعبؓ کو یہ بات گراں گزری ' چنانچہ :

فقال لہ ابی یوما ھلا دققت الباب یا ابن عباس فقال العالم فی قومہ کالنبی فی امتہ وقد قال اللہ تعالی فی حق نبیہ علیہ الصلوۃ والسلام ولوانھم صبروا حتی تخرج الیھم لکان خیرالھم - وقد رایت ھذہ القصہ صغیرافعملت بموجبہ مع مشائخی -

(روح المعانی)

ایک روز حضرت ابیؓ نے فرمایا ' ابن عباسؓ دروازہ کھٹکھٹا دیا کریں - انہوں نے جواب دیا کہ ایک عالم اپنی قوم میں وہی مقام رکھتا ہے جو نبی اپنی امت میں اور اللہ تعالے نے اپنے نبی کے حق میں فرمایا اگر وہ انتظار کریں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم خود ان کی خاطر گھر سے نکلیں تو یہ ان کے لئے بہتر ہو گا " میں نے یہ قصہ بچپن میں دیکھا ' اور اپنے مشائخ کے ساتھ میں نے اسی کے مطابق رویہ اختیار کیا -

اور محدث طبرانی اور حاکم نے اور امام غزالی رحمتہ اللہ علیہ نے احیاء العلوم میں باب آداب طالب علم و معلم میں بیان کیا ہے کہ امام شعبی نے بیان کیا کہ حضرت زیدؓ بن ثابت نے ایک مرتبہ نماز جنازہ پڑھی ' پھر اپنے خچر پر سوار ہونے لگے تو عبداللہ بن عباسؓ نے دوسری رکاب تھام لی - آپ نے فرمایا - اے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چچازاد بھائی رکاب کو چھوڑ دیں - آپ نے فرمایا کہ ہمیں یہی حکم ہوا ہے کہ علماء اور مشائخ کی تعظیم اسی طرح کریں - اس پر حضرت زیدؓ

نے ان کے ہاتھ چوم لئے کہ ہمیں بھی یہی حکم ملا ہے۔

شیخ سے ملاقات کی غرض سے شاگرد باہر سے آئے تو اس کے لئے آیت **ولوانهم صبروا** اور صحابہ کرامؓ کے عمل سے یہ سبق ملتا ہے کہ شیخ کے گھر کا دروازہ نہ کھٹکھٹانا شروع کر دے ' بلکہ اس وقت تک انتظار کرے ' جب شیخ اپنے معمول کے مطابق باہر ملاقات کے لئے نکلے ' ہاں اگر کوئی ضروری امر پیش آجائے تو اندر اطلاع کرادے ' پھر بھی آوازیں نہ دینے لگے نہ تقاضا کرے۔

صحابہ کرامؓ کی سیرت کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان حضرات نے واقعی شاگردی کا حق ادا کر دیا اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت ' آپکی تعظیم اور آپ کی اتباع کی ایسی مثالیں چھوڑ گئے جو رہتی دنیا تک اللہ والوں کے لئے مشعل راہ کا کام دیتی رہیں گی اور محبت اور اتباع نبویؐ کے میدان میں اس اوج کمال تک پہنچے 'کہ ان کی تقلید تو ضروری ہے مگر وہاں تک پہنچنا بس انہی کا کام تھا۔

۱ کرند خوش رسمے بخاک وخون غلطیدند      خدارحمت کندایں عاشقان پاک طینت را



# تصوف و سلوک از ابتدا تا انتہا ادب ہی ادب ہے

شیخ اور سالک کا تعلق بظاہر استاد اور شاگرد کا سا نظر آتا ہے 'لیکن کیفیت کے اعتبار سے ان دونوں میں بہت بڑا فرق ہے۔ حصول تعلیم کے سلسلہ میں ایک شاگرد کے دل میں اگر استاد کا احترام موجود نہ ہو ' جب بھی حصول علم میں کوئی رکاوٹ پیدا نہیں ہوتی ' مگر ایک سالک کو اپنے شیخ سے جس قسم کا قلبی تعلق ہوتا ہے اس میں اگر معمولی سا فرق بھی آجائے تو حصول فیض میں بہت بڑی رکاوٹ پیدا ہو جاتی ہے۔ شیخ جب سالک کو توجہ دینے لگتا ہے تو جہاں رحمت باری شیخ کی طرف متوجہ ہوتی ہے وہاں رضائے باری تعالیٰ بھی شیخ سے وابستہ ہوتی ہے۔ اور یہ دونوں چیزیں شیخ کے واسطہ سے سالک کی طرف متوجہ ہوتی ہیں۔ سالک خواہ کتنے بلند منازل طے کر جائے ' اس کی باگ ڈور شیخ کے ہاتھ میں ہوتی ہے ' جیسے کاغذ کی پتنگ ہوا میں خواہ کتنی بلند ہو جائے ' اس کی ڈور اڑانے والے کے ہاتھ میں ہوتی ہے جب چاہے اسے اتار لے ' اس تعلق کو عوارف المعارف جلد دوم صفحہ ۴۲ پر اس طرح سے بیان کیا گیا ہے۔ **التصوف کله ادب ولکل وقت ادب ولکل حال ادب ولکل مقام ادب ومن یلزم الادب یبلغ مبلغ الرجال ومن حرم الادب فهو بعید من الله ومردود**۔

اور تصوف سارے کا سارا ادب ہی ہے ' ہر وقت کے لئے ادب ہے ' ہر حال اور ہر مقام کے لئے ادب ہے ' جس نے ادب کو لازم پکڑا ' وہ مردان خدا کے درجے پر پہنچا 'اور جو ادب سے محروم ہوا وہ خدا سے دور اور مردود ہوا۔

ظاہری علوم اور تصوف میں ایک اور فرق بھی ہے کہ استاد کے بغیر بھی کسی نہ کسی درجے کا علم حاصل کیا جا سکتا ہے 'مگر تصوف وسلوک کی راہ میں شیخ کامل کی رہبری کے بغیر چلنا محال اور قرب الٰہی کی منزل تک پہنچنا ناممکن۔ امام رازی رحمتہ اللہ علیہ نے **اهدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیهم** کی تفسیر میں

فرمایا ہے:

وفی هذاالبدل اشارة ان الصراط المستقیم لایتاتی بدون متابعه اهل الصراط المستقیم ولایکفی فیه الزبر والاوراق –

فهذا یدل علی ان المرید لا سبیل له الی لوصول الی مقامات الهدایه والمکاشفه الااذا اقتدی بشیخ یهدیه الی سواء السبیل وینجیه من مواقع الاغالیط والاضلال فزالک لان النقص غالب علی اکثر الخلق وعقولهم غیر وافیه بادراک الحق لتمییز الصواب عن الغلط فلا بد من کمل یقتدی به الناقص بنور عقل ذالک الکامل فحینئذ یصل الی مدارج السعادة ومعارج الکمال –

اس بدل میں اشارہ ہے کہ انسان صراط مستقیم پر نہیں چل سکتا ' جب تک اس راہ پر چلنے والے سابقہ لوگوں کی اتباع نہ کرے – اس راہ پر چلنے کے لئے صرف کتابوں کی ورق گردانی کام نہیں دے سکتی –

اور یہ اس امر کی دلیل ہے کہ مرید طالب کے لئے ہدایت کے مقامات اور مکاشفات تک پہنچنے کا اس کے بغیر کوئی ذریعہ نہیں کہ کسی شیخ کامل کا اقتداء کرے جو اس کی رہنمائی کریگا اور اسے غلطیوں اور گراہیوں سے بچائے گا – اس کی وجہ یہ ہے کہ نقص اکثر مخلوق پر غالب ہے اور صرف عقول انسانی ادراک حقیقت کے لئے ناکافی اور حق اور باطل میں کماحقہ ' تمیز کر لینا عقل انسانی کے بس کی بات نہیں لہذا یہ ضروری ٹھہرا کہ شیخ کامل کی تلاش کرے اور اس کی اقتداء کرے تاکہ اس ناقص کی عقل کامل کے نور عقل سے کامل بن جائے اور ناقص سعادت کے مدارج اور کمال کے اوج تک پہنچ سکے



اس آیت کی تفسیر سے ظاہر ہے کہ شیخ کامل کی رہنمائی کے بغیر منازل سلوک طے نہیں ہو سکتیں اور سالک کا مقصد وصول الی المحبوب ہوتا ہے – اور ارشادربانی **والذین امنوااشدحبالله** کے تحت رب العالمین ہی مومن کا محبوب ہے – اور شیخ چونکہ محبوب تک پہنچانے والا ہے اس لئے' شیخ بھی محبوب ہے ' جس شیخ نے خدا کو سالک کا محبوب بنایا اور وہ خدا کا محبوب بنا جیسے فرمایا: **یحبھم ویحبونه** ' ایسا شیخ کیوں نہ محبوب ٹھہرے ' لیکن شیخ کی محبت اور اظہار محبت میں حدود شرعی کا لحاظ رکھنا ضروری ہے – ایسا نہ ہو کہ فرط محبت میں شیخ کو خدا سمجھنے لگے یا شیخ کو سجدہ کرنے لگے ' اول شرک ' اور ثانی قطعی حرام

یہ ضروری نہیں کہ شیخ لازما مرید سے علم میں بڑا ہو یا ورع تقوی میں زیادہ ہو – ہاں ! یہ ضروری ہے کہ شیخ سے جو علوم حاصل کرنا ہیں – ان میں شیخ لازما کامل اور مکمل ہو – دیکھ لیجئے حضرت موسیٰ علیہ السلام حضرت خضر علیہ السلام کے مقابلے میں علم اور ورع تقوی میں کہیں بڑھ کر تھے مگر وہ خاص علم حاصل کرنے کے لئے حضرت خضر علیہ السلام کے پاس تشریف لے گئے –

شیخ کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ مرید سے ہر حال میں شریعت کی پوری پابندی کرائے ' کیونکہ شریعت سے ہٹ کر طریقت کا تصور زندقہ اور الحاد ہے –

جامع کرامات اولیاالله جلد نمبر1صفحہ نمبر ۵۱ پر ارشاد ہے –

قال الشیخ ابوالعباس لم تکن الاقطاب اقطابا والاوتاد اوتادا والاولیاء اولیاء الابتعظیم رسول الله صلی الله علیه وسلم فتعرفتهم به واجلالهم لشریعته وقیامهم بادابه

شیخ ابوالعباس نے فرمایا کہ کوئی قطب قطب نہیں ہو سکتا ' نہ اوتاد ' اوتاد ہو سکتے ہیں ' اور نہ کوئی ولی ' ولی ہو سکتا ہے ' جب

تک کہ اس کے دل میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعظیم
نہ ہو اور آپؐ کی شریعت اور اس کے احکام بجا نہ لائے ۔

کسی شیخ سے تعلق رکھنے اور مدتیں گزر جانے کے باوجود اگر سالک کے دل میں نہ شریعت سے لگاؤ پیدا ہو ' نہ اسلامی شعائر کی تعظیم کا جذبہ اور نہ شریعت کے احکام کی پابندی کا شوق پیدا ہو تو نہ ایسا شخص شیخ کامل ہے ' نہ ایسا مرید سالک مخلص

سالک کو احکام شریعت کی پابندی کرنے اور فرائض وواجبات کی پابندی کا خوگر بنانے اور اتباع سنتؐ کا شوق پیدا کرنے کے بنیادی کام کے ساتھ ساتھ شیخ کو اپنی بصیرت سے سالک کے قلب کی زمین کا جائزہ لینا چاہئے ۔ اس کی فطری صلاحیت کے مطابق اس کی روحانی تربیت کرنی چاہئے ذکر الٰہی بالخصوص ذکر اسم ذات سے اس کی روحانی تربیت شروع کرے ' جیسے ایک زمیندار زمین کی نوعیت کے مطابق اس میں م ریزی کرتا ہے اور اس بیج سے فصل اُگتے ' نشوونما پاتے اور پھل دیتے ہیں ' اسی طرح جب سالک کے قلب میں ذکر اسم ذات راسخ ہو جائے گا تو اسے اعلےٰ منازل سلوک کی طرف رہنمائی کرے گا ۔ پھر شیخ ' سالک کی استعداد اور صلاحیت کے مطابق کسی کو ذکر لسانی کرائے ' کسی کو لطائف کسی کو فناوبقا اور سلوک کی اعلیٰ منازل کی طرف لے جائیگا ۔ اگر شیخ کامل تمام سالکین کو شروع ہی سے سب لطائف کرانا شروع کر دے تو یہ محض دعوت عام کے فرض کی ادائیگی کی ایک صورت ہے ' جس میں کسی کی تخصیص نہیں ۔ ہاں ! لطائف کے بعد سلوک کے اونچے منازل سالک کی استعداد کے مطابق ہی کرائے جاتے ہیں ۔ اور یہ صورت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس سنت کے عین مطابق ہے کہ

**کلموا علی قدر عقول الناس**

شیخ شہاب الدین سہروردی رحمتہ اللہ علیہ نے عوارف المعارف جلد نمبر1 صفحہ نمبر۴۴ پر فرمایا ہے :



ورتبۃ المشیخۃ من اعلی الرتب فی طریقۃ الصوفیۃ فنیابۃ النبوۃ فی طریق الدعوۃ الی اللہ وینبغی ان یکون دعوتہ عامۃ یدعو لکل احد علی الاطلاق ۔

مشیخت کا مرتبہ تصوف کے اعلےٰ مراتب سے ہے ۔ اور دعوت الی اللہ کے سلسلے میں نیابت نبوت کی حیثیت رکھتا ہے اس لئے شیخ کا فرض ہے کہ وہ ہر ایک کو دعوت عام دے ۔

روحانی تربیت کا عمل اس طرح کیا جائے جس طرح ایک شفیق باپ اپنی اولاد کی تربیت کرتا ہے ' بلکہ شیخ کی شفقت ماں باپ کی شفقت سے کہیں زیادہ ہوتی ہے جیسا کہ امام رازی رحمتہ اللہ علیہ نے تفسیر کبیر جلد 1 صفحہ ۲۱۱ پر فرمایا :

ان الشیخ مقدم من الاب والام لان الاباء والامہات یحفظونہ من نارالدنیا وآفاتہا والمشائخ یحفظونہ من نارالآخرۃ واشتدادہا ۔

شیخ کا مرتبہ ماں باپ سے اونچا ہے ' کیونکہ ماں باپ دنیا کی آگ اور اس کی آفتوں سے بچاتے ہیں اور شیخ اسے دوزخ کی آگ اور اس کی سختی سے بچاتے ہیں ۔

علامہ ابراہیم عبیدی مالکی رحمتہ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ' عمدۃ التحقیق فی بشائر آل الصدیق کے صفحہ ۳۳۰ پر فرمایا : ۔

الولد علی قسمین ولدصلب وولد قلب وعندالعارفین ولدالقلب مقدم علی ولدالصلب

اولاد دو قسم کی ہوتی ہے ۔ نسبی اور قلبی صوفیاء عارفین کے نزدیک قلبی اولاد نسبی سے مقدم ہے ۔

قلبی اولاد کی اس برتری کی وجہ یہ ہے کہ والد نسبی اپنی اولاد کے بدن کی پرورش مادی غذا سے کرتا ہے اور یہ دونوں فانی ہیں ' اور شیخ سالک کی روحانی تربیت ذکر

الٰہی کی غذا سے کرتا ہے ۔ اور یہ دونوں غیر فانی اور ہمیشہ رہنے والی ہیں ' اور یہ ظاہر ہے کہ باقی رہنے والی چیز فنا ہونے والی چیز سے مقدم ہے ۔ مولانا جامی رحمتہ اللہ علیہ نے شیخ کامل کے اسی پہلو کو پیش نظر رکھتے ہوئے اپنے بیٹے کو وصیت فرمائی ۔

بکار نیک گردد یا ور تو      بکوئے نیک نامی رہبر تو

چنیں یارے کہ یابی خاک اوشو      اسیر حلقۂ فتراک اوشو

مکن با صوفیان خام یاری      کہ باشد کارخاماں خام کاری

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ شیخ ایک تو روحانی باپ ہے ' دوسرا استاد اور سب سے بڑھ کر یہ کہ شیخ سے سالک کو وہ چیز حاصل ہوتی ہے جو انبیاء علیہم السلام کی میراث ہے ۔



# اخذ فیض کیلئے آداب

ا:      شیخ کامل اخذ فیض اور کامل تربیت حاصل کرنے کے لئے سب سے پہلے یہ امر ضروری ہے کہ طالب کے دل میں شیخ سے پوری عقیدت ہو ' اور وہ پوری استقامت سے اس پر جما رہے ۔ تصوف کی اصطلاح میں اسے توحید مطلب کہتے ہیں جامع کرامات اولیاء اللہ جلد نمبر1 صفحہ 248 پر ارشاد ہے :

ینبغی للمرید ان یکون راسخ القدم لایزیحہ کل شئی عماھوفیہ ولایتبدل اعتقادہ فی شیخہ بوجہ من الوجوہ اصلاحتی لوجاء خضر علیہ السلام لایلتفت الیہ ۔

مرید کے لئے ضروری ہے کہ وہ راسخ القدم ہو اسے کوئی چیز اس راہ سے ہٹا نہ سکے اور اپنے شیخ کے متعلق اس کی عقیدت میں تبدیلی نہ آئے حتیٰ کہ اگر حضرت خضر علیہ السلام بھی سامنے آجائیں تو ان کی طرف توجہ نہ کرے ۔

یہ صورت اس وقت ضروری ہے ' جب ایک طرف شیخ کامل ہو اور دوسری طرف طالب صادق ہو ' اور اگر کسی وجہ سے ناقص آدمی سے کوئی طالب صادق تعلق قائم کر لے اور اسے کوئی روحانی فائدہ نہ پہنچے ۔ اور ظاہر ہے کہ جو خود ناقص ہے وہ دوسرے کو کیا سلوک سکھائے گا تو ایسی صورت میں طالب صادق کو کسی شیخ کامل کی تلاش کر لینی چاہئے ۔ ورنہ یہ ثابت ہو گا کہ وہ طالب مولیٰ نہیں شخصیت پرستی کے مرض میں مبتلا ہے اور اگر یہ صورت ہو کہ نہ شیخ کامل اور نہ طالب صادق تو یہ تعلق محض ایک " سیپ " ہو گی ' جس کا تصوف وسلوک سے کوئی تعلق نہیں ۔ پہلی صورت میں طالب صادق کو یہ دیکھ لینا چاہئے کہ جس شیخ سے اس کا تعلق ہے اس کے ہزاروں مریدوں میں سے اگر چند ایک بھی ایسے

نہیں ملتے جن کو سلوک کی راہ میں ترقی حاصل ہوئی تو بس سمجھ لیجئے کہ شیخ کے ناقص ہونے میں کوئی شک نہیں - اس لئے ایسے شیخ کو ترک کرنا فرض ہے - شیخ کامل تو ان لوگوں کو اللہ کے فضل سے عارف باللہ بنادیتا ہے ' جن کی زندگیاں اس سے پہلے فسق وفجور میں گزری ہوں -

**۲: شیخ سے غلط بیانی نہ کرے ' بات صاف صاف کرے '**

الصدق اجمل واحسن ولاتستعمل الکذب ایاک والکذب علی الشیخ۔

( جلد نمبر1صفحہ نمبر 348 )

سچ بات بہت اچھی اور عمدہ چیز ہے ' اور طالب کو چاہیے جھوٹ نہ بولے شیخ کے سامنے اور شیخ کے متعلق جھوٹ بولنے سے بچتے رہو -

**۳:** شیخ کے ساتھ خیانت کا برتاؤ نہ کرے حتی کہ شیخ کے کلام راز اور اسرار کے معاملے میں بھی امانت کا ثبوت دے جو شخص معمولی چیزوں میں خیانت کا مرتکب ہو وہ اسرار الٰہی اور مناصب باطنی کے معاملے میں کب امین بنایا جا سکتا ہے اس سلسلے میں بے احتیاطی سے مناصب بھی سلب ہو جاتے ہیں -

**۴:** جو کچھ اپنی ذات کے لئے محبوب جانتا ہے شیخ کی ذات کے لئے بھی محبوب جانے -

**۵:** شیخ کی بات غور سے سنے اور اس پر دل سے کاربند ہو شیخ کی مجلس میں شیخ کی بات سننے کی نیت سے جائے ' اپنی بات سنانے کا شوق لے کر نہ جائے - حضرت جنید بغدادی رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ میں نے ایک آدمی کو ابوحفص نیشاپوری رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت میں دیکھا جو نہایت خاموشی سے شیخ اور رفقاء کی خدمت میں معروف ہے - میں نے اس کے متعلق پوچھ گچھ کی مجھے ایک رفیق نے بتایا -



قال هذا انسان یصحب اباحفص ویخلمنا فقدانفق علی الشیخ مالة الف درهم کانت له واستزاد مالة الف درهم اخرىٰ فانفقها علیه فلم یتکلم بکلمة واحدة -

یہ آدمی حضرت ابوحفص رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت میں رہتا ہے اور ہم سب کی خدمت کرتا ہے - اس نے اپنے شیخ کے لئے دو لاکھ درہم خرچ کر دیئے ہیں مگر اب تک شیخ کے سامنے ایک کلمہ بھی زبان سے نہیں نکالا -

**۶:** شیخ سے اس بات کا مطالبہ یا تقاضا نہ کرے کہ مجھے اگلے منازل سلوک میں ترقی دی جائے - جیسے اللہ تعالے نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرمایا :

انی اصطفیتک علی الناس برسالاتی وبکلامی فخذ ما اتیتک وکن من الشکرین -

اے موسیٰ میں نے تجھے اپنے پیغامات کے لئے چن لیا ہے ' اس لئے جو کچھ میں نے تجھے دیا اسے لے لے اور شکرگزاروں میں سے ہو جا -

اس لئے طالب صادق کو چاہئے کہ جو منازل سلوک طے ہوتے ہیں ان کی حفاظت کرے ' اور اللہ کا شکر ادا کرے - اللہ اپنے وعدے کے مطابق اور عطا کرے گا -

**۷:** شیخ کی مجلس میں بیٹھا ہو تو شیخ کے چہرے کی طرف آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر نہ دیکھے ' بلکہ اپنے قلب کی طرف متوجہ ہو کر ذکر قلبی میں مشغول رہے ' یا اپنے منازل کی نگہداشت کرے -

**۸:** شیخ سے کوئی بات پوچھے تو سیکھنے کی غرض سے اور طالب علمانہ انداز سے پوچھے ' اعتراض کے طور پر کوئی سوال نہ کرے ' کیونکہ شیخ پر اعتراض مانع فیض

ہے ' جیسا کہ شیخ شہاب الدین سہروردی رحمتہ اللہ علیہ نے عوارف المعارف میں فرمایا :

من لم یعظم حرمت الشیخ فی الجواب حرم برکتہ فمن قال فی جواب الشیخ " لا " انہ لا یفلح ابدا -

جس شخص نے شیخ کے جواب کا احترام ملحوظ نہ رکھا ' وہ شیخ کے فیض سے محروم ہو گیا - اور جس نے شیخ کی بات کے جواب میں " نہیں " کہہ دیا وہ کبھی کامیاب نہیں ہو گا -

اگر شیخ کی رائے سے بہتر کوئی صورت سالک کی معلومات میں موجود ہو تو یوں کہے کہ اس مسئلے کی ایک اور صورت بھی ہے - ممکن ہے وہ بہتر ہو -

۹: چلتے وقت شیخ کے آگے نہ چلے ' **کماقال تعالٰے لا تقدموابین یدی اللہ ورسولہ** - یعنی اپنے مربی کی عزت اور اس کا احترام کرنا اللہ اور رسولؐ کا احترام ہے -

۱۰: شیخ کی خدمت میں جب حاضر ہو خالی ہاتھ نہ جائے جیسا کہ **تہادواتحابوا** میں یہ ادب سکھایا گیا ہے - ہاں شیخ کے لئے ضروری ہے کہ وہ مرید کے مال پر نگاہ رکھ کے نہ بیٹھا ہو ' اس کو اشراف نفس یا اشراف الی مال المرید کہتے ہیں یہ جائز نہیں -

۱۱: شیخ کی عدم موجودگی میں شیخ کے مقرر کردہ خلیفہ کا احترام اسی طرح کرے جس طرح شیخ کا احترام کرتا ہے ' اس میں کوتاہی نہ کرے - بالخصوص اصحاب مناصب کی عزت اور احترام نہایت ضروری ہے ' اور یہ ادب اور احترام حدود شرعی کے اندر ہو -

۱۲: جس شیخ سے فیض لینا مقصود ہو ' اس کے پاس مدعی بن کر نہ جائے - اپنے کمالات کا اظہار نہ کرتا رہے -



حضرت موسٰی علیہ السلام اور حضرت خضر علیہ السلام کے واقعہ میں کیا عمدہ تعلیم دی گئی ہے - حضرت موسٰی علیہ السلام کے الفاظ قابل غور ہیں -

ھل اتبعکَ علٰی ان تعلمن مماعلمت رشدا -

کیا میں آپ کی پیروی اس غرض سے کروں کہ آپ مجھے وہ کچھ سکھائیں جو بھلائی آپ کو سکھائی گئی ہے -

اتباع اور اطاعت نہ کرنے سے انسان مرتبہ انسانیت سے گر جاتا ہے -
فیض الباری ۳ ۔۲۷۷

فالکلب بعد طاعۃ مالکہ صارفی حکم المالک ای فی حکم الانسان والمالک بمعصیۃ مولاہ صاراسوء من الکلب -

کتا اپنے مالک کی اطاعت کی وجہ سے انسان کے حکم میں آگیا اور انسان اپنے رب کی نافرمانی کر کے کتے سے بھی برا بن گیا -

دیکھئے شکاری کتا سدھانے سے مالک کا پوری طرح مطیع ہو جاتا ہے - اس لئے جب اسے شکار پر چھوڑا جاتا ہے تو اس کا مارا ہوا شکار حلال ہوتا ہے ' گویا کتا ذابح انسان کے حکم میں آگیا - اور بلعم باعور جیسا انسان اپنے رب کی نافرمانی کر کے جانوروں سے بدتر ہو گیا -

۱۳: شیخ کی وفات کے بعد بھی شیخ کا ادب اسی طرح کرنا چاہئے جیسے شیخ کی زندگی میں کیا جاتا ہے - اور شیخ کے رشتہ داروں کا بھی ادب احترام کرنا چاہئے -

۱۴: شیخ کے سامنے شیخ کے آنے پر کھڑا ہو جانا اظہار آدب کی ایک صورت مروج ہے - لیکن اس میں اختلاف بھی ہے ' اس سلسلے میں احتیاط کی ضرورت ہے جیسا کہ فیض الباری جلد ۴ صفحہ نمبر ۶۵ میں ذکر کیا گیا ہے -

واعلم ان القیام للتوقیر رخصۃ المستحب اذا کان ھذالمعظم یقصدہ نحوہ فیجی الیہ واما اذا کان یذھب لحاجتہ لہ فلا -

۲۲

# الکرامات

کراماتِ اولیاؒ تواتر سے ثابت ہیں۔

فرق فاعلی۔ فرق مادی۔ فرق صوری۔ علت غائی

کہانت اور جادو

معجزہ اور کرامت میں فرق

# الکرامات

اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام افضل ترین اور برگزیدہ ہستیاں ہوتی ہیں ' وہ خدا کے بندوں کی ہدایت کے لئے وقتاً فوقتاً مبعوث ہوتے رہے ہیں ۔ حتیٰ کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس کے مبعوث ہونے پر یہ دین مکمل ہو گیا اور سلسلہ نبوت ختم ہوا ۔ ہر نبی کو اس سلسلے میں بے حد مشکلات کا سامنا کرنا پڑا ۔ حتیٰ کہ پورا معاشرہ اور وقت کی حکومت اور اس کی ہر طاقت انبیاء کے مقابلے میں آواز حق کو دبانے کے لئے اٹھ کھڑی ہوئی ۔ ادھر انبیاء ہمیشہ بے سروسامانی کے ساتھ میدان عمل میں آتے رہے ۔ ان کے پاس کوئی مادی طاقت نہیں ہوتی تھی ' فوج نہ اسلحہ نہ خزانہ ۔ ظاہر ہے کہ طاقت کے مقابلے میں اپنی صداقت اور برتری کا ثبوت مادی طاقت کی برتری کے بغیر کیا ہو سکتا ہے ' مگر انبیاء کرام نے اپنی صداقت کی سند کے طور پر ہمیشہ ایسے امور پیش کئے جو خرق عادت سے تعلق رکھتے ہیں انہی کو اصطلاح میں معجزہ کہتے ہیں ۔ انبیاء کرام کے معجزات سے تاریخ انسانی بھری پڑی ہے ۔ انبیاء کرام کی میراث ' ان کی تعلیمات اور ان کے معجزات ہوتے ہیں ۔ اور اس دنیا سے ان کے رخصت ہو جانے پر ان کی میراث ان کی روحانی اولاد کو منتقل ہوتی ہے ' بشرطیکہ وہ روحانی اولاد ان کی کامل متبع ہو ' کیونکہ نافرمان اولاد کو تو عاق کر دیا جاتا ہے اور وہ مادی ورثہ سے بھی محروم ہو جاتی ہے ۔ اس لئے نبی کے کامل متبع کو ولی اللہ کہتے ہیں اور اولیاء کرام ہی کو انبیاء علیہ السلام کی روحانی میراث ملتی ہے چنانچہ نبی کا " معجزہ" جب ولی کو بطور وارثت پہنچتا ہے ' تو اس کا اصطلاحی نام "کرامت" ہوتا ہے ' جس طرح نبی کا معجزہ اس کی نبوت کی سند ہوتا ہے اسی طرح ولی کی کرامت اس کی ولایت کی سند ہوتی ہے اور ولی کی کرامت درحقیقت اس نبی کا معجزہ ہوتا ہے جس کا ولی متبع ہوتا ہے ۔

امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے اربعین صفحہ ۳۷۹ پر فرمایا:

انماقلنا ان الا تقیٰ افضل بقوله تعالیٰ ان اکرمکم عند الله اتقٰکم فاثبات الکرامۃ مقرونا بذکرالتقوٰی یدل علی ان الکرامۃ معللۃ بالتقوٰی فحیث کان التقوٰی اکثروجب ان تکون الکرامۃ والفضیلۃ اکثر

ہم کہتے ہیں کہ تقویٰ افضل ہے' کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ تم میں سب سے افضل وہ ہے جو سب سے زیادہ متقی ہے - ولی کی کرامت کا مقرون بالتقویٰ ہونا اس بات کا ثبوت ہے کہ بغیر متقی صالح کے کرامات کا صدور محال ہے جہاں تقویٰ زیادہ ہو گا وہاں کرامت وفضیلت بھی زیادہ ہو گی -

اسی طرح الیواقیت والجواہر ج۲ ص۱۴۳ پر علامہ شعرانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

لایکون حظ الکرامۃ لولی الا تبعالمن هووارثه من الا نبیاء ولذلک کان خواص هذه الامۃ

کرامت صرف اس ولی سے صادر ہوتی ہے جو اپنے نبیؑ کا کامل تبع ہو' اسی وجہ سے وہ ولی اس امت کے خواص میں سے ہوتا ہے -

معلوم ہوا کہ کرامت کا صدور متقی' صالح اور کامل تبع سنت کے بغیر کسی سے نہیں ہو سکتا' کیونکہ وہی نبی کی صحیح روحانی اولاد ہے -

اور الیواقیت والجواہر ج۲ ص۱۵۵ پر ہے کہ:



اعطی الله الکرامۃ للاولیاء التی هی فرع المعجزات ماکان معجزة لنبی جازان یکون کرامۃ لولی

اولیاء کرام کو اللہ تعالیٰ نے کرامتیں عطا فرمائی ہیں - کرامت فرع ہے معجزہ کی' جو نبی کا معجزہ ہے وہی ولی کی کرامت ہے -

کرامت گو ولی کی ذات سے صادر ہوتی ہے' مگر حقیقت میں وہ اس نبی کا معجزہ ہوتا ہے جس کا وہ ولی کامل تبع ہوتا ہے -

## کرامات اولیاء تواتر سے ثابت ہیں

اولیائے کرام کا وجود کسی ایک دور یا خطہ کے ساتھ مخصوص نہیں' بلکہ ہر دور میں اور ہر ملک میں اولیائے کرام پائے جاتے رہے' اس لئے ان کی کرامات کا وجود بھی ہر دور میں ملتا ہے - اسی لئے وہ حد تواتر تک پہنچ چکی ہیں -
فیض الباری ج۴ ص۱۸۸

قدتواترت الاخبار فیها ای فی الکرامۃ بحیث لایسوغ منها الا نکار فلکن من یحرم عن الخیر یجعل رزقه انه یکذب بالکرامات والبرکات ویزعمه مستحیلا -

متواتر اخبار کرامات کے صدور میں اس قدروارد ہو چکی ہیں کہ ان کا انکار جائز ہی نہیں' ہاں جس کو اللہ تعالیٰ نے اچھائی سے محروم کر دیا ہو اس کا حصہ ہی تکذیب کرامات وبرکات اولیاء ہے' اور وہ اسے محال خیال کرتا ہے -

امام ذہبی جو جماعت صوفیہ کے سخت مخالف ہیں' کرامات اور ان کے انکار کے سلسلے میں فرماتے ہیں:

اعلم ان اللہ تعالی عزوجل قد اخبرنا فھوا صدق الصادقین والقائلین بان عرش بلقیس عرش عظیم فقال ولھا عرش عظیم فمانحیط الان علما بتفا صیلھا ای تفصیل عرشھا ولابمقدارہ ولابماھیتہ فقداتی بہ بعض رعیۃ سلیمان علیہ السلام الی بین یدیہ قبل ارتداد طرفہ کماقال تعالے انا اتیک بہ قبل ان یرتد الیک طرفک فسبحان اللہ العظیم فما ینکر کرامات الاولیاء الاجاھل فھل فوق ھذہ کرامۃ الی ان قال ولا مجال للعقل فی ذلک بل اٰمنا وصدقنا ۔

اب العلووالعرش صفحہ ۵۶)

خوب سمجھ لو کہ اللہ تعالے نے ہمیں خبر دی اور اس سے زیادہ سچی خبر دینے والا اور کوئی نہیں کہ بلقیس کا تخت بڑا عظیم تھا ۔ اتنا بڑا کہ ہم اس کی تفصیل نہ سمجھ سکتے ہیں ' نہ بیان کر سکتے ہیں ۔ نہ اس کی مقدار وماہیت سمجھ سکتے ہیں ۔ اور یہی عظیم تخت. حضرت سلیمان علیہ السلام کی رعیت کا ایک آدمی اٹھا لایا تھا ' اور آنکھ جھپکنے سے پہلے حضرت علیہ السلام کی خدمت میں پیش کر دیا ۔ جیسا کہ قرآن مجید میں بیان ہوا ہے ۔ اس لئے کرامات اولیاء کا انکار ایک جاہل آدمی کے بغیر کوئی نہیں کر سکتا ۔ بھلا اس عظیم تخت کے آنکھ جھپکنے کی دیر میں لے آنے سے بڑھ کر بھی کوئی کرامت ہو سکتی ہے ؟ یہ بات عقل کی دسترس سے باہر ہے ' اس لئے ہم اس کے بغیر کچھ نہیں کہہ سکتے کہ ہم ایمان لائے اور کرامت اولیاء کی تصدیق کی ۔

اسی کتاب کے صفحہ نمبر ۱۹۳ پر امام ذہبی نے کرامات کے تواتر کے سلسلے میں بیان کیا ہے ۔



سمعت الحافظ اباالحسن یقول سمعت الشیخ عزالدین بن عبدالسلام بمصریقول مانعرف احداکراماتہ متواترۃ کالشیخ عبدالقادر رحمہ اللہ تعالی ۔

میں نے حافظ ابوالحسن سے سنا وہ کہتے ہیں کہ میں نے شیخ عزالدین بن عبدالسلام سے مصر میں سنا کہ فرماتے تھے مجھے تواتر کے ساتھ جتنی کرامتیں شیخ عبدالقادر جیلانی رحمتہ اللہ علیہ کی معلوم ہوئی ہیں کسی اور ولی اللہ کی اتنی نہیں پہنچیں ۔

امام ذہبی کے بیان سے دو باتیں واضح ہو گئیں کہ :

1: کرامات اولیاء تواتر سے ثابت ہیں 2: کرامات کا انکار صرف وہی آدمی کر سکتا ہے جو جاہل مطلق ہو ۔

ابن الحجر رحمتہ اللہ علیہ نے " فتاوی الحدیثیہ " صفحہ نمبر ۱۷۳ پر شیخ عبدالقادر جیلانی رحمتہ اللہ علیہ کے متعلق فرمایا :

ان اللہ من علیہ من المعارف والخوارق الظاھرۃ والباطنیۃ وماانبأعنہ ماظھر علیہ فتواتر من احوالہ ۔

اللہ تعالےٰ نے شیخ عبدالقادر رحمتہ اللہ علیہ پر جو احسان فرمایا ' اس کا اظہار ان کے معارف اور ان کی کرامات سے ہوتا ہے ' اور ان سے جو امور ظاہر ہوئے ' جو ہم تک پہنچے ' یہ سب اللہ کا ان پر احسان ہے ' اور ان کے یہ حالات تواتر کے ساتھ منقول ہوئے ہیں ۔

اور امام یافعی نے شیخ کی کرامات کے متعلق " کفایتہ المعتقد صفحہ نمبر ۲۹۵ پر فرمایا:

فقد ذکر بعض اھل العلم ان کراماتہ قرب من التواتر قلت

قرب حصول العلم بوجودها من العلم القطعی الحاصل بکثرۃ الرواۃ البالغین حدالتواتر المعروف بکثرۃ المخبرین عنہا ۔

بعض علماء نے ذکر کیا کہ شیخ جیلانی رحمتہ اللہ علیہ کی کرامات تواتر کے قریب ہیں ' میں کہتا ہوں کہ انکی کرامات کے وجود کا علم قطعی طور پر حاصل ہو چکا ہے ' اور اس کی وجہ ان کرامات کی خبر دینے والے راویوں کی کثرت ہے یہ کثرت حد تواتر تک پہنچی ہے :

امام ذہبی ۔ حافظ ابن حجر اور امام یافعی اس بات پر متفق ہیں کہ حضرت شیخ عبدالقادر رحمتہ اللہ علیہ کی کرامات حد تواتر تک پہنچی ہیں اور ظاہر ہے کہ جس کو علم سے ذرا سامس بھی ہو ' وہ متواترات کا انکار نہیں کر سکتا ۔

علامہ شعرانی نے اسنی المطالب فی احادیث مختلفۃ المراتب صفحہ نمبر ۲۶۱ پر حضرت علیؓ اللہ وجہہ ' کا ایک قول نقل کیا ہے جو قول فیصل ہے فرمایا :

لایابی الکرامۃ الا حمار رواہ دیلمی وقال من قول علی رضی اللہ عنہ

کرامت ولی کا انکار صرف ایک گدھا ہی کر سکتا ہے ۔

کرامت کے انکار میں معتزلہ سب سے پیش پیش ہیں ان کے علاوہ تاریخ میں دو نام اور ملتے ہیں ' ابن حزم اور ابو اسحق اسفرائنی ۔ ان کے انکار کی بنیاد اس بات پر ہے کہ اگر ولی سے کرامت صادر ہو تو نبی کے معجزہ اور ولی کی کرامت میں فرق کیا رہ جائے گا ؟ اس حقیقت کا اظہار ابن خلدون نے اپنے مقدمہ میں صفحہ نمبر ۴۵۱ پر فرمایا ہے ۔

علامہ انور شاہ کاشمیری رحمتہ اللہ علیہ نے فیض الباری میں ۲۵۳ پر لکھا ہے کہ ابن حزم کرامات کا منکر نہیں تھا ' اور کتاب النبوات میں ابن تیمیہ نے بھی اسی رائے کا اظہار کیا ہے ۔



ثم قال ابن حزم انی قائل باستجابۃ الدعاء مع انکارہ الکرامۃ قلت اذا اشتمل الدعاء علی امر خارق للعادۃ فھوالکرامۃ فلم یبق النزاع الافی التسمیۃ فما الفائدۃ فی انکار الکرامۃ ( فیض الباری ۲۵۳ )

ابن حزم نے انکار کرامت کے باوجود یہ کہا کہ میں دعا کی قبولیت کا قائل ہوں ' میں کہتا ہوں کہ جب قبولیت دعا خرق عادت کے طور پر ثابت ہو گئی تو یہی کرامت ہے پھر تنازعہ محض لفظی رہ گیا ' پھر ایسے انکار کا کیا فائدہ ؟

یعنی حقیقت کرامت کا اقرار ہے اور لفظ کرامت کا انکار ۔ حالانکہ کرامت کے لئے یہ شرط تو نہیں دعا کے بغیر ہی ظاہر ہو ' بلکہ دعا بھی اکثر بطور کرامت ہوتی ہے ۔ صاحب کرامت ولی خدا سے ایک چیز کی درخواست کرتا ہے ' پھر خدا تعالے کی طرف سے اس چیز کا ظہور ہوتا ہے ' جیسا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے وزیر نے پہلے خدا سے دعا کی ' پھر وہ عرش حاضر ہو گیا ۔

علامہ ابواسحاق اسفرائینی کے رد میں ابن خلدون کہتا ہے :

" یہ عقلی احتمال ہے کہ کرامت اور معجزہ میں فرق کیا رہ جائیگا ؟ عقلی بحثیں حقائق کو جھٹلا نہیں سکتیں ۔ مشاہدات اور واقعات کے سامنے عقلی احتمالات کیا حقیقت رکھتے ہیں ؟ ہزارہا اولیاء اور صوفیاء سے کرامتیں ظاہر ہوئی ہیں ۔ سلف صالحین اور صحابہ کرامؓ سے کرامتیں ظاہر ہوئی ہیں ۔ ان تمام مشاہدات کو کون غلط ثابت کر سکتا ہے ؟ اگر کوئی شخص ایسی غلطی کرتا ہے تو اس کی وجہ ہٹ دھرمی ' ضد اور عناد ہے عقلی احتمالات نہیں "

اس موقع پر معجزہ ' کرامت ' سحر اور کہانت میں فرق واضح کر دینا زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے ۔

## ١ فرق فاعلی

نبی ' پاکیزہ نفس ' پاکیزہ صفات ' پاکیزہ اخلاق ہوتا ہے ' اس کے اعمال صالحہ ہوتے ہیں - مخلوق کا خیر خواہ ' داعی الی اللہ ' حق کی طرف رہنمائی کرنے والا صادق القول ' پاکیزہ تعلیم دینے والا - طالب آخرت - تارک الدنیا زکی الطبع اور عادل ہوتا ہے -

### کاہن وساحر

خبیث النفس اور خبیث الصفات ہوتا ہے ' اپنے فن سے مخلوق کو نقصان پہنچانے والا بداخلاق ' بداعمال ' جھوٹا ' دنیا پرست ہوتا ہے - وہ حب جاہ ' حب مال کا مریض ہوتا ہے - کما قال اللہ تعالے :

> هل انبئكم علىٰ من تنزل الشيطٰين تنزل علىٰ كل افاك اثيم
> يلقون السمع فاكثرهم كاذبون -
>
> کیا میں بتاؤں کہ شیطان کس پر نازل ہوتے ہیں ؟ ہر جھوٹے اور گنہگار پر نازل ہوتے ہیں وہ ان کی باتوں پر کان لگاتے ہیں - اور ان میں اکثر جھوٹے ہیں -

ظاہر ہے کہ جن کی خبروں کا ماخذ شیاطین ہوں جھوٹ کے بغیر اول بول ہی کیا سکتے ہیں - اور شیاطین سے اخذ فیض کرنے والا ' بدکار کے بغیر کون ہو سکتا ہے ؟

## ٢ فرق مادی

کاہن کے فن کا مدار القائے شیطانی اور امداد ارواح خبیثہ پر ہوتا ہے ' جیسا کہ مندرجہ بالا آیت سے ظاہر ہے -

نبی کا معجزہ بلا سبب اور بلا کسب ہوتا ہے - جیسا کہ ید بیضا اور عصائے موسیٰ



علیہ السلام ان کا سبب رب العلمین کی قدرت اور نبی کی طہارت وپاکیزگی تھی -

## ٣ فرق صوری

صورت ہمیشہ اپنے مادہ کے تحت ہوتی ہے - مادہ خبیث ہے تو صورت بھی خبیث ' کہانت کا مادہ امداد والقائے شیطانی ہے ' اس لئے صورت بھی خبیث ہوتی ہے -

نبی کے معجزہ کا مادہ ' رب العالمین کی قدرت ہے تو صورت بھی پاکیزہ ہوتی ہے -

## ٤ علت غائی

علت غائی ہمیشہ ظاہر امر کے تابع ہوتی ہے ' جیسے فرعون اور آل فرعون کو غرق کر کے مصر کو کفر وشرک اور ظلم وتعدی سے پاک کرنا مقصود تھا ' اور بنی اسرائیل کو اس ظلم سے نجات دلا کر برتری اور فضیلت کے انعام سے نوازنا تھا - یہ اس معجزہ کی علت غائی تھی -

## ٥ کہانت اور جادو

کہانت اور جادو موقوف ہے کسب اکتساب تعلیم وتعلم اور ذاتی کوشش پر اور نبوت اور معجزہ میں ان میں سے کوئی بات بھی نہیں پائی جاتی -

٦ کہانت اور جادو کا تعلق خرق عادت امور سے نہیں - ہاں امور عجیبہ وغریبہ سے ہے - جس شخص نے یہ علم یا فن نہ سیکھا ہو اس کے لئے تو یہ امور عجیب بھی ہوں گے اور خرق عادت بھی ' مگر جس دوسرے شخص یا جن اشخاص نے کہانت یا جادو کا فن سیکھ لیا ' اس کے لئے نہ یہ امور عجیبہ ہوں گے ' نہ خرق عادت ہونگے -

نبی کے معجزہ کے مقابلے میں کوئی انسان یا جن اس پر قادر نہ ہو گا کہ ایسی بات کر سکے - کیونکہ معجزہ کا تعلق کسب واکتساب سے نہیں - بلکہ یہ تو وہبی ہوتا ہے -

۷ جادو کے اثر کی کیفیت یہ ہوتی ہے کہ جس پر جادو کیا گیا ہے اگر جادو گر اس سے توجہ ہٹالے تو جادو کا اثر زائل ہو جاتا ہے ' معجزہ میں یہ بات نہیں -

۸ جادو گر جب کسی کامل ہستی کے مقابلے میں آئے ' تو اس وقت صرف جادو کا اثر ہی زائل نہیں ہوتا ' بلکہ جادو کے تمام آلات بھی نیست ونابود ہو جاتے ہیں - جیسا کہ ساحرین فرعون کے ساتھ ہوا - ساحرین کے لیڈر نے اپنے ایمان لانے کی وجہ بتاتے ہوئے یہ کہا تھا کہ ہم ہمیشہ جادو گروں سے مقابلہ کرتے آئے ہیں زیادہ سے زیادہ یہ ہوتا ہے کہ جادو کا اثر زائل ہو جاتا ہے ' یہ منظر کہیں نہیں دیکھا کہ ہماری تمام رسیاں سوٹیاں اور سارے آلات کو لاٹھی والا سانپ نگل گیا - اس کے باجود پھر وہی لاٹھی کی لاٹھی ہی رہی -

۹. جادو گر کی غفلت سے جادو کا اثر زائل ہو جاتا ہے - نبی کے معجزہ کی یہ کیفیت نہیں ہوتی - فیض الباری ج۴ص۳۹۴ پر ایک واقعہ منقول ہے کہ ایک لڑکے نے اپنے والد سے سوال کیا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے نبی ہونے کی کیا دلیل ہے-والد نے کہا کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام سو رہے ہوں تو ان کا عصالے لینا ' اگر وہ سانپ بن گیا تو معجزہ ہے ورنہ جادو -

فلعب فجعل يجر عصاه فانقلب ثعبانا وكاد الغلام ان يهلك -

لڑکا گیا ' عصائے موسیٰ لے لیا ' وہ سانپ بن گیا - قریب تھا کہ لڑکا ہلاک ہو جائے -

معجزہ ' جادو اور کہانت میں جو فرق ہے ' ہم نے اجمالی طور پر بیان کر دیا ہے-



## ۲ معجزہ اور کرامت میں فرق

ولی کی کرامت دراصل اس نبی کا معجزہ ہوتا ہے ' جس کا وہ تبع ہوتا ہے - جیسا کہ " الیواقیت والجواہر " کے حوالہ سے بیان کیا جا چکا ہے - اور جب کرامت کے صدور کے لئے نبی کی کامل اتباع شرط ہے تو کرامت ولی ' معجزہ نبی کی فرع ٹھہری ' اس لئے یہ سمجھ لینا ضروری ہے کہ ہر عجیب بات جو کسی سے ظاہر ہو ' کرامت نہیں ہوا کرتی ' بلکہ کرامت کا اطلاق صرف اس خرق عادت امر پر ہوتا ہے جو کسی کامل تبع شریعت سے ظاہر ہو - معجزہ کا اظہار نبی کے اختیار میں نہیں ہوتا - اسی طرح کرامت کا صادر ہونا ولی کے اختیار کی چیز نہیں دونوں من جانب اللہ ہوتے ہیں ' اللہ تعالیٰ اپنی قدرت کے اظہار کے لئے انبیاء اور اولیاء کی برگزیدہ ہستیوں کو منتخب کر لیتا ہے -

کرامات کی دو قسمیں ہیں ' اول معنوی ' جسے اہل دانش وبینش سمجھتے اور اس سے متاثر ہوتے ہیں ' اور یہی حقیقی کرامت ہے ' -

اعلم ان اعظم الكرامات واجلها التى للاولياء دوام التوفيق للطاعات والعبادات والحفظ من المعاصى والمخالفات -

خوب سمجھ لو کہ اولیاء کی سب سے بڑی اور عظیم کرامت شریعت کی کامل اتباع اس پر استقامت اور خلاف شرع امور سے بچ کر رہنا ہے -

ان کی یہ کرامت جب ماحول پر اثر انداز ہوتی ہے تو اللہ کی مخلوق جو خدا سے دور ہو چکی ہوتی ہے ' اس کی کشش سے اللہ کی یاد اور اللہ کی عبادت کی طرف کھنچی چلی آتی ہے - اور ان کے دل میں یقین اور ایمان کی شمعیں روشن ہونے لگتی ہیں - اور انہیں حقوق اللہ اور حقوق العباد کی ادائیگی کا خیال آنے لگتا

ہے - رذائل دور ہوتے ہیں - اور فضائل کے حصول کا جذبہ اور شوق پیدا ہونے
لگتا ہے - اولیاء اللہ کے حالات پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک ایک ہستی نے
بالکل ناساعد حالات میں دعوت الی اللہ کا کام کر کے ہزاروں بگڑے ہوئے لوگوں کو
اللہ کا بندہ بنادیا - عوام تک ہی محدود نہیں ' ان بے نوافقیروں نے بیسیوں شاہان
وقت کو راہ ہدایت پر لگادیا -

دوسری قسم کرامت حسی ہے - یہ عوام کے ذہنوں کو متاثر کرتی ہے چونکہ
ان کی ذہنی سطح پست ہوتی ہے ' اس لئے معنوی کرامت کو وہ لوگ سمجھ ہی نہیں
پاتے ' اور ان کی نگاہیں حسیات اور مادیات میں ہی اٹک کر رہ جاتی ہیں - چنانچہ
حضرت جنید بغدادی رحمتہ اللہ علیہ کا مشہور واقعہ ہے کہ ایک شخص ان کی خدمت
میں دس برس رہا آخر مایوسی کی کیفیت کے ساتھ واپس ہونے لگا ' آپ نے وجہ
پوچھی ' کہنے لگا بڑی شہرت سنی تھی کہ جنید بڑا ولی اللہ ہے مگر دس برس میں ایک
کرامت بھی نہیں دیکھی -

حضرت رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اس عرصے میں جنید کا کوئی کام ایسا بھی
دیکھا جو سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف ہو ؟ کہنے لگا ایسا تو نہیں - فرمایا'
یہی سب سے بڑی اور حقیقی کرامت ہے -

کرامت کے سلسلے میں ایک سوال بعض نابالغ ذہنوں میں ابھرتا ہے اور زبان
پر آتا ہے کہ جب ولی کی کرامت اپنے اختیار میں نہیں ہوتی تو کشف قبور بھی
اپنے بس کی بات نہیں 'کیونکہ کشف بھی تو کرامت ہی ہے -

اس کا جواب یہ ہے کہ اس میں شک نہیں تمام مخلوقات کا مالک اور مختار کل
اللہ تعالی کی ذات ہے انسان کو دیکھئے اسے پیدا کرنا ' وجود بخشنا اللہ کے اختیار میں
ہے ' دیکھنے کے لئے آنکھیں ایک آلہ ہے ' آنکھیں دینا اور ان میں بینائی پیدا کرنا
صرف اسی کے اختیار میں ہے ' پھر دیکھنے کی قدرت دینا بھی اسی کے اختیار میں ہے



آنکھ کو دیکھنے کیلئے استعمال کرنا انسان کا کام ہے جب آنکھیں کھلی ہیں ان میں بینائی
بھی ہے تو ظاہر ہے کہ جب کوئی چیز سامنے آئے گی تو نظر بھی آئے گی - ہاں '
اس چیز اور آنکھ کے درمیان کوئی پردہ حائل ہو جائے تو اور بات ہے - ورنہ یہ
کیسے ممکن ہے کہ آنکھ کھلی بھی ہو اس میں بنیائی بھی ہو اور وہ دیکھے نہیں اسی
طرح جب دل کی آنکھ بینا ہو جاتی ہے - اور حجاب اٹھ جاتا ہے تو لطیف چیزیں
ملائکہ ' جن ' عذاب وثواب قبر جنت دوزخ اجمالی طور پر نظر آنے لگتی ہیں - اللہ
تعالیٰ نے جو اصول بصارت کے لئے مقرر فرمایا ہے ' وہی اصول بصیرت کے
دائرے میں بھی کار فرما ہے جس طرح سر کی آنکھ جو بصارت دیکھنے کے لئے آزاد
ہے ' جب تک عارضی طور پر کسی حکمت کے تحت کسی چیز کے دیکھنے سے روک نہ
دیا جائے ایسطرح دل کی آنکھ جسمیں بصیرت ہے ' وہ لطیف اشیاء کو دیکھنے کیلئے
آزاد ہے جبتک عارضی طور کسی حکمت کے تحت اللہ تعالی کوئی پردہ حائل نہ کر
دے کسی کامل شیخ کی رہنمائی میں اللہ کے ذکر کی کثرت سے جب دل کی آنکھ وا
ہوجاتی ہے تو کشف یا الہام وجدان جیسی نعمتیں مل جایا کرتی ہیں -
کشف والہام تک حواس وعقل کی رسائی نہیں ہو سکتی ' اس لئے ان کا انکار بھی
کر دیا جاتا ہے ' ابن خلدون نے اس سلسلے میں پتے کی بات کی ہے فرماتے ہیں -
"کشف وعلم مغیبات کا مسئلہ آیات متشابہات کے مانند ہے کہ مطلب نہیں
کھلتا اور صوفیاء کے ذوق و وجدان پر اس کی بناء ہے ' جس کو ان صوفیاء جیسا
ذوق نہیں وہ ان کے کلمات کو کیا حل کر سکتا ہے ' واضع لغت نے ان کشفیات
اور وجدانیات صوفیہ کے لئے کوئی الفاظ وضع نہیں کئے کہ ان سے ان کے کلام کی
عقدہ کشائی کی جائے - چونکہ اہل لغت وغیرہ ان معانی کے لئے الفاظ وضع کرتے
ہیں جو حواس ظاہری سے معلوم ہو سکتی ہیں - صوفیہ کے امور باطنی کیلئے الفاظ وضع
ہی نہیں کئے گئے - اب جو شخص ان کے رنگ میں رنگین ہو کر ان کے کلام کو

شریعت کی روشنی میں حل کرے تو اس شخص کی خوش بختی ہے اور سب سے اعلیٰ بات یہ ہے کہ صوفیاء کے اس کلام گتھی سلجھانے کی کوشش ہی نہ کی جائے۔ جو علمائے ظواہر کے فہم سے بالاتر ہے۔"

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے ٹھیک فرمایا کہ جس نعمت سے انسان محروم ہوتا ہے، اس کا انکار ہی کر دیتا ہے۔ اب ہم چند اولیاء اللہ کی کرامات کا ذکر کرتے ہیں، صحابہؓ کا ذکر اس لئے نہیں کیا کہ صحابیت وہ شرف ہے کہ اس کے مقابلے میں ولایت کی کوئی حیثیت ہی نہیں۔

1: المرشدی: اصل نام محمد بن عبداللہ بن ابی المجد ابراہیم ہے، المرشدی کے نام سے مشہور تھے۔ علوم ظاہری وباطنی کی تکمیل کے بعد یمن کے علاقہ میں مرشدی نام ایک بستی میں مقیم ہو گئے۔ یہ بستی ریگستانی علاقے میں ایسے موقع پر آباد تھی جو حاجیوں اور قافلوں کی گزرگاہ تھی۔ علامہ ابن حجر محدث کبیر حافظ العصر نے "دررکامنہ" ۳۴۴۳ میں لکھا ہے کہ:

قریۃ صغیرۃ فی طریق الرمل

ریگستانی راستہ پر چھوٹی سی بستی ہے۔

انہی کی زبانی ان کے گھر کی حالت بھی سن لیجئے۔ دررکامنہ ۳۴۴۳

لیس لہ خادم ولاعرف لہ طباخۃ ولاقدر ولامغرفۃ ولاموقدنار

ان کا نہ کوئی خادم تھا، نہ کھانا پکانے والی کوئی عورت تھی، نہ ہانڈی تھی، نہ چمچہ، نہ کوئی آگ جلانے والا تھا، اس سے زیادہ بے سروسامانی اور کیا ہو سکتی ہے؟

اب فمن یتق اللہ یجعل لہ مخرجا ویرزقہ من حیث لایحتسب کے چند مناظر ملاحظہ ہوں۔ (1) دررکامنہ ۳۴۴

کانت لہ احوال فعمۃ فی خدمۃ الناس وضیافتہم بحیث یطعم



کلا من صغیر وکبیر وقلیل وکثیر۔

لوگوں کی خدمت اور ان کی مہمان نوازی ان کا خاص وصف تھا۔ ان کا طریقہ تھا کہ جو وہاں سے گزرتا، چھوٹا ہو یا بڑا، کم آدمی ہوں یا زیادہ سب کو کھانا کھلاتے تھے

۲ امام یافعیؒ نے اپنے چشم دید حالات بیان کئے ہیں کہ ایک چھوٹا سا حجرہ تھا، جب کوئی مسافر آتا آپ اکیلے اس کمرے میں جاتے اور چند منٹوں کے بعد اس کے مزاج اور خواہش کے مطابق کھانا لا کر حاضر کر دیتے "مرأۃ الجنان" ۲۹۴۳

یاتیہ الامراء والوزراء و غیر ھم من اھل الدنیا لواجتمع عندہ اکثر عسکر فی الوادی لعجل الیھم فی الحال ماا حب من القریٰ

ان کے پاس دنیا دار امراء وزراء تک آتے، اگر ان کے پاس مخلوق کے لشکر ہی آجاتے تو فورا ان کا من بھاتا کھانا حاضر کر دیتے تھے۔

۳ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے "دررکامنہ" ۳۸۵ پر بیان کیا ہے کہ مصر میں بکتمبرالسباقی کے نام سے ایک بہت بڑا امیر تھا، جس کے پاس ایک لاکھ غلام تھے، اس کے گھوڑوں کا اصطبل 95 لاکھ اشرفیوں سے تیار ہوا تھا اور گھوڑوں کی خدمت کے لئے ایک سو سائیس مقرر تھے۔ یہ امیر اپنے خادموں اور غلاموں کے ہمراہ شیخ المرشدی کی خدمت میں حاضر ہوتا تھا اور شیخ ان سب کو کھانا کھلاتے تھے، اور کھانا بھی معمولی نہیں ہوتا تھا، بلکہ حافظ نے لکھا ہے:

کان یخرج للحاضرین الاطعمۃ الفاخرۃ لایوجد الافی القاہرہ الدمشق (۳۴۴۳)

حاضرین کے لئے اس اعلیٰ قسم کا کھانا پیش کرتے تھے جو قاہرہ یا دمشق
جیسے بڑے شہروں کے بغیر کہیں نہیں مل سکتا تھا۔

اس پر طرہ یہ کہ

یقلم لکل احد مایقع فی خاطرہ۔

ہر شخص کو اس کی ذاتی پسند کے مطابق کھانا ملتا تھا۔ اس سلسلے
میں امام یافعی نے " مراۃ الجنان " ۲۹۳ پر اپنا واقعہ بیان کیا ہے۔

کان فی نفسی شهوة طعام مخصوص ماکنت رئته فی جمیع عمری
احضره فی ذلک السماط۔

مدت سے میرے دل میں ایک خاص قسم کے کھانے کی خواہش
تھی اور عمر بھر وہ مجھے میسر نہ آیا تھا۔ الرشدی نے وہ کھانا اپنے دستر
خوان پر مجھے پیش کیا۔

۲ ایک دفعہ الرشدی حج کے لئے تشریف لے گئے شیخ نے اعلان کیا کہ پورے
قافلے کے آنے جانے کا خرچ میرے ذمے ہو گا ' اس کا نقشہ امام یافعی رحمتہ اللہ
علیہ نے " مرأۃ الجنان " میں یوں پیش کیا۔

ینفق کل لیلة علیهم تارة الفاوتارة اکثروانفق فی ثلاث
لیالی ماقیمتة الف دینار وفی خمس لیالی اخرلی ماقیمتة
نحوخمسة وعشرین الفا۔

ایک رات کبھی ایک ہزار اور کبھی اس سے زائد خرچ الٹا تھا '
تین رات کا خرچ ایک ہزار اشرفی اور بعد کی پانچ راتوں میں پچیس
ہزار اشرفیاں خرچ کیں۔

اس سلسلے میں دو باتیں قابل غور ہیں ' اول یہ کہ کھانا پکانے کا انتظام اعلیٰ



پیمانے پر ہو سو اس کے متعلق بیان ہو چکا ہے کہ نہ کوئی خادم ' نہ بیوی ' نہ
ہانڈی ' نہ چمچہ ' بلکہ آگ تک نہیں جلائی جاتی تھی۔ دوسری یہ کہ کوئی بڑا خزانہ
پاس ہو ' جس کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ تو ممکن ہے کہ لوگ نذرانہ پیش کرتے
ہوں۔ ان دونوں باتوں کے متعلق دو بیان ملاحظہ ہوں۔

1: لم یکن یقبل لاحدشیئا

1: وکان یخدم الواردین بنفسہ فلایدخلها احد غیره فیغاب هنیئة
فاحضر لکل واحد منهم مااقترح۔

کسی سے کوئی چیز قبول نہ کرتے تھے۔ مسافروں کی خدمت خود
ہی کرتے تھے ' اس کمرے میں ان کے سوا کوئی داخل نہ ہوتا تھا۔
تھوڑی دیر کے لئے اندر جاتے اور ہر آدمی کی خواہش کے مطابق کھانا
حاضر کر دیتے تھے۔

ان دو مادی اسباب کے بغیر کوئی تیسری صورت باقی نہیں رہ جاتی ' مگر علامہ
ابن تیمیہ نے ایک اور احتمال پیش کیا ہے ' شیخ الرشدی علامہ موصوف کے ہم عصر
تھے جب شیخ کے حالات سنے تو کہنے لگے کہ جنات یہ کھانے لاتے ہوں گے۔ خدا
جانے علامہ موصوف کو یہ کیوں نہ سوجھی کہ اللہ تعالےٰ قادر ہے اور اس نے
اعلان کیا ہے۔ کہ **ویرزقه من حیث لایحتسب** اور اس نے حضرت عیسیٰ علیہ
السلام کے لئے روٹیاں آسمان سے نازل کر دی تھیں اور حضرت مریم کو بے موسم
کے پھل بغیر کسی ظاہری واسطے کے پہنچاتا تھا۔ علامہ کے اس عقلی احتمال کی خود
انہی کا ایک قول ' تردید کر رہا ہے۔ کتاب النبوة صفحہ نمبر ۲۶۵ پر لکھتے ہیں۔

من یکون اخباره من شیاطین تخبره لایکا شف اهل الایمان
فالتوحید فاهل القلوب المنورة بنورالله بل یهرب منهم یعترف انه
لایکا شف هولاء وامثالهم فاهل الایمان والاخلاص لاسلطان له

علیھم فلھذایھربون -

جن لوگوں کو شیاطین الجن خبریں پہنچایا کرتے ہیں ' ان کے متعلق معلوم ہونا چاہئے کہ ارباب ایمان ' اصحاب توحید اور روشن ضمیر لوگ جن کے دل انوار خداوندی سے منور ہوں شیاطین الجن ان سے دور بھاگتے ہیں - ان کے دل کی باتوں سے شیاطین واقف نہیں ہو سکتے ' اہل ایمان اور مخلص لوگوں پر شیاطین غالب نہیں آسکتے بلکہ ان سے بھاگتے ہیں -

ظاہر ہے کہ جب اولیاء اللہ سے شیاطین الجن دور بھاگتے ہیں - اور ان کے دل کے حالات سے واقف نہیں ہو سکتے تو ان کی خدمت کیونکر کر سکتے ہیں ' اب دیکھنا یہ ہے کہ کیا شیخ موصوف میں ان اوصاف کا پایا جانا ثابت ہے - امام یافعی ؒ "مراۃ الجنان" ۲۹۰/۴ پر لکھتے ہیں :

الشیخ الکبیر الولی الشھیر ذوالعجائب العظیمۃ والکرامات الکریمۃ والھمم العالیۃ والشمائل المرضیۃ والمکاشفات الجلیۃ والاٰیات الباھرۃ والانوار الظاھرۃ -

شیخ کبیر مشہور ' ولی اللہ عظیم عجائبات کے مالک بڑی بڑی کرامات والے ' عالی ہمت ' اعلی اوصاف کے مالک ' بڑے بڑے مکاشفات اور واضح انوار اور بڑی کرامات کے مالک تھے -

امام ذہبی کی زبانی الرشدی کے حالات سنئے - حالانکہ امام ذہبی صوفیاء کے سخت مخالف تھے - علامہ ابن حجر نے " دررکامنہ " میں امام ذہبی کے حوالہ سے نقل کیا ہے :-

کان یتکلم علی الخواطر وکان قلیل الدعوٰی وعدیم الشطح حسن المعتقد -



"لوگوں کے دلوں کا حال بتایا کرتے تھے - بڑائی کا دعوے نہ تھا اور اچھے عقیدے کے مالک تھے" معلوم ہوا کہ شیخ الرشدی ان اوصاف کے مالک تھے جن کے پاس شیاطین الجن بار نہیں پاسکتے تھے ' چنانچہ امام یافعی رحمتہ اللہ علیہ نے علامہ کے جواب میں لکھا ہے -

فان الجان لیس لھم اطلاع علیٰ خواطرالناس وعلیٰ بواطن العبادوماخطرفی بواطنھم نعوذ باللہ من سوء الاعتقاد -

جنوں کو لوگوں کے دلوں کے حال معلوم نہیں ہو سکتے نہ ان کے باطن سے وہ واقف ہو سکتے ہیں اللہ تعالی اس بداعتقادی سے پناہ میں رکھے -

لہذا علامہ ابن تیمیہ کا احتمال عقلی ان کے اپنے بیان کردہ قانون کے مطابق غلط ثابت ہوا - جہاں تک دل کے منور ہونے کا تعلق ہے ' اس کی تفصیل یہ ہے کہ جس شخص کے لطائف منور ہو کر راسخ ہو جائیں - پھر مراقبات ثلاثہ راسخ ہو جائیں تو جنات اس پر قابو نہیں پاسکتے اور شیاطین اس سے بھاگتے ہیں ' اس وقت عارف کا سینہ آسمان کی مانند ہو جاتا ہے اور لطائف کے انوار ستاروں کی مانند ہو جاتے ہیں تو جس طرح اللہ تعالی نے ستاروں کو رجوماللشیاطین بنایا ہے ' اسی طرح اللہ کے ذکر سے جب سینہ عارف منور ہو جاتا ہے تو شیاطین اور جن اس سے بھاگتے ہیں - پھر الرشدی جیسے عارف کامل کے پاس جن آئیں ' اور لوگوں کی دلی خواہش کے مطابق کھانے لائیں - بھلا کیونکر ممکن ہو سکتا ہے ؟ اس لئے یہ جنوں کی کارروائی نہیں ' بلکہ شیخ کی کرامت ہے -

آخر میں ایک اور واقعہ بھی بیان کر دیتے ہیں کہ الرشدی کے پاس مصر کا بادشاہ الناصر آیا کرتا تھا ' علامہ عبدالرؤف مناوی اور ابن بطوطہ نے اسے چشم دیدواقعہ کے طور پر لکھا ہے -

۲ محمد بن حمزہ - اصلی نام شمس الدین تھا - آپ روحانی طبیب ہونے کے علاوہ طب جسمانی میں بھی ماہر تھے فن طب میں ان کی تصانیف بھی ملتی ہیں - طب میں ان کی ریسرچ بھی از قبیل کرامت ہے - جامع کرامات اولیاء اللہ ا:۳۴ ۲ ے ۲

1: ان الا عشاب کانت تنادیہ فتقول اناشفاء من مرض الفلانی

جڑی بوٹیاں ان کو پکار پکار کر کہتی تھیں کہ میں فلاں مرض کی دوا ہوں -

(ii) سلطان محمد فاتح نے جب قسطنطنیہ پر حملہ کرنا چاہا تو شیخ کو جہاد میں شرکت کی دعوت دی - شیخ نے سلطان کے قاصد احمد پاشا سے کہا کہ فلاں دن ' فلاں تاریخ دن کے گیارہ بجے قلعہ فتح ہو جائے گا -

فقال الشیخ صبد خل المسلمون القلعۃ فی موقع الفلان فی الیوم الفلان فی وقت ضحوۃ الکبریٰ -

شیخ نے فرمایا کہ فلاں جگہ ' فلاں روز دن کے گیارہ بجے کے قریب مسلمان قلعہ میں داخل ہو جائیں گے -

اتفاق دیکھئے کہ وقت آگیا مگر قلعہ کے فتح ہونے کی صورت نظر نہیں آرہی تھی - شیخ کی اولاد میں سے ایک آدمی کو فکر لاحق ہوئی کہ شیخ کی بات پوری نہ ہوئی تو ممکن ہے بادشاہ شیخ پر تشدد کرے ' وہ دوڑتا ہوا شیخ کے خیمہ کی طرف گیا - اندر جھانکا تو دیکھا کہ شیخ ننگے سر ہیں - سجدے سے سر اٹھایا ہے اور یہ کہہ رہے ہیں -

الحمد للہ الذی فتحنا اللہ فتح القلعۃ قال فنظرت الی جانب القلعۃ فاذا العسکر فدخلوا باجمعھم ففتح اللہ تعالی ببرکۃ دعائہ وکانت دعوتہ تخترق السبع الطباق -



اللہ کا احسان ہے کہ اس نے قلعہ کی فتح نصیب فرمائی - قاصد کہتا ہے کہ میں نے مڑ کے قلعہ کی طرف نگاہ کی - کیا دیکھتا ہوں کہ فوج قلعہ میں داخل ہو چکی ہے - شیخ کی دعا کی برکت سے قلعہ (کی دیوار پھٹ کر گر پڑی) فتح ہو گیا شیخ کی دعا آسمانوں کو چیر کر اوپر جا رہی تھی کہ قلعہ فتح ہو گیا -

اس فتح کے بعد شیخ سے درخواست کی گئی کہ حضرت ابوایوب انصاریؓ کا مدفن تلاش کر دیں - آپ نے فرمایا کہ فلاں جگہ انوار نظر آتے ہیں - پھر مراقبہ کیا اور فرمایا کہ یہ جگہ ہے اور حضرت کی روح سے کلام ہوئی آپ نے پہلے تو فتح کی مبارک باد دی - پھر فرمایا کہ شکر ہے کفار کے قبضہ سے مجھے چھڑایا ہے - جب سلطان محمد فاتح کو اس کا علم ہوا تو حاضر ہو کر عرض کیا کہ آپ کی بات پر یقین ہے مگر اطمینان کے لئے کوئی نشانی بتادیں - آپ نے فرمایا کہ یہ جگہ قبر کے سر کی جگہ ہے ' دو ہاتھ زمین کھودو ' ایک سفید پتھر نکلے گا ' اس پر عبرانی یا سریانی زبان میں کچھ عبارت کندہ ہے

فلما حفروا مقدار ذراعین ظھر رخام علیہ خط فقرہ من یعرفہ لغتہ فاذا ھو ماقررہ الشیخ فتحیر السلطان فغلب علیہ الحال حتی کاد یسقط لو لا اخذوہ -

جب انہوں نے دو ہاتھ کے مقدار زمین کھودی ' ایک پتھر نکلا - جو شخص وہ زبان جانتا تھا اس نے پڑھ کے مطلب بتلایا وہی بات تھی جو شیخ نے بتائی تھی ' بادشاہ ششدر رہ گیا - اس پر ایسی حالت طاری ہوئی کہ گرنے لگا مگر لوگوں نے اسے سنبھال لیا -

بادشاہ نے اس جگہ مسجد بنوائی اور شیخ کے قیام کے لئے حجرے بنوائے اور درخواست کی کہ شیخ یہیں قیام کریں - مگر شیخ نے انکار کر دیا کہ میں اپنے شہر میں قیام کروں گا -

۳ عمر بن مبارک رحمتہ اللہ علیہ : ولی اللہ ' صالح ' متقی خوش الحان واعظ تھے ۔ "کفایتہ المعتقد" صفحہ نمبر ۲۱۴ پر ان کے متعلق ایک واقعہ درج ہے ۔

ایک دفعہ حج پر گئے ۔ روضہ اطہر پر حاضر ہو کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت میں ایک قصیدہ پڑھا پھر شیخینؓ کی مدح میں قصیدے پڑھے ۔ جب فارغ ہوئے تو ایک آدمی آیا ' عرض کی میرے گھر چلئے ۔ آپ کی دعوت کرتا ہوں ' آپ چلے گئے ' جب کمرے کے اندر بیٹھے تو اس نے تلوار اٹھائی اور کہا:

فقال الرافضی اختر اماقطع راسک اللسانک التی مدحت به الفاعلین الصانمین فشتم وسب فقطع لسانه فاخذه وجاء به الی القبرالشریف فتضرع فنام فرأه المصطفٰی علیه السلام فی النوم فاعاده فانتبه فوجده کما کان ۔

رافضی نے کہا چاہو تو تمہارا سر کاٹ دوں ' چاہو تو زبان ' جس سے تم نے ابوبکرؓ و عمرؓ کی مدح کی ہے ۔ پھر انہیں گالیاں دیں اور ان کی زبان کاٹ کر ان کے ہاتھ میں دے دی ۔ آپ روضہ شریف پر حاضر ہوئے روئے ' نیند آگئی دیکھا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کٹے ہوئے ٹکڑے کو اصل جگہ پر جوڑ دیا جاگے تو زبان بالکل درست تھی ۔

دوسرے سال پھر تشریف لائے ۔ اور اسی طرح قصیدے پڑھے ' ایک آدمی آیا ' دعوت دی اور گھر لے گیا ' پہچان گئے کہ گھر تو وہی گزشتہ برس والا ہے ' خیر کھانا کھایا ' پھر وہ شخص انہیں ایک کمرے میں لے گیا ' دیکھا کہ ایک بندر ستون سے بندھا ہوا ہے ۔ اس شخص نے بتایا کہ یہ میرا والد ہے جس نے آپ کی زبان کاٹی تھی ۔ اسی رات اس کی شکل مسخ ہو گئی ' اور ہم نے اسے اس ستون کے



ساتھ باندھ دیا ۔ اور میں مذہب شیعہ سے تائب ہو گیا ۔ آپ للہ اس کے لئے دعا کریں کہ اس کی شکل پھر سے انسانی صورت میں بدل جائے ۔ آپ خاموش ہو گئے اور وہاں سے چلے آئے ۔

دونوں واقعات خرق عادت ہیں اور ولی اللہ کی کرامتیں ہیں ۔

۴ محمد بن یوسف بولاقیؒ : آپ کی خدمت میں ایک عورت آئی کہ حبشیوں کی ایک جماعت نے میرا بچہ چھین لیا ہے ۔ اور جہاز پر لاد کر وہ سمندر میں جا رہے ہیں ۔ آپ نے جہاز والوں کو آواز دی کہ بچہ اس کی ماں کو واپس دے دو ' مگر کون سنے ۔

ثم قال یا سفینۃ قفی فوقفت ثم مشیٰ علی الماء واخذ الصبی من السفینۃ واحضره الی امه

پھر آپ نے فرمایا ' اے جہاز رک جا ' جہاز رک گیا آپ سمندر میں داخل ہو کر جہاز کی طرف چلے ' جیسے کوئی خشک زمین پر چلتا ہے ۔ جہاز میں پہنچ کر بچہ کو پکڑا اسے لے کر واپس کنارے پر آئے اور اس کی ماں کے حوالے کیا ۔

۵ ابوالغیث بن جمیلؒ : آپ ایک مرتبہ اپنے شیخ کا گدھا لے کر جنگل میں لکڑیاں کاٹنے گئے جنگل میں شیر آیا اور گدھے کو پھاڑ کھایا ۔ آپ نے شیر کو کان سے پکڑا ' لکڑیاں اس پر لادیں اور کہا :

احمل حطبی علیٰ ظهرک فحمله حتی بلیغ المدینۃ فانزله وقال اخرج وایاک ان تضراحدا حتی ترجع موضعک ۔

میں تمہاری پیٹھ پر لکڑیاں لا دونگا ' چنانچہ لاد کر چلدئے جب شہر میں پہنچے تو لکڑیاں اتار لیں اور فرمایا جانکل جا ۔ اپنی جگہ پر پہنچنے تک کسی چیز کو نقصان نہ پہنچانا ۔

۶ عامر بن عبداللہ رحمتہ اللہ علیہ : ایک قافلہ کہیں جارہا تھا - راستے میں ایک جنگل سے گزر ہوا ایک شیر آیا اور قافلے کا راستہ روک لیا - اتنے میں عامر بن عبداللہ رحمتہ اللہ علیہ کا وہاں سے گزر ہوا -

فقال مالکم ؟ قالو الاسد فمرالیہ ووضع یدہ علی فمہ فمرت القافلہ -

پوچھا کیوں رکے کھڑے ہو ؟ اہل قافلہ نے کہا کہ شیر نے روک رکھا ہے - آپ شیر کے پاس گئے اپنا ہاتھ اس کے منہ پر رکھا اور قافلہ خیریت سے گزرا -

۷ شیبان راعی رحمتہ اللہ علیہ : ایک دفعہ حضرت سفیان ثوری رحمتہ اللہ علیہ ' شیبان راعی رحمتہ اللہ علیہ کیساتھ حج کو گئے راستے میں ایک شیر سامنے آگیا - سفیان ثوری رحمتہ اللہ علیہ کہنے لگے شیبان ! شیر تو قریب آگیا ہے - فرمایا کیا ہوا وہ بھی ایک کتا ہے -

فلما سمع الاسد کلام شیبان فبصبص وحرک ذنبہ مثل الکلب فالتفت الیہ شیبان وعرک اذنہ فقلت لہ ماھذہ الشھرۃ فقال وای شھرۃ ھذہ یا ثوری لولا کراھیۃ الشھرۃ ماحملت زادی الیٰ مکۃ الاعلی ظھرۃ - ( جامع کرامات ۱:۱۲۰ )

جب شیر نے شیبان رحمتہ اللہ علیہ کی بات سنی سر جھکا دیا اور کتے کی طرح دم ہلانے لگا - شیبان رحمتہ اللہ علیہ اس کی طرف متوجہ ہوئے - شیر کو کان سے پکڑ لیا - سفیان ثوری رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا - شیبان رحمتہ اللہ علیہ ! یہ کیا شہرت ہے ؟ فرمایا - کونسی شہرت ثوری ! اگر مجھے شہرت ناپسند نہ ہوتی تو میں اپنا زاد سفر اس کی پیٹھ پر لاد کر مکہ تک لے جاتا -



۸ شیخ عبدالقادر جیلانی رحمتہ اللہ علیہ - ( فتاوی الحدیثیہ صفحہ ۱۷۴ اور " فیض الباری " ۲ : ۱۶- اور قلائد الجواہر ۳۷۳ )

مما علمنا بالسند الصحیح المتصل ان الشیخ عبدالقادر الجیلانی اکل دجاجۃ ثم لما لم یبق غیر العظم توجہ الی اللہ فی احیائھا فاحیاھا اللہ الیہ وقامت تجری بین یدیہ کما کانت قبل ذبحھا وطبخھا ( فتاوی الحدیثیہ )

ہمیں سند صحیح متصل کے ساتھ یہ معلوم ہوا کہ شیخ نے مرغی کا گوشت کھایا - پھر تمام ہڈیوں کو اکٹھا کر کے اللہ تعالیٰ سے درخواست کی کہ وہ زندہ ہو جائے چنانچہ وہ زندہ ہو گئی اور چلنا پھرنا شروع کر دیا جیسے وہ ذبح ہونے اور پکنے سے پہلے تھی - اور جامع کرامات (۲:۲۰۳) میں یہ واقعہ اس طرح بیان ہوا ہے کہ :

فوضع یدہ علی العظام وقال قومی باذن اللہ فقامت '

آپ نے مرغی کی ہڈیوں پر ہاتھ رکھا اور کہا اللہ کے حکم سے اٹھ کھڑی ہو - چنانچہ وہ اٹھ کھڑی ہوئی -

11: شیخ کی ایک مجلس وعظ کا واقعہ( فیض الباری " ۱۶۴ اور " خزینۃ الاسرار " صفحہ ۲۵ :

انہ کان یذکر الناس اذجائت حدیاٍ تصیح حتی شوشت علی الشیخ کلامہ فدعاعلیہ فقال قطع اللہ عنقک فسقطت علی الارض میتۃ من ساعتھا ثم اذا فرغ من الوعظ قام فراٰھا میتۃ فی فناء المسجد فقال قم باذن اللہ فطارت -

آپ وعظ فرما رہے تھے کہ ایک چیل شور کرتی آئی اور آپ کے کلام میں مخل ہوئی - آپ کے منہ سے نکلا خدا تیری گردن کاٹے فوراً زمین پر گری اور مر گئی جب آپ فارغ ہوئے تو مسجد کے صحن

میں اسے مردہ پایا - آپ نے فرمایا اللہ کے حکم سے اٹھ کھڑی ہو
چنانچہ وہ زندہ ہو کر اڑ گئی -

حضرت انور شاہ کاشمیری رحمتہ اللہ علیہ نے یہ واقعہ بیان کرنے کے بعد اپنے زمانے کے ایک ولی اللہ کا واقعہ لکھا جس سے ان کی ملاقات بھی ہوئی -

هكذا جاء رجل فی بجنور فقطع عنق طائر حتی فصلها بين
اعين الناس ثم ضمها فكانت كما كانت قبله فاحی الطائروزارنی هذا
الرجل

ایک آدمی بجنور میں آیا اور لوگوں کے سامنے اس نے پرندے
کا سر کاٹا اور پھر اسے جوڑ دیا پرندہ زندہ ہو گیا اور اڑ گیا- اس شخص
سے میں نے ملاقات کی -

۹ ذوالنون مصری رحمتہ اللہ علیہ ' " حلیتہ الاولیاء " میں تاج المحدثین ابو نعیم رحمتہ اللہ علیہ نے بیان کیا :

خرجت الی شطر نيل مصرافرا یت امرا ۃ تبكی فتصرخ
فادركها ذوالنون فقال لها مالک تبكين فقالت كان ابنی قرة عينی
علی صدری فخرج تمساح فاستلب منی فلدی قال فاقبل ذوالنون
علی الصلوة فصلی ركعتين فدعا بدعوات فاذاتمساح خرج من
النيل فالولد معه فرفعه الی امه - ( ۹:۹ ۳۶۶ )

میں نیل کے کنارے گیا - دیکھا ایک عورت چلا چلا کر رو رہی
ہے - ذوالنون اس کے پاس گئے پوچھا کیوں رو رہی ہو ؟ اس نے کہا
' میرا بچہ میری آنکھوں کی ٹھنڈک میرے سینے سے چمٹا ہوا تھا '
مگرمچھ آیا اور چھین لے گیا - ذوالنون نے دو رکعت نماز پڑھی - اور
خدا سے دعا مانگی - کیا دیکھتا ہوں کہ مگرمچھ دریا سے نکلا اور بچے کو



صحیح وسلامت باہر رکھ دیا - ذوالنون نے بچہ ماں کے حوالے کر دیا -

ذوالنون رحمتہ اللہ علیہ کی وجہ تسمیہ بھی ایک کرامت ہے -

آپ ایک کشتی میں سوار دریا عبور کر رہے تھے کسی کا ایک قیمتی موتی گم ہو گیا - حقیقتاً وہ دریا میں گر گیا تھا ' اس نے ذوالنون کو چور قرار دیا - انہوں نے قسم کھائی ' مگر مالک نے اعتبار نہ کیا -

فلما اضطر توجه ساعة فاتی حوت من البحر بتلک الجوهر

جب آپ پریشان ہوئے تو اللہ کی طرف متوجہ ہوئے اور اپنی
بے بسی پیش کی اتنے میں دریا سے ایک مچھلی وہی موتی لے کر باہر
آگئی -

اس وجہ سے ان کا نام ہی ذوالنون یعنی مچھلی والا پڑ گیا -

۱۰ غوث یوسف ہمدانی بغدادی رحمتہ اللہ علیہ: ابن خلکان نے اپنی تاریخ میں یہ واقعہ بیان کیا ہے اور کتاب "المشروع الدوی" میں بھی موجود ہے - جامع کرامات اولیاء اللہ ۲ : ۵۲۹ پر یوں بیان ہوا ہے -

امام ابوسعید عبداللہ بن عصرون بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں اور عبدالقادر جیلانی اور علامہ ابن سقا' یوسف ہمدانی کی ملاقات کے لئے گھر سے نکلے - راستے میں ہم نے ابن سقا سے پوچھا - تم کس غرض سے جارہے ہو ؟ اس نے کہا میں غوث سے ایسا سوال کروں گا جس کا جواب وہ نہیں دے سکیں گے پھر ہم تینوں نے اپنا اپنا عندیہ بیان کیا -

فقال ابن السقاء لاسئاله مسئلة لايدری جوابها -

فقال عبدالقادر معاذ الله ان اسئله شيئاً فانا بين يديه
انتظر بركته

وقال ابن عصرون انا اسأله مسألة وانظر ماذا يقول

ابن سقا نے کہا میں شیخ سے ایسا سوال کروں گا کہ وہ جواب نہ دے سکیں گے ۔

شیخ عبدالقادر نے کہا ایسا سوال پوچھنے سے خدا کی پناہ ! میں ان کے پاس بیٹھ کر فیض وبرکت کا انتظار کروں گا ۔

ابن عصرون نے کہا کہ میں ایک درخواست کروں گا اور دیکھوں گا کہ وہ کیا فرماتے ہیں ؟

( وہ درخواست تھی کہ غربت دور ہو جائے )

ابن السقاء کو شیخ نے فرمایا :

انی لاری نارالکفر تتلهب فیک '

میں دیکھتا ہوں کہ تیرے اندر کفر کی آگ شعلہ مار رہی ہے ۔

بعد کے واقعات سے یہ بات درست ثابت ہوئی ۔ ابن السقاء شاہ روم کے بلانے پر مناظرہ کے لئے گیا ' بادشاہ اس سے بہت خوش ہوا ۔ شاہ کی لڑکی پر فریفتہ ہو گیا ۔ شادی کی درخواست کی ' بادشاہ نے کہا عیسائی ہو جا ۔ عیسائی ہو گیا ۔ مگر بیمار پڑگیا ۔ عیسائیوں نے بازار میں پھینک دیا ۔ روٹی مانگتا رہتا تھا ' آخر موت قریب آگئی ۔ اتفاقا ایک واقف آدمی کا وہاں سے گزر ہوا ' اس نے پہچان لیا ۔ دیکھا کہ مر رہا ہے اس کا منہ قبلہ کی طرف کیا ۔ مگر دیکھا کہ فورا رخ پلٹا اور پشت قبلہ کی طرف ہو گئی ۔ پھر اس نے پوچھا کہ قرآن یاد ہے ؟ اس نے کہا بس اتنا یاد ہے کہ **یودالذین کفروالو کانو مسلمین** اسی حال میں مرگیا اور جہنم میں داخل ہے ۔ اولیاء اللہ کی توہین کا یہی انجام ہوتا ہے ۔

شیخ عبدالقادر رحمتہ اللہ علیہ کے حق میں غوث نے فرمایا کہ ایک وقت آئے گا کہ تم جامع بغداد میں منبر پر کھڑے ہو کر کہو گے یہ میرا قدم تمام اولیاء کی گردنوں پر ہے ۔



چنانچہ ایسا ہی ہوا ' اور آپ نے برسر منبر کہا۔ قدمی هذه علی رقبة کل ولی الله

ابن عصرون اپنے متعلق بیان کرتے ہیں ۔

فاحضرنی السلطان نور الدین شهید فاکرمنی علی ولایة الاوقاف فولیتها واقبلت الدنیا اقبا لا کثیرا فصدق الغوث فینا کلنا

میں دمشق میں سلطان نور الدین شہید کے پاس آیا ۔ اس نے مجھے وزارت اوقاف سونپی اور میرے ہاں دولت کی ریل پیل ہونے لگی ۔

غوث نے ہم تینوں کے متعلق جو فرمایا تھا صحیح ثابت ہوا ۔

المشروع الروی میں ہے کہ یہ قصہ متواترات سے ہے خبر واحد نہیں کہ انکار ہو سکے

۱۱ حضرت ابراہیم دسوقی : یہ قطب تھے ان کے پاس ایک عورت روتی ہوئی آئی کہ میرے بچے کو ایک مگرمچھ کھا گیا ہے ' آپ دریا کے کنارے آئے آواز دی

یامعشر التماسیح من ابتلع الصبی فلیطلع به فتطلع فمشی الی الشیخ فامره ان یلفظ فلفظه حیا ۔

اے مگرمچھو ! جس نے بچہ نگلا ہے ' ظاہر کر دے ایک مگرمچھ نکلا اور شیخ کی طرف آیا ۔ شیخ نے اسے حکم دیا کہ بچہ اگل دے ' جانور نے زندہ بچہ اگل دیا ۔

۱۲ اولیاء کی کرامات میں ایک بڑی کرامت کلام بالموتی یا کلام بالارواح ہے ۔ اس کے متعلق جامع کرامات اولیاء ۳:۹ ۴۰ پر درج ہے ۔

ان الاجتماع مع النبی صلی الله علیه وسلم کرامة من اعظم الکرامات فمن اعلی المقامات فمن نعم الله تعالے ۔

سب سے بڑی کرامت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار میں
حاضری اور آپ کی معیت ہے۔ اور یہ سلوک کے اعلےٰ مقامات میں
سے ہے اور اللہ کی نعمت ہے۔

یہ نعمت تمام کبار اولیاء کو عطا ہوتی رہی ہے۔ بفضل اللہ تعالےٰ ہمارے
سلسلے کے اکثر رفقاء کو یہ نعمت عطا ہوئی ہے۔ ارواح سے کلام کرنے والے
ہمارے رفقاء کی تعداد سینکڑوں تک پہنچ چکی ہے۔

**الحمد للہ علےٰ نعمائہ**



# ۲۳

# سلسلہ اویسیہؒ

# سلسلہ اویسیہ

اس وسیع کائنات میں اللہ تعالے نے انسان کو **لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم** اور **ولقد کرمنابنی ادم** کا شرف عطا فرما کر اشرف المخلوقات کے مقام پر فائز کیا اور اسے خلافت ارضی کا منصب جلیلہ سونپا ۔ یوں تو اللہ تعالے کی نعمتوں کا شمار نہیں لیکن انسان کو جس خصوصی نعمت سے نوازا گیا ' وہ انبیاء کرامؑ کے ذریعے اس کی ہدایت کا سامان ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے ساتھ اللہ تعالے نے جہاں **الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی** کا اعلان فرمایا وہاں اہل ایمان کو اپنا یہ احسان بھی یاد دلایا کہ **لقد من اللہ علی المومنین اذبعث فیھم رسولا منھم** اور اس احسان کی تفصیل میں یہ ارشاد فرمایا کہ اس آخری رسولؐ کے ذریعے اللہ کی اس نعمت سے مستفید ہونے کی ایک صورت یہ مقرر کی کہ یہ رسول ان کا تزکیہ باطن اور ان کی روحانی تربیت کرتا ہے ۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تلاوت آیات اور تعلیم کتاب والحکمت کے ساتھ اپنے جلیل القدر شاگردوں یعنی صحابہ کرامؓ کی اس طرح تربیت کی اور تزکیہ باطن کے وہ نمونے پیدا کئے کہ رہتی دنیا تک اس کی نظیر نہیں مل سکتی جس طرح تعلیم کتاب اور تدوین شریعت کا یہ سلسلہ صحابہ کرامؓ کی جماعت سے آگے منتقل ہوتا چلا آیا ۔ اسی طرح تزکیہ باطن اور تربیت روحانی کا طریقہ بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سیکھ کر آئندہ نسلوں کو پہنچایا اور مختلف ادوار کے تقاضوں کے مطابق تدوین حدیث وفقہ کی طرح تزکیہ وتربیت کے پہلو کی تدوین منظم صورت میں عمل میں آئی ۔ اول اول تو یہ صورت تھی کہ جو صحابیؓ یا تابعی رحمتہ اللہ علیہ جہاں پہنچا ' معاشرے کی تربیت شروع کر دی بعد میں دین کا یہ پہلو جب منظم ہوا تو تربیت وتزکیہ کے چار بڑے سلسلے ہمارے ہاں رائج

اور مقبول ہو گئے ۔ جنہیں سلسلہ قادریہ ' نقشبندیہ ' سہروردیہ اور چشتیہ ' کہتے ہیں ' ان سلسلوں میں تربیت روحانی کا بنیادی اصول ایک ہی رہا ہے اور وہ ہے ذکر الہٰی کی کثرت ' البتہ ذکر الہٰی کے طریقوں میں ہر صاحب سلسلہ نے مختلف رنگ اختیار کیا ' اس طرح طریقہ کار میں جزوی اختلاف کی وجہ سے چار بڑے طریقے مسلمانوں میں رائج ہو گئے ۔ ممکن ہے طریق تربیت میں اختلاف آب وہوا مزاج اور طبائع کے اختلاف کی وجہ سے انتخاب کیا گیا ہو جیسے ایک ماہر طبیب ایک ہی دوا مختلف مزاج والے مریضوں کو مختلف صورتوں میں دیا کرتا ہے ۔

ان چاروں سلسلوں میں دو پہلو ہمیشہ جاذب توجہ رہتے ہیں ۔ اول یہ کہ اس سلسلے میں طریقہ تربیت باطنی کیا ہے ؟ دوسرا یہ کہ کسی سلسلے کے شیخ کو یہ فن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کن واسطوں سے پہنچا ۔ اسی پہلو پر نگاہ رکھتے ہوئے یہ بات لازماً سامنے آجاتی ہے کہ ہر شیخ نے یہ فن اپنے شیخ کی صحبت میں رہ کر اس سے سیکھا ہوگا اور اس کے شیخ نے اسے ایک خاص درجے تک تربیت کرنے کے بعد دوسروں کی تربیت کرنے کی اجازت دی ہوگی ۔ اس اجازت نامے کو صوفیاء کی اصطلاح میں خرقہ کہتے ہیں ۔ خواہ اس کی صورت کوئی بھی ہو ۔ اگر کسی شیخ کے متعلق یہ معلوم ہو جائے کہ اس نے کسی کامل سے اس کی صحبت میں رہ کر فیض حاصل نہیں کیا اور اجازت نامہ نہیں لیا تو اس کا سلسلہ منقطع شمار کیا جاتا ہے کیونکہ اس میں اتصال اور تسلسل نہیں پایا جاتا ۔

بظاہر یہ بات قاعدہ کلیہ کی صورت میں سامنے آتی ہے ' حقیقت میں یہ قاعدہ اکثریہ ہو سکتا ہے ' مگر قاعدہ کلیہ نہیں کیونکہ اول تو روحانی تربیت روح کا معاملہ ہے اور روح سے اخذ فیض یا اجرائے فیض کا انحصار بدن کے اتصال پر نہیں ' اس کی مثالیں صوفیائے کرام میں جابجا ملتی ہیں ۔ مثلاً ابوالحسن خرقانی رحمتہ اللہ علیہ کو حضرت بایزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ سے روحانی فیض بھی ملا ' اجازت تربیت بھی



ملی ۔ اور آپ کے خلیفہ مجاز بنے ' حالانکہ بایزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ ان سے تقریباً ایک سو سال پہلے دنیا سے رخصت ہو چکے تھے جس سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت ابوالحسن خرقانی رحمتہ اللہ علیہ نے اپنے شیخ حضرت بایزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ کا نہ تو زمانہ پایا نہ ان کی صحبت میں رہے ' نہ ان سے تربیت واجازت ملی تو پھر اس کی صورت اس کے بغیر کیا ہو سکتی ہے کہ ان کی روح سے فیض اور خرقہ حاصل کیا ۔

روح سے فیض حاصل کرنے کو اصطلاح صوفیہ میں اویسی طریقہ کہتے ہیں اس سے یہ مراد نہیں کہ یہ سلسلہ حضرت اویس قرنی رحمتہ اللہ علیہ سے ملتا ہے بلکہ اویسیہ سے مراد مطلق روح سے فیض حاصل کرنا ہے ۔ چونکہ روح سے اخذ فیض اور اجرائے فیض دونوں صورتیں ہوتی ہیں ۔ اس لئے سلسلہ اویسیہ کی یہی دونوں خصوصیات ہیں ۔ اس اصطلاح کو حضرت اویس قرنی رحمتہ اللہ علیہ سے اگر کوئی نسبت ہو سکتی ہے تو شاید اس بناء پر کہ انہوں نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں رہ کر تربیت حاصل نہیں کی تھی ۔ بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی روح پر فتوح سے اخذ فیض کیا تھا ۔ اس لئے کہا جا سکتا ہے کہ وہ پہلے اویسی تھے ۔

ہمارے سلسلے کا نام نقشبندیہ اویسیہ ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ میں اپنے شاگردوں کی تربیت نقشبندیہ طریقہ کے مطابق کرتا ہوں ۔ اور میں نے اپنے محبوب شیخ رحمتہ اللہ کی روح سے اخذ فیض اور اجازت لی ہے ۔ میرے اور میرے شیخ مکرم رحمتہ اللہ علیہ کے درمیان کوئی 400سال کا فاصلہ ہے ' میں نے اسی اویسی طریقہ سے اپنے شیخ کی روح سے فیض بھی حاصل کیا ' خلافت بھی ملی ۔ اور بحمداللہ میرے محبوب شیخ کا فیض تربیت اس وقت دنیا کے گوشے گوشے میں پھیل رہا ہے ۔

حضرت شاہ ولی اللہ رحمتہ اللہ علیہ نے ہمعات صفحہ ۸۶ پر سلسلہ اویسیہ کی خصوصیات کا ذکر فرمایا ہے :

ا " ایں فقیررا آگاہ کردہ اند کہ طریقہ جیلانیہ بمنزلہ جوئے است کہ مسافتے برزمین میرود ومسافتے دیگر درزمین مستتری گردو درمسام زمین نفوذ میکند - بعد ازاں بوضع چشمہ بازظاہری شود ومسافتے بر روئے زمین می رودثم ہکذا ہکذا -

وتسلسل خرقہ دریں طریقہ اگر متصل است اما تسلسل اخذ نسبت دریں طریقہ متصل نیست یک بار سلسلہ ظاہر میشود بعد ازاں مفقود میگر دو باز بطریق اویسیہ ازباطن کسے ظہور می نماید ایں طریقہ بحقیقت ہمہ اویسیہ است ومتوسلان ایں طریق در روحانیاں علو وبہاجے دارند -

واماالقادریۃ فقریبتہ من الاویسیہ الروحانیہ

خلاصہ یہ ہے کہ جیسے پانی زیر زمین موجود رہتا ہے ' کسی وقت چشمہ کی صورت میں باہر ابل پڑتا ہے اور زمین کو سیراب کرتا ہے ' اسی طرح حقیقی تصوف وسلوک بھی کبھی کبھی غائب ہوجاتا ہے پھر اللہ تعالی کسی بندہ کو پیدا کرتا ہے ' اور اس کی ذات کے واسطہ سے تصوف وسلوک کا چشمہ ابل پڑتا ہے - اور ایک مخلوق کے قلوب کو سیراب کرتا ہے - اسی وجہ سے سلسلہ اویسیہ ظاہر میں متصل نہیں ہوتا- مگر حقیقت میں وہ متصل ہوتا ہے ' جو لوگ روح سے اخذ فیض اور اجرائے فیض سے واقف نہیں ہوتے وہ بے چارے اس اتصال کی حقیقت کو کیسے سمجھ سکتے ہیں ؟ اور اخذتہ العزۃ کے تحت جاہلانہ اعتراض کے بغیر کچھ کر نہیں پاتے '

۲: حضرت امام السند رحمتہ اللہ علیہ کی عبارت سے یہ معلوم ہوا سب سے زیادہ زوداثر سلسلہ اویسیہ ہے ' کیونکہ روحانی سلسلہ ہے - پھر قادریہ ہے -

۳: یہ بھی معلوم ہوا کہ سلسلہ اویسیہ کے متوسلین بڑی عظمت اور ہیبت کے مالک ہوتے ہیں - ہمعات میں صفحہ ۶۳ پر اسی وجہ سے فرمایا کہ ' بسا است کہ اویسی عالم ارواح است اجمالا - یعنی سلسلہ اویسیہ عالم ارواح ہے -



حضرت شاہ ولی اللہ رحمتہ اللہ علیہ ہمعات صفحہ 21 پر فرماتے ہیں -

حاصل کلام آں این است کہ یک خانوادہ میان مشائخ عظام اویسی است کہ اکثر بزرگان دریں خانوادہ بودندو سردار سلسلہ ایشاں خواجہ اویس قرنی است کہ بحسب باطنی از سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم تربیت یافتہ پس حضرت شیخ بدیع الدین ہم پیر اویسی است کہ درباطن تربیت از روحانیت حضرت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم یافتہ است وازکبار مشائخ ہندوستان است - '

مشائخ عظام میں ایک سلسلہ اویسیہ بھی ہے جس کے سردار خواجہ اویس قرنی ہیں ' ان کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روحانی طور پر فیض حاصل ہوا - اور شیخ بدیع الدین کو بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روحانی طور پر فیض ملا اور وہ ہندوستان کے کبار مشائخ سے ہوئے ہیں -

معلوم ہوا کہ :

☆ اویسی وہ ہوتا ہے جسے کسی ولی اللہ کی روح سے فیض حاصل ہوا ہو -

☆ بڑے بڑے اولیا اللہ اس سلسلہ اویسیہ کے طریقہ سے فیض لیتے رہے ہیں -

☆ اس سلسلہ والے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی روح پر فتوح سے بھی فیض لیتے ہیں -

بحمداللہ کہ اس فقیر کو اب بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی روح پر فتوح سے فیض حاصل ہو رہا ہے -

اس سلسلے کے متعلق اصل بات جو نہ جاننے والوں یا نادانوں کو کھٹکتی ہے ' وہ یہ کہ کیا روح سے اخذ فیض اور اجرائے فیض ہو سکتا ہے ؟ اس کے جواب کی دو ہی صورتیں ہیں ' یا تو جاننے والوں پر اعتماد کرو ' یا اس بحر میں خود اتر کر دیکھو -

دوسری صورت تو وہی اختیار کر سکتا ہے جس میں طلب اور خلوص ہو ' البتہ پہلی صورت کے سلسلے میں چند ایک مثالیں پیش کی جاتی ہیں -

1: فتاوی عزیزیہ 93:1 شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمتہ اللہ علیہ -

سوال : - کسے صاحب باطن یا صاحب کشف برقبور ایشاں مراقب شدہ چیزے از باطن اخذی تو اند یانہ ؟

کوئی صاحب باطن یا صاحب کشف کسی ولی اللہ کی قبر پر جا کر مراقبہ کرے تو اس سے روحانی فیض لے سکتا ہے یا نہیں ؟

جواب : می تواند نمود -

ہاں لے سکتا ہے -

فتوی کی زبان میں اختصار ملحوظ ہوتا ہے اس لئے حضرت نے مختصر جواب دیا - اس کی [illegible] "شفاء العلیل" صفحہ 178 پر دی ہے -

"مولانا نے فرمایا کہ میں نے حضرت ولی نعمت یعنی مصنف سے پوچھا کہ شیخ ابوعلی فارمدی کو کہ ابولحسن خرقانی کے ساتھ نسبت رکھتے ہیں ' ان کا اس رسالہ میں کیونکہ ذکر نہ کیا ' فرمایا کہ یہ نسبت اویسیہ کی ہے یعنی روحی فیض ہے - اس رسالہ میں غرض یہ ہے کہ نسبت صحبت کی من وعن عالم شہادت میں جو ثابت ہے مذکور ہو ' لیکن اویسیت کی نسبت قوی اور صحیح ہے -

شیخ ابوعلی فارمدی رحمتہ اللہ علیہ کو ابوالحسن خرقانی رحمتہ اللہ علیہ سے روحی فیض ہوا ہے ' ان کو بایزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ کی روح سے اور ان کو امام جعفر صادق رحمتہ اللہ علیہ کی روحانیت سے تربیت ہے ' چنانچہ رسالہ قدسیہ میں خواجہ محمد پارسا رحمتہ اللہ علیہ نے ذکر کیا ہے کہ:

امام جعفر صادق رحمتہ اللہ کو اپنے نانا حضرت قاسم بن محمد بن ابی بکرؓ سے نسبت حاصل ہوئی ہے - ان کو حضرت سلمان فارسیؓ سے ' ان کو حضرت ابوبکر صدیقؓ



سے اور ان کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے - خواجہ ابوعلی فارمدی رحمتہ اللہ علیہ کو نسبت اویسیت حاصل ہے ابوالحسن خرقانی رحمتہ اللہ علیہ کے ساتھ ' اور ان کو بایزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ سے روحی فیض پہنچا - اور ان کی تربیت امام جعفر صادق رحمتہ اللہ علیہ کی روحانیت سے ہوئی - اور امام جعفر صادق رحمتہ اللہ علیہ کو اپنے نانا قاسم بن محمد بن ابی بکر الصدیقؓ کے ساتھ انتساب حاصل ہے اور ان کی حضرت سلمان فارسیؓ اور آپ کو خلیفہ رسول اللہ صدیق اکبر ابوبکر بن ابی قحافہؓ کے ساتھ ' اور حضرت صدیقؓ نے جو کچھ حاصل کیا ' سرور عالم محمد مصطفے صلی اللہ علیہ وسلم سے حاصل کیا - اس نسبت اویسیت کو طریقہ نقشبندیہ نظامیہ قدوسیہ کہتے ہیں -

(تذکرۃ الرشید حصہ دوم صفحہ 108)

حضرت امام ربانی قدس سرہ کا تربیت باطنی وفیوضات روحانی میں قطب العالم شیخ عبدالقدوس گنگوہی قدس سرہ کی ذات بابرکات کے ساتھ زیادہ مناسبت رکھنا نسبت اویسیہ وفیضان روحانیہ کے علاوہ اس لئے بھی ہے کہ سلاسل اربعہ مشہورہ میں حضرت شیخ کا واسطہ غالباً قائم ہے - (ایضاً صفحہ 109)

۳: فتاوی دارالعلوم دیوبند 140:1 پر شفاء العلیل کی یہ عبارت نقل کر کے لکھا ہے:

" اس عبارت سے واضح ہوا کہ نسبت اویسیہ کے معنی روحی فیض کے ہیں ' اور یہ نسبت قوی اور صحیح ہے ' یہ بھی معلوم ہوا کہ نسبت اویسیہ کے لئے یہ ضروری نہیں کہ خواجہ اویس قرنی سے کوئی مرید ہوا ہو - اور یہ بھی واضح ہوا کہ نسبت اویسیہ کا انکار غلط ہے ' چونکہ اویس قرنی کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روحی فیض حاصل ہوا اور صحبت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ان کو حاصل نہیں ہوئی .... اس لئے جس کو روحی فیض کسی بزرگ سے حاصل ہو گا اس کو نسبت اویسیہ سے تعبیر کریں گے - "

۴: عقائد علمائے دیوبند مرکزی رسالہ ہے ' جس پر مسلک دیوبندی کا مدار ہے
اس میں سوال نمبر 11روح سے فیض باطنی کے متعلق ہوا ہے اور علمائے دیوبندے
نے مفصل جواب دیا کہ وہ روح سے باطنی فیض کے قائل ہیں اور صرف قائل
نہیں بلکہ :

فاما الاستفادة من روحانية المشائخ الاجلة ووصول الفيض
الباطنية من صدورهم اوقبورهم صحيح على الطريقة المعروفة فى
اهلها وخواصها لابما شائع فى العوام -

بہر حال مشائخ سے روحانی فیض حاصل کرنا اور فیض باطنی کا پہنچنا
ان کے سینوں سے یا ان کی قبروں سے صحیح ہے ' اس مشہور
ومعروف طریقے سے جو ان اولیاء وصوفیہ میں مروج ہے اور خاص
خاص بندوں کو حاصل ہوتا ہے - وہ طریقہ نہیں جو عوام میں مروج
ہے -

یہ تو روح سے اخذ فیض اور اجرائے فیض کے علمی جوابات ہیں ' رہی دوسری
صورت تو وہ ذوقی چیز ہے لطف ایں مے نشناسی بخدا تانہ چشی ' اگر کوئی اللہ کا
بندہ یہ ذوقی جواب بھی چاہتا ہے تو صلائے عام ہے - طلب اور خلوص لے کر
آجائے اور ممکن اور محال میں تمیز کرلے - ورنہ صرف باتیں بنانے سے وہ حاصل
نہیں ہو سکتا جو عملی طور پر کرنے سے حاصل ہوتا ہے :

لباس فہم برلائے او تنگ     سمندوہم درصحرائے اولنگ
نہ چندی گنجد آنجا و نہ چونی     فروبندلب از کم وزفزونی ؟

مشائخ اور علمائے حق کی توضیحات سے یہ بات ثابت ہو گئی کہ روح سے اخذ
فیض اور اجرائے فیض صرف ممکن ہی نہیں ' بلکہ امرواقع ہے - اور امام الہند شاہ



ولی اللہ رحمتہ اللہ علیہ کے کلام سے معلوم ہوگیا کہ سلسلہ اویسیہ میں روح سے
اخذ فیض ہوتا ہے اور اس کے لئے اتصال ظاہری شرط نہیں ' ہاں اتصال نسبت
ضرور ہوتا ہے - یہی نسبت اویسیہ ہوتی ہے -

ملتان کے ایک مشہور پیر صاحب نے ہمارے حلقہ کے ایک مولوی صاحب
سے فرمایا کہ آپ کا سلسلہ متصل نہیں ہے - مولوی صاحب نے کہا کہ حضرت !
جس سلسلہ میں شیخ اپنے شاگرد کی روحانی تربیت اس طرح کرے کہ اس کے لئے
زمان ومکان کی قید اٹھ جائے اور اسے عالم برزخ میں پہنچا کر حضور اکرم صلی اللہ
علیہ وسلم کے سامنے پیش کر دے - اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دست
مبارک میں اپنے شاگرد کا ہاتھ دے کر یہ منظر دکھا دے کہ **ان الذین یبایعونک
انما یبایعون اللہ** وہ سلسلہ تو ٹھیرا منقطع اور جس سلسلے کے شیخ کے پاس مرید مدتوں
رہے اور ساری عمر اس کے پاس آنے جانے میں کھپا دے اور شیخ سے اتنا بھی نہ
ہو سکے کہ مرید کے لطیفہ قلب کو ہی منور کر سکے ' وہ سلسلہ ٹھہرا متصل اور جو اللہ
کابندہ ایک دو نہیں سینکڑوں شاگردوں کو دربار نبوی ؐ میں پہنچا کر حضور دائمی عطا کر
دے اسکا سلسلہ منقطع فیا للعجب !

ع بسوخت عقل زحیرت کہ ایں چہ بوالعجبیست است

# تصوّف اور اصحابِ تصوّف و سلوک پر اعتراضات اور اُنکے جواب

پہلا اعتراض : "تصوّف ایک بدعت ہے"

دُوسرا اعتراض :

اظہارِ کشف جائز نہیں، تحدیثِ نعمت اور اظہارِ دین، عدمِ اظہار مشروط بہ شرط ہے۔

تیسرا اعتراض :

بعدِ موت جسمانی رُوح کا علم اور حافظہ موجود رہتا ہے
رُوح سنتی بھی ہے، سوال و جواب منکرین کے وقت
عودِ رُوح الی البدن، قبر میں انبیاءؑ کی رُوح کا تعلق
جسم سے، عذابِ قبر جسم اور رُوح دونوں کو ہوتا ہے۔
سماعِ موتیٰ پر اجماعِ اُمّت ہے۔

چوتھا اعتراض : "رُوح سے اکتسابِ فیض ممکن نہیں"
حضورؐ کی ارواحِ انبیاء سے ملاقات ؛

روح سے کسبِ فیض، روح سے اجرائے فیض

پانچواں اعتراض:

صحابیؓ ہونے کی شرط، حدیث کی حقیقت،

چھٹا اعتراض:

قصدِ رسولؐ اور کشفِ قبور، مدرسہ محمدیہ،

دورِ صحابہؓ کے بعد کشف والہام میں اضافہ کیوں ہوگیا؟

ساتواں اعتراض: "قرأت سلسلہ مشائخ کی کوئی سند نہیں"

آٹھواں اعتراض:

اسماء الرجال سے شواہد، دلائلِ نقلی

نواں اعتراض:



# تصوف اور اصحابِ تصوف و سلوک پر
# چند اعتراضات
## اور اُن کے جوابات

### تصوف ایک بدعت ہے

انسان بھی عجیب مجموعہ اضداد ہے۔ اس نے زندگی کو مختلف خانوں میں تقسیم کر رکھا ہے اور ہر شعبہ زندگی میں پیدا ہونے والے مسائل کے لیے ایک الگ اصول قائم کر رکھا ہے۔ اور مختلف شعبہ ہائے زندگی کے اصول مختلف ہی نہیں بلکہ متضاد بھی ہیں۔ مثلاً جسمانی صحت ایک شعبہ ہے جس کے لیے یہ اصول بنا رکھا ہے کہ صحت بگڑ جائے تو اس کے علاج کے لیے کسی ماہر طبیب یا ڈاکٹر سے مشورہ لیا جائے۔ کسی عطائی سے مشورہ لینے میں نقصان کا خطرہ ہے اور اپنی سمجھ کے مطابق بھی خود علاج شروع نہ کیا جائے کیونکہ جان کا خطرہ ہے۔ اسی طرح ایک شعبہ قانونی معاملات ہیں اس سلسلے میں حرف آخر کسی ماہر قانون کی رائے کو سمجھتے ہیں۔ یہ اصول بالکل درست ہیں لیکن جہاں دین وایمان کا معاملہ آیا ہر شخص ایک مجتہد کی طرح نہایت اعتماد سے جو چاہے گا کہہ دے گا۔ اور لطف یہ کہ ہر بے تکی بات کو سند اور حرف آخر ہی سمجھے گا۔ دین کے معاملے میں اس اصول کی کارفرمائی سے عجیب مشکل پیش آتی ہے تصوف کو بدعت کہنے کا معاملہ بھی کچھ اسی قسم کے نام نہاد "مجتہدین" کی ذہنی کاوشوں کا نتیجہ دکھائی دیتا ہے۔ اس کتاب میں ایک باب "تصوف کا ثبوت" کے عنوان سے موجود ہے۔ اس سوال کا تفصیلی جواب اور علمی تحقیق کا ذخیرہ اس باب میں ملے گا۔ اور اگر کسی کو اس سے زیادہ تفصیل درکار ہے اور علمی تسکین چاہتا ہے تو فتح الباری، اقتضائے صراط

مستقیم ' الاعتصام اور فتح الملہم کے متعلقہ حصوں کو ایک نظر دیکھ لے۔

حقیقت یہ ہے کہ تصوف کو بدعت کہنا دین کو نہ سمجھنے کا نتیجہ ہے۔ اور اس کے ساتھ ہی اگر آدمی برخود غلط بھی ہو تو اس سے بھی بڑی بڑی ٹھوکریں کھا سکتا ہے۔ یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ کسی دستور کی عبارت میں تمام جزئیات کا بیان نہیں ہوتا بلکہ صرف اصول وکلیات بیان ہوتے ہیں۔ اسلام کا دستور قرآن ہے۔ اس میں دین کے تمام اصول وکلیات موجود ہیں۔ ان اصول وکلیات کی عملی تعبیرات اسوہ نبویؐ میں موجود ہیں اور ان اصول وکلیات سے جزئیات کا استخراج کا طریقہ بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سکھا دیا۔ علماء حق جو ورثۃ الانبیاء ہیں اس طریق استخراج کے مطابق وقت کے تقاضوں کو پورا کرنے کے لیے جزئیات کا استخراج کرتے رہے ہیں۔

اصول اور کلیات مقاصد کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ان ذرائع ووسائل کو ڈھونڈ نکالنا جو مقاصد کے حصول میں ممد ثابت ہوں اور انہیں ذرائع سمجھ کر ہی اختیار کیا جائے دین کے خلاف کیونکر ہو سکتا ہے۔ ہاں یہ وسائل اس صورت میں بدعت ہوں گے جب انہیں جزودین یا اصل دین سمجھا جائے۔ ورنہ یہ وسائل مقاصد کے حکم میں ہوں گے۔ کیونکہ ذرائع اور وسائل مقصد کا موقوف علیہ ہیں۔ مثلاً قرآن مجید میں حکم ہوا **یاایہاالرسول بلغ ماانزل الیک** یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا **بلغوا عنی ولو اٰیۃ** یہ حکم دیا گیا کہ تبلیغ کرو۔ پس تبلیغ کرنا مقصد ٹھہرا ذریعہ کی تعیین نہیں کی۔ زبان سے ہو تحریر سے ہو' عمل سے ہو' منبر پر چڑھ کر ہو' کرسی پر بیٹھ کر ہو' سجدہ میں ہو' میدان میں ہو' گاڑی میں بیٹھ کر ہو' موٹر میں ہو' تقریر میں لاؤڈ سپیکر استعمال کیا جائے وغیرہ۔ یہ تمام ذرائع ہیں اور چونکہ یہ ذرائع اشاعت دین کیلئے ہیں لہٰذا یہ مقدمہ دین ہیں۔ یا اللہ تعالے نے حکم دیا **فاذکروا اللہ ذکرا کثیرا**۔



اب یہ کہ تنہا ذکر کریں' حلقہ میں بیٹھ کر کریں۔ زبان سے کریں' قلب وروح سے کریں' چلتے پھرتے کریں' بیٹھ کر کریں یا لیٹے ہوئے کریں' انگلیوں پر گن کر کریں یا تسبیح کے ذریعہ کریں۔ تمام وسائل وذرائع ہیں اور ذکر الٰہی مقصد ہے۔ ان ذرائع کو بدعت کہنا حصول مقصد میں رکاوٹ پیدا کرنا نہیں تو اور کیا ہے۔

میں مسلک کے لحاظ سے دیوبندی ہوں۔ شرک وبدعت کا دشمن ہوں۔ انسان پرستی اور قبر پرستی کا دشمن ہوں' نذرنیاز کھانا' مقررہ اوقات پر عرس کرنا' غیروں کے مال پر نظر رکھنا میرے مسلک کے خلاف ہے میرا مسلک یہ ہے کہ دائیں ہاتھ میں کتاب اللہ' بائیں ہاتھ میں سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور سامنے سلف صالحین کی اختیار کردہ صراط مستقیم اور بس۔ امور کشفیہ کا اعتبار ہو گا جب کتاب وسنت سے متصادم نہ ہوں ورنہ القائے شیطانی ہو گا۔ میرا سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ ہے جس میں روح سے بھی فیض لیا جاتا ہے۔ مگر روح سے فیض لینے سے مراد وہ نہیں جو جہلاء سمجھتے ہیں بلکہ روح سے کسب فیض کی حقیقت گزشتہ کسی باب میں بیان ہو چکی ہے ہاں مبتدی کے لئے روح سے فیض حاصل کرنا محال ہے۔

میں تصور شیخ کا حامی نہیں اور ہمارے سلسلہ میں اس کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ وظائف لسانی میں ہمارے ہاں سب سے بڑا وظیفہ تلاوت قرآن مجید ہے۔ پھر استغفار اور درود شریف حلقہ ذکر میں صرف **اللہ ھو** کا ذکر کرایا جاتا ہے یا ہر مقام پر آیات قرآنی کا وظیفہ بتایا جاتا ہے۔ سیر کعبہ میں لبیک کا وظیفہ اور فنائی الرسول صلی اللہ علیہ وسلم میں درود شریف۔ باقی تمام منازل سلوک میں سوائے اسم اللہ کے کوئی دوسرا ذکر نہیں بتایا جاتا۔

رفقاء کو جمع کر کے توجہ کرنا' سانس کے ذریعے ذکر کرنا وغیرہ مقصود نہیں سمجھتا بلکہ وسیلہ اور مقدمہ مقصود کا سمجھتا ہوں۔ نہ خود حلقہ بنانا دین ہے نہ توجہ

کرنا ہی دین ہے - نہ صرف ناک سے سانس لینا ہی دین ہے ' ہاں یہ مقدمات دین ہیں - ہمارے سلسلہ میں ان اوراد و وظائف کی قطعی کوئی گنجائش نہیں جو سنت سے ثابت نہ ہوں - ہمارے اختیار کردہ وظائف و معمولات میں سے اگر کسی چیز پر بدعت کا اطلاق ہوتا ہے تو ثبوت پیش کیجئے - کتاب و سنت کی واضح تعلیمات ہمارے سامنے ہیں ان ہی کو مشعل راہ' مصدر ہدایت اور معیار ہدایت سمجھتے ہیں اور بس -



# اظہار کشف والہام جائز نہیں

یہ بات یونہی مشہور ہو چکی ہے کہ امور کشفیہ کو ظاہر نہ کیا جائے - عوام تو کیا خواص تک اس اظہار کو حرام سمجھتے ہیں اور اس پر تنکیر کرتے ہیں مگر حقیقت یہ ہے کہ اول اظہار علم سلوک ضروری ہے بطور اظہار نعمت کے - دوم یہ کہ سلوک دین کا شعبہ ہے اور اظہار دین ضروری ہے - سوم یہ کہ اظہار کی ضرورت انکار کے مقابلے میں ہوتی ہے اور انکار حد سے گذر چکا ہے اور یہ شعبہ دین کا انکار ہے اسلئے اظہار ضروری ہے -

## تحدیث نعمت اور اظہار دین :

تحدیث نعمت ازروئے حکم باری تعالیٰ ضروری ہے - صاحب تفسیر مظہری نے **واما بنعمۃ ربک فحدث** میں فرمایا کہ صوفیہ کرام کے اس اظہار پر تنکیر نہ کی جائے اور ارشاد الطالبین میں مذکور ہے کہ :

> فمن انکر علی ھٰؤلاء الرجال فی مثل ھذہ المقال فکانہ انکر ھذہ الایۃ -
>
> " جس نے اس قسم کی باتوں میں صوفیہ کا انکار کیا گویا اس نے آیت قرآنی کا انکار کیا - "

اور مشکوۃ باب اللباس فصل دوم میں حضرت عمر بن شعیبؓ سے روایت ہے کہ :

> قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اللہ یحب ان یری اثر نعمۃ علی عبدہ -
>
> " اللہ تعالےٰ پسند کرتا ہے کہ اس کی نعمت کا اظہار کیا جائے جو بندہ پر ہوئی - "

اور اللمعات شرح مشکوۃ میں ہے کہ :

" ازیں جامعلوم شود کہ پوشیدہ کر دن نعمت وکتمان ان روانیست وگویا موجب کفراں نعمت است وہم چنیں ہر نعمتے کہ حق تعالی بربندہ داد مثل علم وفضل ' باید کہ ظاہر کند تامردم بشناسند واستفادہ نمایند ودرمصداق مما رزقنهم ینفقون داخل شود" ۳۶

ترجمہ : اس سے معلوم ہوا کہ نعمت کا چھپانا جائز نہیں گویا یہ نعمت کی ناشکری ہے - اسی طرح وہ نعمت جو اللہ تعالی نے بندہ پر فرمائی مثلاً علم اور فضلیت ( خواہ علم ظاہری ہو یا باطنی ) اس کا اظہار ضروری ہے تاکہ لوگ واقف ہو جائیں اور اس سے فائدہ اٹھائیں اور وہ قرآن مجید کی آیت " جو کچھ ہم نے انہیں دے رکھا ہے اس سے خرچ کرتے ہیں " کے مصداق میں داخل ہو جائے "

**فائدہ :** اظہار کمالات باطنیہ برائے فائدہ خلق جائز اور چھپانا نا جائز اور چھپانے والا ماخوذ ہو گا - ہاں مدار نیت پر ہے اور تفسیر جمل میں اسی آیت کے ضمن میں مذکور ہے -

فلذالک جوزللکامل ان یبین نفسہ حتی یعرف فیقتبس منہ لم یکن من باب التزکیۃ ۳۷

" اسی وجہ سے کامل آدمی کے لیے جائز ہے کہ اپنے آپ کو ظاہر کرے کہ لوگ اس کو پہچان کر اس سے فائدہ اٹھائیں - تو اسکا اپنے اوصاف بیان کرنا فخر میں داخل نہ ہو گا - "

اور تفسیر ابن کثیر میں ہے کہ :-

قال اجعلنی علی خزائن .... مدح نفسہ ویجوز للرجل ذلک اذاجھل امرہ للحاجۃ ۳۸



مجھے خزانوں پر مامور کردے ( حضرت یوسف علیہ السلام کا یہ فرمانا ) اپنی مدح کا بیان ہے اور آدمی کے لیے ایسا اظہار اور مدح جائز ہے جب لوگوں کو ضرورت ہو اور اسکا کمال پوشیدہ ہو - "

اور اسی آیت کے تحت تفسیر جمل میں ہے کہ :

اما اذا قصد تزکیۃ النفس ومدحھا لایصال الخیر والنفع الی الغیر فلا یکرہ ذلک ولا یحرم بل یجب علیہ ذلک مثالہ ان یکون بعض الناس عندہ علم نافع ولایعرف بہ فانہ یجب علیہ ان یقول انا عالم

" اگر کوئی شخص اپنی تعریف محض لوگوں کو فائدہ پہنچانے کی غرض سے کرتا ہے تو یہ نہ مکروہ ہے نہ حرام - بلکہ اس کا اظہار واجب ہے - مثلاً ایک آدمی کے پاس علم ہے - اور نافع علم اور لوگوں کو اس کی واقفیت نہیں تو اس پر واجب ہے کہ یہ اعلان کرے کہ میں اس علم کا عالم ہوں - "

## عدم اظہار مشروط بہ شرط ہے :

جو شخص اظہار میں فخر سمجھتا ہو یا اس اظہار سے ایسا فائدہ اٹھاناچاہتا ہو جو شرعاً حلال نہیں تو اس کا اظہار ریا ' خودنمائی اور فخر میں داخل ہو گا اور یہ ناجائز ہے -

حافظ ابن کثیر نے اپنی تفسیر میں ایک قانون کی نشاندہی کی ہے -

لمن هذا یتوخذ الامربکتمان النعمۃ متی یوجد ویظھر کما ورد فی حدیث استعینوا علی قضاء الحوائج بکتمانھا فان کل ذی نعمۃ محسود ۳۹

" اس سے معلوم ہوا کہ نعمت کا اس وقت تک کتمان ضروری ہے جب تک وہ ظاہر ہو کر وجود میں نہ آجائے جیسا کہ حدیث میں آیا ہے اپنی حاجتوں کی امداد انہیں ( پورا ہونے تک ) پوشیدہ رکھ کر کرو کیونکہ ہر صاحب نعمت محسود ہوتا ہے۔

**فائدہ ۱:** اللہ تعالیٰ جب کسی بندہ پر انعام کرنا چاہتا ہے اور اس بندہ کو بذریعہ کشف والہام مطلع فرما دیتا ہے تو جب تک وہ انعام حاصل نہ ہو جائے اظہار نہ کرے شاید وہ نعمت روک لی جائے۔

**۲:** جس پر انعام زیادہ ہو گا اس کے حاسد بھی اسی نسبت سے بہت ہوں گے۔

**۳:** وہ اسرار و رموز جو اللہ تعالیٰ اور ولی اللہ کے درمیان خاص ہیں اور ان کے اظہار سے مخلوق کو کوئی فائدہ نہیں بلکہ اظہار فتنہ مخلوق کا سبب بنے تو ان کا اظہار صحیح نہیں۔ ان امور کو ظاہر نہ کرے تاکہ صاحب اسرار بن جائے۔

حقیقت یہ ہے کہ کمال خواہ کسی قسم اور کسی درجے کا ہو ظاہر ہو کر ہی رہتا ہے:

نکوروی تاب مستوری ندارد    چو بندی در ز روزن سر برآرد

اگر اظہار نہ ہو تو حق وباطل میں تمیز کیسے ہو۔ حقیقی صوفیہ اور بے معنی مدعیان تصوف میں فرق کیونکر ظاہر ہو لوگوں کو کیسے معلوم ہو کہ صحیح اسلامی تصوف کیا ہے؟ عوام کی تو یہ حالت ہے کہ ہر دیوانے کو مجذوب سمجھنے کے لیے تیار ہیں اور مدعیان تصوف میں سے جسے چاہیں قطب زماں سمجھتے ہیں۔



## جب سماع موتی ممکن ہی نہیں تو ان سے رابطہ کیونکر قائم کیا جا سکتا ہے؟

اس سلسلے میں سب سے پہلے یہ اصول پیش نظر رہے کہ جو معارف یا کمالات علمی روح اس دنیا میں رہ کر حاصل کرتی ہے وہ بعد از مفارقت بدن اس سے سلب نہیں کیے جاتے بلکہ ان مکسوبہ علوم ومعارف میں وسعت پیدا ہو جاتی ہے اور روح کے ادراکات وسیع ہو جاتے ہیں۔ ہاں روح سے وہ افعال واعمال سلب ہو جاتے ہیں جو بدن کے وسیلہ سے کرتی تھی۔ دنیا میں روح مادی کانوں ' آنکھوں اور زبان کی محتاج تھی کیونکہ مادیات کو سنانا اور کھانا وغیرہ مقصود تھا۔ جب مادہ سے مفارقت ہوئی تو مادی آلات سلب ہو گئے۔ مگر روح میں بولنے ' سننے اور دیکھنے کی قوت باقی رہی۔ یہ روح کی ذاتی صفات ہیں۔ پس روح زندہ ہے ' کلام کرتی ہے دیکھتی ہے ' سنتی ہے کلام کا جواب دیتی ہے۔

یہ ایک اتفاقی مسئلہ ہے۔ حضرت امام غزالی رحمتہ اللہ علیہ نے احیاء میں مفصل بحث فرمائی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ:

فقلب المومن لایموت وعلمہ عندالموت لایمحی وصفاؤہ لایکدر[۳۰]

" مومن کا قلب نہیں مرتا۔ اس کا علم اس سے سلب نہیں کیا جاتا۔ اس کی صفائی کو کدر نہیں کیا جاتا۔ "

دوسرا یہ بات کہ سماع موتی کا مسئلہ کشف سے تعلق رکھتا ہے اور اس میں گفتگو کا حق بھی اصحاب کشف کو ہے جیسا کہ صاحب کشف الاستار نے وضاحت فرمائی ہے:

واعلم ان اعلی الکلام واقصی المرام ان ھذہ المسئلہ لیست مما یبحث فیہ اللفاظون وینقل النقالون بل ھو من الانکشاف الصفاتی التی یکشفہ اللہ تعالی علی بعض اولیائہ[۳۱]

" خوب سمجھ لو کہ بہترین بات اور منتہائے مقصود یہ ہے کہ ( سماع موتی ) کا مسئلہ اس قبیل سے نہیں کہ لفظوں سے کھیلنے والے اس

بحث میں پڑیں یا محض نقل کرنے والے اسے نقل کر دیں بلکہ یہ تو انکشاف صفاتی سے ہے جسے اللہ تعالیٰ اپنے بعض اولیاء پر منکشف فرماتے ہیں ۔"

**فائدہ :** اس سے یہ مراد نہیں کہ کشف کوئی مستقل دلیل شرعی ہے ۔ مگر جب دلیل قطعی کے مطابق ہو تو صاحب کشف کے لیے یقینی حجت ہے ۔

## بعد موت جسمانی روح کا علم اور حافظہ موجود رہتا ہے

قال تعالی ۔ قیل ادخل الجنۃ قال یلیت قومی یعلمون بما غفرلی ربی وجعلنی من المکرمین ۔ ( یٰسٓ )

" ارشاد ہوا کہ جا جنت میں داخل ہو ۔ کہنے لگا کاش میری قوم کو یہ بات معلوم ہو جاتی کہ میرے پروردگار نے مجھے بخش دیا اور مجھے عزت داروں میں شامل کر دیا ۔"

**فائدہ :** اس سے معلوم ہوا کہ قوم نے جو سلوک اس مرد مومن کے ساتھ کیا تھا وہ اسے یاد تھا ۔ اس نے یہ بات بھی اظہار افسوس کے طور پر کی ۔

## روح سنتی بھی ہے :

قال تعالیٰ ۔ واذقال ابراھیم رب ارنی کیف تحیی الموتیٰ .... قال فخذ اربعۃ من الطیر فصرھن الیک ثم اجعل علی کل جبل منھن جزءاً ثم ادعھن یأتینک سعیا ۔

" اس وقت کو یاد کرو جبکہ ابراہیم علیہ السلام نے عرض کیا ۔ اے میرے پروردگار مجھ کو دکھلا دیجئے ۔ آپ مردوں کو کس کیفیت سے زندہ کریں گے .... ارشاد ہوا ۔ اچھا تو تم چار پرندے لو ۔ پھر انہیں



پال کر اپنے لیے ہلا لو ۔ پھر ہر پہاڑ پر ان میں کا ایک ایک حصہ رکھ دو ۔ پھر ان سب کو بلاؤ ۔ دیکھو تمہارے پاس سب دوڑتے چلے آئیں گے ۔"

امام رازی رحمتہ اللہ علیہ نے اس آیت کی تفسیر میں معتزلہ کا رد ان الفاظ سے فرمایا :

فلما دلت الایۃ علی حصول فھم النداء والقدرۃ علی السعی لتلک الاجزاء حال تفرقھا ۔ کان دلیلا قاطعا علی ان البنیہ لیست شرطا للحیاۃ ( تفسیر کبیر )

" آیت اس حقیقت پر دال ہے کہ پرندوں کے اجزا نے آواز کو سنا ، سمجھا اور چلنے پر قادر ہوئے باوجود اس بات کے کہ متفرق اجزاء تھے ۔ پس یہ آیت اس امر پر دلیل قاطع ہوئی کہ حیات کے لئے وجود صحیح کا ہونا شرط نہیں ۔

آیت اپنے مفہوم کے اعتبار سے واضح ہے ۔ روح کے سماع میں تو اختلاف ہے ہی نہیں ۔ اختلاف اس بات میں ہے کہ بدن سنتا ہے یا نہیں ۔ نکیرین کے سوال وجواب کے وقت اعادہ روح کا کیا جاتا ہے جو احادیث متواترہ سے ثابت ہے پس اختلاف اس میں ہے کہ نکیرین کے سوال وجواب کے بعد بدن سنتا ہے یا نہیں

## سوال وجواب نکیرین کے وقت عود روح الی البدن :

قال شیخ الاسلام الاحادیث الصحیحۃ المتواترۃ تدل علی عود الروح الی البدن وقت السوال وسوال البدن بلاروح قول قالہ طائفہ من الناس وانکرہ الجمھور ١٣٢

" شیخ الاسلام نے فرمایا کہ صحیح اور متواتر احادیث نکیرین کے
سوال کے وقت عود روح الی البدن پر دلالت کرتی ہیں مگر ایک
جماعت متواتر احادیث کی مخالفت کرتی ہے - اور جمہور علماء نے اس
جماعت کی مخالفت کی ہے - "

**اور علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا :**

قال ابن تیمیہ - الاحادیث متواترۃ علی عود الروح الی البدن وقت
السوال وسوال البدن بلاروح قول طائفۃ منھم ابن الزاغونی وحکی
ابن جریر فانکرہ الجمھور۳۳

قال السلفی - عود الروح الی الجسد فی القبر ثابت علی
الصحیح لجمیع الموتی فانما الخلاف فی استمرارھا فی البدن ۳۴

وسئل عن المیت اذاسئل ھل یقعد ام سئل فھو راقد فاجاب
یقعد وسئل عن الروح ھل تلبس الجسد کما کانت قال نعم لکن
ظاھر الخبر انھا تتحل فی نصف الاعلی ۳۵

" امام ابن تیمیہ نے فرمایا کہ سوال نکیرین کے وقت عود روح
الی البدن کی احادیث صحیح اور متواتر ہیں - ایک گروہ سوال بلاروح کا
قائل ہے جیسا ابن الزاغونی ابن جریر ( اور کرامیہ ) اور جمہور علماء
ان کے مخالف ہیں - "

" علامہ سلفی نے کہا کہ قبر میں عود روح الی لبدن ثابت ہے اور
تمام موتے کے لیے ہے اور یہی صحیح مذہب ہے خلاف صرف روح
کے بدن میں ہمیشہ رہنے میں ہے - "

" شیخ الاسلام علامہ ابن حجر سے سوال کیا گیا کہ وقت سوال وجواب



میت کو قبر میں بٹھایا جاتا ہے - یا حالت فراش میں ہی سوال ہوتا ہے
تو جواب دیا بٹھایا جاتا ہے - پھر سوال ہوا روح بدن اوڑھ لیتی ہے -
جواب دیا ہاں مگر احادیث میں آتا ہے کہ روح کا تعلق بدن کے اوپر
کے حصے سے ہوتا ہے - "

**پھر چند سطور کے بعد فرمایا :**

وھی لاتزال متعلقۃ بہ وان بلٰی فتمزق فتقسم لتفرق -

" اور یہ تعلق روح کا بدن سے ہمیشہ رہتا ہے - اگرچہ جسم
ریزہ ریزہ اور چورا چورا ہو جائے - "

**فائدہ : قبر میں میت سے سوال وجواب کے وقت روح کا تعلق بدن سے پیدا ہو جاتا ہے - روح کا تعلق جسم کے بالائی حصہ سے ہوتا ہے کیونکہ قلب بالائی حصہ میں ہے اور سمجھنے کا آلہ ہے**

## قبر میں انبیاء علیہ السلام کے جسم کا تعلق روح سے دائمی ہوتا ہے

فجاء ابوبکرؓ فکشف عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقبلہ
فقال بابی انت وامی طبت حیا ومیتا - واللہ الذی نفسی بیدہ
لایذیقک اللہ الموتتین اس کی شرح میں ابن حجر نے فرمایا -

فاحسن من ھذالجواب ان یقال ان حیاتہ فی القبر لایعقبھا موت بل
یستمر حیاۃالانبیاء احیاء فی قبور ھم ۳۶ -

" پھر حضرت ابوبکرؓ آئے - حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ( کے
چہرہ انور ) سے کپڑا اٹھایا - بوسہ لیا اور کہا میرے ماں باپ آپ پر
قربان ہو جائیں - آپ حیات میں اور بعد حیات پاکیزہ ہی رہے اور

اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے آپ کو اللہ تعالے
دوبارہ موت نہ دے گا ۔ صاحب فتح الباری نے فرمایا کہ اس سے
احسن جواب یہ ہے کہ کہا جائے کہ قبر مبارک میں حضور صلی اللہ
علیہ وسلم کی زندگی ایسی دائمی ہے جس کے بعد موت نہیں اور انبیاء
قبروں میں زندہ ہوتے ہیں ۔ "

**فائدہ :** قبر میں سوال کے وقت روح کا جو تعلق بدن سے پیدا ہوتا ہے وہ انبیاء کے اجساد کے ساتھ دائمی رہتا ہے اس تعلق کو توڑا نہیں جاتا ۔ اسی تعلق کی وجہ سے انبیاء اپنی قبروں میں زندہ ہیں ۔ نمازیں بھی پڑھتے ہیں ۔ اہل السنت والجماعت کا یہی مذہب ہے ۔

## عذاب قبر جسم روح دونوں پر ہوتا ہے

وانعقد الاجماع علی عذاب القبر علی الروح والجسد جمیعا ۱۳۷

" اس پر اجماع امت ہے کہ ثواب وعذاب قبر روح اور جسم دونوں
پر ہوتا ہے ۔ "

وقد دلت الاحادیث مالایحصی علی عذاب القبر فانعقد علیہ
اجماع السلف ۱۳۸

" اور بے شمار احادیث عذاب قبر پر دلالت کرتی ہیں اور اس پر سلف
صالحین کا اجماع ہے ۔ "

الاول ان المیت حیی فی قبرہ فیعذب فھذاھومذھب اھل السنة
والجماعة ۱۳۹

" اول یہ کہ میت قبر میں زندہ ہوتا ہے اسے عذاب دیا جاتا ہے ۔
اور یہی مذہب اہل سنت والجماعت کا ہے ۔ "



احیاء الموتی فی قبورھم فمسائلة منکرو نکیر لھم وعذاب القبر
للکافروالفاسق کلھا حق عندنا فاتفق علیہ اسلف الامة ۱۴۰

" قبروں میں مردوں کا زندہ ہونا ۔ منکر نکیر کا سوال ہونا ۔ عذاب قبر
کافر اور فاسق کے لئے ہونا سب حق ہے اس پر سلف صالحین کا اتفاق
ہے ۔ "

**فائدہ :** ثواب وعذاب قبر چاہتے ہیں حیات کو ۔ حیات چاہتی ہے تعلق روح کا بدن سے ۔ اور یہ چاہتا ہے عود روح الی الجسد کو اور عود روح متواترات سے ہے اور عذاب وثواب روح وبدن دونوں پر اجماع امت ہے ۔ اور یہی مذہب اہل السنت والجماعت کا ہے ۔

## سماع موتی پر اجماع امت ہے

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کو تعلیم دی ہے کہ جب قبرستان سے گزریں تو کہیں **السلام علیکم دار قوم مؤمنین ۔**

فھذاخطاب لمن یسمع ویعقل فلولا ھذاالخطاب لکانوا بمنزلہ
خطاب المعدوم والجماد والسلف مجموعون علی ھذا فتواترت
الآثار منھم بان المیت یعرف بزیارۃالحی لہ ویستبشر ثم قال
فالخطاب والنداء لموجود یسمع ویخاطب ویعقل ویرد فان لم
یسمع المسلم الرد ۔ ۱۴۱

" یہ خطاب ( سلام کہنا ) اس شخص کے لیے ہے جو سنتا ہے
اور سمجھتا ہے ۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو بمنزلہ خطاب معدوم اور پتھر کے
تھا ۔ ( اور یہ محال ہے ) سماع موتی پر سلف صالحین کا اجماع ہے ۔
اور متواتر احادیث سے ثابت ہے کہ میت اس زندہ کو پہچانتا ہے جو

اس کی زیارت کو جاتا ہے اور خوش بھی ہوتا ہے پھر ابن کثیر نے
فرمایا - یہ خطاب ایسے آدمی کے لیے ہوتا ہے - جو سنتا ہے ' سمجھتا
ہے اور سلام کا جواب بھی دیتا ہے خواہ سلام کہنے والاجواب سنے یا
نہ سنے - "

**فائدہ :** اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ قبر سے مراد یہی گڑھا ہے اسی میں عذاب ہوتا ہے بدن اسی گڑھے میں ہے - ہاں یہ برزخ کا حصہ ہے - جیسے انسان دنیا میں آباد ہے مگر زمین کے کسی حصہ میں آباد ہوتا ہے اسی طرح میت برزخ میں ہے - مگر کسی حصہ میں ہے اور وہ حصہ قبر ہے جس میں مدفون ہے -

سوال : اگر قبر سے عالم برزخ مراد نہ لیا جائے بلکہ یہ گڑھا مراد ہو تو کئی حدیثوں کی تکذیب لازم آئے گی -

مثلاً جس میت کو درندے کھا گئے - پانی میں ڈوب گیا - آگ میں جل گیا تو اس کی قبر کہاں - پس قبر کے ایسے معنی عام لیے جائیں جس میں تمام افراد شامل ہوں ' نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شب معراج میں کسی کو خونی نہر میں معذب پایا کسی کو تنور میں وغیرہ - حالانکہ وہ قبر میں نہ تھے -

الجواب : علامہ ابن حجر رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں :

انما اضیف العذاب الی القبر لکون معظمہ یقع فیہ فلکون الغالب
علی الموتی ان یقبروا -

" عذاب کی نسبت قبر کی طرف بوجہ اکثریت کے کی گئی ہے کہ
اکثر قبر ہی میں عذاب ہوتا ہے - اور غالب حکم یہی ہے کہ میت کو
قبر میں دفن کیا جاتا ہے - "

**فائدہ :** اس سے معلوم ہوا کہ قبر میں دفن کرنا ایک قانون ہے - اس کے خلاف واقعہ شاذ ہو گا جو قانون کو توڑ نہیں سکتا -



پانی میں ڈوب جانے کے متعلق قرآن مجید نے بتادیا کہ **اغرقوا فادخلوا نارا** - فرعونی غرق کیے گئے اور فوراً آگ میں داخل کر دیئے گئے - یعنی جہاں بدن کے ذرات ہوں گے ان سے روح کا تعلق عذاب وثواب کے لیے لازمی ہو گا -

آگ میں جل جانے کے متعلق بخاری میں صاحب وصیت کا واقعہ موجود ہے جس نے وصیت کی تھی کہ میرے جسم کو جلا دیا جائے - راکھ کو پانی میں پھینک دیا جائے کچھ ہوا میں اڑا دی جائے وغیرہ - اللہ تعالے نے اجزا کو جمع کر کے زندہ کیا اور سوال کیا ......... الخ ..... زندہ کرنا بتاتا ہے کہ سوال وجواب کے وقت بدن میں روح آجاتی ہے - صاحب وصیت کی روح تو زندہ تھی - پھر ذرات کا جمع کرنا اور زندہ کرنا بتاتا ہے کہ روح کا تعلق بدن سے قائم کیا گیا ہے - رہا یہ امر کہ شب معراج میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے روح کو معذب پایا نہ کہ جسم کو تو ثابت کیا جا چکا ہے کہ روح اور جسم دونوں کو عذاب ہوتا ہے - اور روح جہاں بھی ہو اس کا تعلق بدن سے رہتا ہے - شب معراج میں برزخ میں روح کو معذب دیکھنے سے جسم کے عذاب کی نفی کیسے لازم آئی - خوب سمجھ لو کہ اگر بدن کو عذاب نہ ہوتا تو اعادہ روح کی حاجت نہ تھی - روح جہاں ہوتی عذاب ہو جاتا - اور یہ کہ قبر سے گڑھا مراد ہے ورنہ **تعاد الروح الی جسدہ** بے فائدہ ہے یعنی روح تو پہلے برزخ میں تھی - پھر اعادہ برزخ سے برزخ کی طرف کیونکر ہوا -

سوال : **انک لاتسمع الموتیٰ** اور **وماانت بمسمع من فی القبور** میں کفار کو حقیقی موتیٰ سے تشبیہ دی گئی ہے جو حقیقی معنوں میں موتیٰ ہیں - ان سے تو نفی سماع یقیناً ثابت ہوتی ہے -

الجواب - اس سے اتنا ثابت ہوتا ہے کہ میت پر حقیقی معنی موت کا اطلاق ہو جائے اور ہونا بھی چاہئے - رہا **لاتسمع** کا معاملہ تو یہ حقیقی معنوں پر محمول نہ ہو گا بلکہ مجاز مراد لیا جائے گا - قاعدہ ہے کہ مشبہ کو مشبہ بہ سے ' ایک وصف مشہورہ

میں ' جو مشبہ بہ کو لازم ہے تشبیہ دی جاتی ہے تشبیہ کی حقیقت یہ ہے کہ **اشتراک الشیئین فی وصف ھو لازم لاحدھما ومشھور بہ** جیسے **زید اسد** یہاں کفار کو وصف موت میں تو تشبیہ نہیں دی گئی - کیونکہ وصف دونوں میں مشترک نہیں - کفار تو حیات میں ہیں بلکہ سماع میں تشبیہ دی گئی ہے سماع میں یہ دونوں شریک ہیں - لیکن سماع سے مطلق سماع مراد نہیں ہو سکتا کیونکہ اس وصف میں دونوں مشترک نہیں - کفار کان رکھتے تھے - خوب سنتے تھے پھر مطلق سماع کی نفی کیسے مراد ہو سکتی ہے - لہذا یہاں " اطلاق مطلق علی المقید " ہے یعنی سماع نافع جو نفع سے مقید ہے مطلق سماع مراد نہیں پس آیت متذکرہ بالا میں یہ بتایا گیا ہے کہ جس طرح انبیاء کی تبلیغ کا مردوں کو کوئی فائدہ نہیں پہنچتا اسی طرح ان کی تبلیغ کفار کو بھی کوئی فائدہ نہیں دیتی کیونکہ وہ موتی القلوب ہیں - ثابت ہوا کہ یہاں مطلق کی نفی نہیں ہو رہی بلکہ اس سماع کی نفی ہے جو انسان کے لیے مفید ثابت ہو اور یہی وصف ان میں مشترک ہے -

بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ یہاں " اسماع " کی نفی ہے سماع کی نہیں - اس بنیاد پر بعض جدید مفسرین قرآن جو فی الحقیقت محرفین قرآن ہیں اور جو فن تحریف کتاب الٰہی میں اہل کتاب اور دیگر محرفین حضرات سے بھی سبقت لے گئے ہیں - یہ نکتہ نکالتے ہیں کہ " سماع مطاوعہ ہے اسماع کا اور مطاوعہ تابع ہوتا ہے اپنے مطاوعہ کا جو اصل ہے اور فرع اپنے اصل کے مخالف نہیں ہوتا " اس کا جواب یہ ہے کہ سماع کو اسماع کا مطاوعہ بتانا ہی غلط ہے حقیقت یہ ہے کہ یہ از قبیل **ترتب احد الفعلین علی الاخرمن غیر تاثیر** ہے جیسے **اسمعتہ فلم یسمع ہدیتہ فلم یھتد** یہ افعال ترتب احد الفعلین علی الاخر من غیر تاثیر ہیں -

جواب ثانی : افعال انسانی دو قسم ہیں - (1)عادیہ طبعیہ یعنی بطور عادت اور (2) خرق عادت قسم ثانی کے افعال کا صدور انسان سے خواہ اپنے اختیار سے ہی



ہو جائے ان کی نسبت انسان کی طرف نہیں کی جاتی بلکہ باری تعالیٰ کی طرف کی جاتی ہے - آیت بالا میں اسی حقیقت کا اظہار ہے کہ تم نہیں سنا سکتے میں سنا سکتا ہوں - **ولکن اللہ یسمع من یشاء** اور **وماریت اذرمیت ولکن اللہ رمی** اور **فلم تقتلوھم ولکن اللہ قتلھم** وغیرہ - اسی طرح اولیاء اللہ جو برزخ والوں سے کلام کرتے ہیں وہ بھی خرق عادت کے طور پر ہوتی ہے امور عادیہ سے نہیں ہوتی -

سوال : کسی نے حلف اٹھایا کہ میں زید سے کلام نہیں کروں گا یا کپڑا نہیں پہناؤں گا یا اسے نہیں پیٹوں گا- اگر اس سے یہ افعال زید کی موت کے بعد صادر ہوئے تو حانث نہ ہو گا - کیونکہ میت میں حس نہیں - نہ سنتا ہے نہ مارنے سے متألم ہوتا ہے -

الجواب : ایمان کی بنیاد عرف پر ہے عرف میں کلام کرنا ' مارنا وغیرہ افعال حیات حالی سے مقید ہے مثلاً زید مرگیا ' اس کی میراث تقسیم ہو گئی - بیوی دوسری جگہ نکاح کر گئی - پھر کسی نبی کے معجزہ یا ولی کی کرامت سے زندہ ہوا تو اسے نہ عورت ملے گی نہ میراث - کیونکہ ان کا تعلق سابقہ حیات سے تھا - یا مثلاً ایک کافر مرگیا ' کسی نبی کے معجزہ سے زندہ ہوا ' اب اگر ایمان لائے تو قبول نہ ہو گا - کیونکہ کفروایمان کا تعلق حیات سابقہ سے تھا - اسی طرح اس حلف کا تعلق بھی حیات معروف سے ہے - س سے یہ ثابت کرنا کہ میت سنتا نہیں یا متألم نہیں ہوتا حماقت ہے - پھر اس استدلال کو ائمہ کرام سے منسوب کرنا ان پر بہتان ہے -

واما المتفقہم بریئون عن انکار ھذہ الامور وانما حکموافی الحنث بالضرب والکلام والدخول علیہ ونحوھا بعدم الحنث عند وجود ھذہ الاشیاء بالمیت لکون الایمان مبنیۃ علی العرف والعرف قاض ان ھذہ الاموریرادبھا ارتباطھا مادام الحیاۃ لابعد

الموت فی الکلام بالمیت وان کان کلاما حقیقہ ویوجد فیہ الاسماع والافہام لکن العرف بحکم بان المراد بقولہ لا اکلمک ہو الکلام حالہ حیاتہ وکذاالایلام فان کان یتحقق فی المیت لکن العرف قاض علی ان المراد فی قولہ لاضربک ہو ضربہ حیالامیتا ١٤٢

" جہاں تک ہمارے آئمہ کرام کا تعلق ہے وہ ان امور کے انکار سے بری ہیں - انہوں نے میت کو مارنے ' اس سے کلام کرنے وغیرہ افعال کی صورت میں حانث نہ ہونے کا فیصلہ کیا ہے - کیونکہ ایمان کی بنا عرف پر ہے - اور عرف پر ہی ان امور کا فیصلہ کیا جاتا ہے - اس سے مراد حالی زندگی میں لی جاتی ہے - نہ کہ بعد موت - اور میت سے جو کلام کی جائے اگرچہ وہ کلام حقیقی ہوتی ہے اور اس میں اسماع وافہام پایا جاتا ہے لیکن عرف کی رو سے اس کے قول کا تعلق کہ میں کلام نہیں کروں گا - حالت حیات سے ہے اور یہی صورت ایلام کے بارے میں ہے خواہ اس کا تحقق میت میں ہو جائے لیکن عرف کا فیصلہ یہ ہے کہ اس قول سے مراد کہ میں اسے نہ ماروں گا حیات سے تعلق رکھتا ہے نہ کہ بعد موت سے - "

سوال : حضرت فاروق اعظمؓ اور حضرت عائشہؓ سماع موتی کا انکار فرماتے ہیں آخر کیوں ؟

الجواب : فاروق اعظمؓ کے مبینہ انکار کی بنیاد جس روایت پر رکھی گئی ہے ' اس کی حقیقت ملاحظہ ہو :

وکان اذاظہر علی قوم اقام بالعرصہ ثلث لیال فلما کان ببدر الیوم



الثالث امربراحلتہ فشد علیہا رحلہا ثم مشی واتبعہ اصحابہ حتی قام علی شفہ الرکی فجعل ینادیہم باسمائہم..... فقال عمر یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ماتکلم من اجساد لاارواح لہاقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم والذی نفس محمد بیدہ ماانتم باسمع لما اقول منہم ١٤٣

" حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت مبارک یہ تھی کہ جب کسی قوم پر فتح پاتے تو تین دن رات وہاں قیام فرماتے - جب بدر میں تیسرادن آیا تو سواری کا حکم دیا - اس پر پالان رکھا گیا - پھر آپ ' بدر کے گڑھے کی طرف چلے گئے اور اس کنوئیں کے کنارے کھڑے ہوئے جس میں صنادید قریش کی لاشیں پڑی تھیں پھر ان کا نام لے لے کر پکارنے لگے ... پس حضرت عمرؓ نے عرض کی یا رسول اللہ ' آپ ان اجساد سے کیسے کلام فرمارہے ہیں جن میں ارواح نہیں تو حضور ' نے جواب دیا قسم اس ذات کی جس کے قبضے میں محمد ' کی جان ہے تم ان سے زیادہ نہیں سن سکتے - " الخ

فائدہ : اس روایت سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ کا سوال انکار پر مبنی نہیں تھا بلکہ دریافت مسئلہ کے لیے تھا۔ جب حضور اکرمؐ کا جواب سنا کہ " تم ان سے زیادہ نہیں سنتے " تو کیا عمر فاروقؓ جیسے شخص کے انکار کی کوئی گنجائش باقی رہتی ہے ۔ اس کے بعد انکار تو کیا حضرت عمرؓ کے تعجب ہی کی کوئی دلیل پیش کیجئے ۔

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ تعجب اس بات پر تھا کہ ان کو مرے ہوئے تین دن گزر گئے ہیں ۔ نکیرین کے سوال وجواب کا وقت تو گزر چکا تو کیا اب بھی یہ لوگ سنتے ہیں ؟ اس امر کی شہادت دوسری روایات سے ملتی ہے ۔

عن ابی ھریرۃ ان امراۃ سوداء کانت تقم المسجد ففقدھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فسئال عنھا بعد ایام فقیل لہ انّھا ماتت۱۴۴

" ابوہریرہؓ سے روایت کہ ایک سیاہ رنگ کی عورت مسجد میں جھاڑو دیتی تھی ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک روز اسے نہ پایا۔ چند روز کے بعد اس کے متعلق پوچھا تو بتایا گیا کہ وہ مر چکی ہے ۔"

دوسری روایت عبداللہ ابن مرزوق سے :

فمر علیٰ قبرھا فقال ماھذا القبر فقالوا ام محجن قال التی تقم المسجد قالوانعم وصف الناسؔ فصلی علیھا ثم قال ای العمل وجدت افضل قالواؔ یا رسول اللہ اتسمع ؟ فقال ما انتم باسمع منھا فذکر انھا اجابتہ تقم المسجد ۱۴۵

"ابن مرزوق کی روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس کی قبر کے پاس سے گزرے ' پوچھا یہ کس کی قبر ہے ۔ عرض کیا ام محجن کی ۔ فرمایا جو مسجد میں جھاڑو دیتی تھی ۔ عرض کیا جی ہاں پھر



صف باندھی گئی ۔ نماز جنازہ پڑھی ۔ پھر ام محجن سے سوال کیا تم نے کونسا عمل افضل پایا ۔ صحابہ نے عرض کی ۔ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا یہ آپ کی آواز سن رہی ہے ؟ فرمایا تم اس سے زیادہ نہیں سن سکتے ۔ پھر عورت نے جواب دیا مسجد میں جھاڑو دینے کے عمل کو افضل پایا ۔ "

فائدہ : ان احادیث سے دوام سماع کا ثبوت ملتا ہے (اگر اللہ تعالےٰ چاہے) ام محجن سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کئی دنوں کے بعد پوچھا کہ تو نے کس عمل کو افضل پایا تو اس نے جواب دیا ۔ معلوم ہوا کہ میت سے سوال وجواب کے لیے وقت کی قید جو منکرین سماع موتیٰ پیش کرتے ہیں غلط ہے ۔ مشکوٰۃ اور الترغیب کی روایات ملانے سے یہ معلوم ہوا کہ سماع موتیٰ کا ثبوت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک صورت میں تین دن بعد اور دوسری صورت میں کئی دن بعد ثابت ہے ۔ یہ ہے حضرت عمرؓ کے مبینہ انکار سماع موتیٰ کی حقیقت اور بس ۔

رہا حضرت عائشہؓ کے انکار کا سوال تو ان کی زبانی ایک روایت ملاحظہ ہو :

قالت قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مامن رجل یزور قبر اخیہ فیجلس عندہ الا استانس بہ ورد علیہ ۱۴۶

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص اپنے بھائی کی قبر کی زیارت کرے اور قبر کے پاس بیٹھے تو وہ میت اس سے مانوس ہوتا اور سلام کا جواب دیتا ہے ۔ "

یہ حدیث سماع موتی کے حق میں واضح ہے مگر منکرین اس پر جرح کرتے ہیں کہ یہ ضعیف ہے لیکن جب اس کی شواہد مرفوع حدیثیں موجود ہیں تو یہ قوی ہو گئی جیسا:

عن ابن عباس مرفوعا مامن احد یمر بقبر اخیه المسلم کان یعرفه فی الدنیا فیسلم علیه الا رد الله علیه روحه حتی یرد علیه السلام رواه ابن عبدالبر مصححا له عن ابن عباس وعن ابی هریرة قال اذامرالرجل بقبر یعرفه مسلم علیه رد علیه السلام ۱۳۷

ثم قال هذا باب فیه اثار کثیرة من الصحابه ۱۳۸

" ابن عباسؓ سے صحت کے ساتھ مرفوعا مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب کوئی شخص جو اپنے اس مسلمان بھائی کی قبر سے گزرے جو اسے دنیا میں پہچانتا تھا اور اسے سلام کہے تو اللہ تعالی میت کی روح کو لوٹا دیتا ہے اور وہ اسے سلام کا جواب دیتا ہے اور حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب کوئی آدمی کسی ایسے آدمی کی قبر سے گزرے جسے وہ پہچانتا ہو اور وہ سلام کہے تو میت اس کے سلام کا جواب دیتا ہے۔

پھر ابن کثیر نے فرمایا کہ سماع میت کے بارے میں صحابہؓ کے بہت سے آثار منقول ہیں۔ "

کتب فقہ میں عدم سماع کا ذکر باب یمین میں ہے۔ اور یہ مشائخ کا اپنا استخراج ہے۔ ورنہ امام ابوحنیفہ رحمتہ اللہ علیہ امام ابویوسف رحمتہ اللہ علیہ اور امام محمد رحمتہ اللہ علیہ سے کوئی روایت عدم سماع کی نہیں۔ شرح وقایہ کے حاشیہ پر ترجمان حنفیت مولانا عبدالحی لکھنوی فرماتے ہیں۔



فبالجملة لم یدل دلیل قوی علی نفی سماع المیت وادراکه وفهمه وتالمه لامن الکتاب ولامن السنة بل السنة الصحیحة الصریحة دالة علی ثبوتها له فالحق فی هذا المقام ان هذا کله من تقریرات المشائخ فتوجیهاتهم فتکلفاتهم فلاعبرة بها حین مخالفتها للاحادیث الصحیحة والآثار الصحابة الصریحة۔ ۱۳۹

" حاصل کلام یہ ہے کہ کوئی دلیل قوی، نفی سماع، میت پر یا نفی ادراک میت یا نفی فہم میت پر یا میت کے متالم نہ ہونے پر نہ قرآن کریم سے ثابت ہے نہ حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے بلکہ احادیث صحیحہ تو سماع موتی کے ثبوت پر دال ہیں اور حق یہ ہے عدم سماع کی تمام تقریریں مشائخ کی ہیں انہی کی توجیہات اور انہی کے تکلفات باردہ ہیں۔ ان تقریرات کا کوئی اعتبار نہ ہوگا جب وہ احادیث صحیحہ اور صریح آثار صحابہؓ کے خلاف ہیں۔ "

**فوائد: ۱:** قرآن مجید میں کوئی آیت موجود نہیں جس کا مدلول عدم سماع میت ہو۔

**۲:** جو آیات قرآنی عدم سماع کے ثبوت میں پیش کی جاتی ہیں وہ تاویلات باطلہ کے ارتکاب کے سوا کچھ نہیں۔ ورنہ لازم آئے گا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا عقیدہ اور صحابہ کرامؓ کا عقیدہ خلاف قرآن تھا۔ العیاذ باللہ

**۳:** حضرت عزیر علیہ السلام اور اصحاب کہف کے واقعہ سے عدم سماع ثابت کرنا اسی قسم کی غلطی ہے۔ حالانکہ ان میں علم کی نفی مقصود ہے سماع کی نفی مراد نہیں اور عدم علم عدم سماع کو مستلزم نہیں۔ باقی جس قدر آیات قرآنی اس سلسلے میں پیش کی جاتی ہیں ان کا مدلول عدم سماع نہیں بلکہ عدم مختاریت اور عدم الوہیت ہے۔ کفار چونکہ آلہ باطلہ کو مختار کل اور مختار بالذات سمجھتے تھے اسلئے مختاریت کی نفی کی گئی ہے۔

۴ : ان احادیث اور آثار صحابہؓ سے ظاہر ہے کہ صحابہؓ کا عقیدہ سماع موتی کے حق میں تھا - جمہور علماء کا بھی یہی عقیدہ تھا جیسا کہ فتح الباری کے حوالہ سے بیان کیا جا چکا ہے فقہ کے ائمہ اربعہ رحمتہ اللہ علیہم کا مذہب بھی یہی ہے - مولانا عبدالحی لکھنوی رحمتہ اللہ علیہ کی رائے اس سلسلہ میں قول فیصل کی حیثیت رکھتی ہے -

تنبیہہ : یہ امر خصوصیت سے پیش نظر رہے کہ سماع موتی سے مراد اہل قبور اور اولیاء اللہ کو حاجت روا اور مشکل کشا سمجھنا نہیں بلکہ اس سے مراد وہی ہے جو احادیث میں بیان کی گئی ہے - ورنہ نداء غائبانہ تو شرک ہے اور قبور کو سجدہ کرنا حرام ہے - فاعل مختار صرف اللہ کی ذات ہے - انبیاء علیہم السلام اور اولیاء سب اس کے محتاج ہیں -



# :- روح سے اکتساب فیض ممکن نہیں

یہ بیان کیا جا چکا ہے کہ جو معارف اور کمالات علمی انسان نے دنیا میں حاصل کیے - وہ بدن کی مفارقت کے بعد روح سے سلب نہیں کیے جاتے - بلکہ برزخ میں جا کر دنیا کے مقابلے میں زیادہ واضح اور وسیع ہو جاتے ہیں - اب دیکھنا یہ ہے کہ کیا دنیا کا کوئی انسان برزخ میں ارواح سے ملاقات کر سکتا ہے اور ان سے اخذ فیض کر سکتا ہے یا نہیں -

## حضور اکرمؐ کی ارواح انبیاء علیہ السلام سے ملاقات

واقعہ معراج کے سلسلے میں حافظ ابن کثیر رحمتہ اللہ علیہ لکھتے ہیں -

ثم لقی ارواح الانبیاء فاثنوا علی ربهم ۱۵۰

پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انبیاء کے ارواح سے ملاقات کی اور ان ارواح نے اللہ تعالے کی صفت وثناء کی - "

حضرت ابن مسعودؓ سے مروی ہے کہ :

قال لقیت لیلة اسری بی ابراهیم وموسی علیهم السلام فتذاکرنی امر الساعة فردوا امرهم الی ابراهیم فقال لاعلم لی بها ثم الی موسی فقال لاعلم لی بها ثم الی عیسی الخ ۱۵۱

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں معراج کی رات حضرت ابراہیم حضرت موسیٰ اور حضرت عیسٰی علیہم السلام سے ملا - آپس میں قیامت کے متعلق گفتگو ہوئی - سب نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف اشارہ کیا - پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام پھر حضرت عیسٰی علیہ السلام کی طرف - مگر سب حضرات نے فرمایا ہمیں قیامت کے متعلق کوئی علم نہیں - "

## روح سے کسب فیض

فمررت علیٰ موسیٰ فقال بما امرت قلت امرت بخمسین صلوٰۃ کل یوم قال ان امتک لا تستطیع خمسین صلوٰۃ کل یوم وانی واللہ قد جربت الناس قبلک وعالجت بنی اسرائیل اشد المعالجۃ فارجع الی ربک فسئلہ التخفیف لامتک ۱۵۲

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرا گذر حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ہوا - انہوں نے پوچھا آپ کو کس چیز کا حکم ہوا - میں نے کہا دن رات میں پچاس نمازوں کا - انہوں نے فرمایا آپ کی امت پچاس نمازوں کی طاقت نہیں رکھتی میں نے آپؐ سے پہلے لوگوں کا بڑا تجربہ کیا اور بنی اسرائیل کی اصلاح میں... نہایت درجے کی کوشش کی - پس آپؐ اپنے رب کے پاس لوٹ جائیں اور تخفیف کی درخواست کریں - "

فائدہ : حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مشورہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم بار بار لوٹ کر جاتے رہے حتیٰ کہ پانچ نمازیں رہ گئیں -

لقیت ابراھیم لیلۃ اسری بی فقال یا محمد اقرء امتک منی السلام واخبرھم ان الجنۃ طیبۃ التربۃ عذبۃ الماء فانھا قیعان فان غراسھا سبحان اللہ والحمد للہ ولا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر۱۵۳

حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ معراج کی رات میری ملاقات حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ہوئی - آپ نے فرمایا اپنی امت کو میرا سلام پہنچائیں - اور انہیں بتائیں کہ جنت پاک صاف مٹی ہے - پانی میٹھا ہے صاف میدان ہے - اس میں باغ لگانے والے یہ کلمات ہیں - سبحان اللہ الخ - "



فائدہ : ان روایات سے ثابت ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارواح انبیاء سے ملاقات کی - ان کے پیغامات سنے اور ان کے مشورہ پر عمل کر کے امت کے حق میں تخفیف کرائی -

یہ اصول پیش نظر رہے کہ جو کام حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا یا فرمایا ' یا انکار نہیں کیا - یا جو کام کسی نے آپؐ کے سامنے کیا اور آپؐ نے پسند فرمایا - یا آپؐ نے کسی کام کا اشارہ فرمایا ' یا سوچا ' یا قصد فعل کیا ' یہ سب اقسام حدیث ہیں اور امت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہر فعل میں شریک ہے - جب تک تخصیص کی کوئی دلیل قائم نہ ہو جائے -

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک فعل کی تفصیل تو ہم نے بیان کر دی اب امت میں اس کی مثالیں دیکھیے -

## روح سے اجرائے فیض

حرہ کی جنگ کے سلسلے میں سعید بن عبدالعزیز کی زبانی حضرت سعید بن المسیب کا واقعہ سنیے -

قال لما کان ایام الحرۃ لم یوذن فی مسجد النبی صلی اللہ علیہ وسلم ثلاثا فلم یقم - فلم یبرح سعید بن المسیب المسجد وکان لایعرف وقت الصلوٰۃ الا بھمھمۃ یسمعھا من قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم ۱۵۴

" فرمایا - ایام حرہ میں تین دن تک مسجد نبویؐ میں نہ اذان ہوئی نہ اقامت - اور سعید بن المسیب برابر مسجد نبوی ہی میں رہے - اور انہیں نماز کے وقت کا علم صرف اس آواز سے ہوتا تھا جو نبی اکرمؐ کی قبر مبارک سے سنائی دیتی تھی -

روح سے اخذ فیض کے متعلق علامہ ابن تیمیہ رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں -

**وقال لایدخل فی هذا الباب ما یروی من ان قوما سمعوا رد**
**السلام من قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم اوقبور غیرہ وان سعید**
**بن المسیب کان یسمع الاذان من القبر لیالی الحرة فنحو ذلک**
**فهذا کلہ حق لیس مما نحن فیہ والامر اجل من ذالک واعظم**
**وکذالک ایضا ما یروی ان رجلاً جاء الی قبر النبی صلی اللہ علیہ**
**وسلم فشکا الیہ الجدب عام الرمادة فراہ فهو یامرہ ان یاتی عمر**
**فیامرہ ان یخرج لیستسقی بالناس فان هذا لیس من هذا الباب**
**فمثل هذا یقع کثیرا لمن هو دون النبی صلی اللہ علیہ وسلم**
**اللغیرہ من امتہ ۱۵۵**

" فرمایا شرک وبدعت میں یہ چیز داخل نہیں جو روایت کی گئی ہے کہ کچھ لوگوں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر سے سلام کا جواب سنا - اور باقی اولیاء اللہ کی قبروں سے بھی سنا - اور یہ کہ سعیدؓ بن المسیب نے ایام حرہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر سے تین دن آذان کی آواز سنی - اس قسم کے تمام واقعات حق ہیں - مگر میری بحث ان واقعات سے نہیں - اور حقیقت یہ ہے کہ ان سے بڑے بڑے واقعات بھی ہوئے ہیں - جیسے روایت ہے کہ ایک شخص نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کے پاس آیا اور عام رماد کی قحط سالی کی شکایت کی - اس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ اسے حکم دے رہے ہیں کہ عمرؓ کے پاس جاؤ اور کہو کہ " نماز استسقاء پڑھائیں " یہ واقعات شرک وبدعت کے باب سے نہیں ہیں - اس قسم کے کثیر واقعات نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم



کے علاوہ آپؐ کی امت کے بزرگان دین سے بھی ثابت ہیں - "

یہ قحط سالی کا واقعہ فتح الباری میں ابن ابی شیبہ کی روایت سے باسناد صحیح مرقوم ہے ۱۵۶

**فائدہ :** ان احادیث سے روح کا نظر آنا ، کلام کرنا ، روح کو علم ہونا ، حالات یاد ہونا ، زندہ کو سلام بھیجنا روح سے استفادہ ثابت ہوا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارواح انبیاء سے استفادہ کیا - قحط کی شکایت کرنے والے نے بیداری میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی - کلام سنی - حضرت عمرؓ کو پیغام دیا - سعید بن المسیب نے بیداری میں آذان کی آواز سنی -

یہ ہیں روح سے کسب فیض کے سمعی دلائل - یہ ہے سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم جسے مسلمان بھول چکے ہیں - آج اس مردہ سنت کو جو شخص زندہ کرے گا وہ سو شہیدوں کا ثواب حاصل کرے گا - افسوس ہے ان علماء سوء پر جو تصوف وسلوک کو بدعت کہتے ہیں - سلوک اور باطنی فیض حاصل کیے بغیر یہ سنت زندہ نہیں ہو سکتی -

جہاں تک ذوقی دلائل کا تعلق ہے صوفیہ کا ذتہ اور محققین علمائے ظواہر اس پر متفق ہیں کہ خواص امت کو روح سے فیض ملتا ہے - رہا یہ سوال کہ کیسے ملتا ہے تو اس حقیقت کا سمجھ میں آنا عارفین کاملین کا دامن پکڑے بغیر محال ہے - اس کا تعلق ظاہری علم سے نہیں کہ کتابوں سے پڑھ کر آدمی روح سے اخذ فیض کا طریقہ سیکھ لے - اس شعبہ میں آکر ایک عام جاہل آدمی اور عالم ظاہر بیں میں کوئی فرق نہیں - فرشتے بڑی مقدس ہستیاں ہیں - مگر شادی کی کیفیت اور شہد کی لذت سمجھنے سے قاصر ہیں - اس لیے **من ذاق ذاق ومن وجد وجد** سو روح سے اکتساب فیض کا طریقہ یہی ہے کہ کسی کامل کی شاگردی اختیار کرو - رضائے الٰہی مقصد رکھو - ذکر الٰہی میں مشغول ہو جاؤ - یہ نشانات راہ نظر آجائیں گے -

پہلے بیان کر چکا ہوں کہ آدمی رضائے الٰہی کو مقصد بنا کر اور طلب صادق لے کر ہمارے سلسلہ میں آجائے تو انشاء اللہ تعالیٰ چھ ماہ کے عرصہ میں روح سے کلام بھی کرلے گا - روح کو دیکھ بھی لے گا - حتیٰ کہ یہ بھی دیکھ لے گا - روح علیین میں ہو اور بدن صحیح ہو تو روح کا تعلق بدن سے کس طرح ہوتا ہے - اور اگر بدن صحیح نہ ہو تو ذرات جسم کے ساتھ روح کا تعلق کیسے ہوتا ہے اور یہ بھی دیکھ لے گا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روح مبارک کا تعلق آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم اقدس سے جس صورت میں ہے ' اس کی کیفیت کیا ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم قبر مبارک میں کس کیفیت سے زندہ ہیں - بلکہ یہ بھی دیکھ لے گا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سینہ مبارک سے انوار کی بارش کس طرح ہوتی ہے اور ان انوار کی تاریں کس طرح مسلمانوں کے قلوب تک پہنچی ہیں - اور یہ فیض کی تاریں کس طرح مومنوں کے ایمان کو قائم رکھے ہوئے ہیں -

میں جانتا ہوں کہ میری ان باتوں سے بعض لوگوں کو سخت تکلیف ہو گی - مگر یہ کوئی تعجب کی بات نہیں - کیونکہ ہم عصر ایک دوسرے کے کمالات کو کب تسلیم کرتے ہیں - بلکہ بعید نہیں کہ پیشہ ور فتویٰ باز حرکت میں آجائیں - کیونکہ ہر زمانے میں ایسا ہوتا رہا ہے - مگر میری غرض اظہار حق ہے -اور تصوف وسلوک اسلامی کو حقیقی رنگ میں پیش کرنا ہے جسے دنیا پرست دکان داروں نے ایسا مسخ کر دیا ہے کہ اس کا پہچاننا مشکل ہو گیا ہے - آنے والی نسلیں ان شاء اللہ تعالےٰ اس سے ضرور فائدہ اٹھائیں گی -



**۵ :** اگر صوفیہ عارفین رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہوتے ہیں تو صحابی ہوئے - اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کلام کرتے ہیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے جو کلام سنتے ہیں وہ حدیث ہوئی - پھر صحابہؓ اور ان صوفیاء میں کیا فرق ہوا - اور حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں اور ان سے کلام کے سلسلے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان میں کیا فرق ہوا ؟

## الجواب : صحابی ہونے کی شرط

صحابی ہونے کے لئے دو شرطیں ہیں اول حیات جسمانی اور مکلف ہونا یعنی نماز ' روزہ ' حج ' زکوٰۃ وغیرہ فرائض ادا کرنا اور احکام شرع کی پابندی کرنا دوم اسی عالم آب وگل میں صحبت کا شرف حاصل ہونا -

ولایلزم من ذلک ان الرائی صحابی لان الشرط الرؤیۃ فی عالم الملک لافی عالم الملکوت ۱۵۷

" اور اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ دیکھنے والا صحابی بن جائے کیونکہ رویت کی شرط اسی عالم آب وگل کے ساتھ مختص ہے عالم ملکوت سے نہیں - "

صوفیہ کرام کی رویت میں یہ دونوں شرطیں مفقود ہیں انہیں یہ شرف صحبت عالم برزخ میں روحانی طور پر حاصل ہوتا ہے - جہاں روح کا تعلق بدن سے تو ہے مگر تدبیر وتصرف کا تعلق نہیں پس صحابی ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا -

## حدیث کی حقیقت

جو کلام رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تلقی روحانی سے اخذ کیا ہو اور جسم مادی کی زبان سے بیان فرمایا ہو وہ حدیث ہے - پس صوفیہ کے روحانی کلام پر حدیث کا اطلاق نہیں ہو سکتا - البتہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے صحیح حدیث کی تصدیق کرائی جا سکتی ہے - اور اس کی مثال موجود ہے - مشکوٰۃ میں ایک واقعہ آتا ہے کہ ابی عیاشؓ صحابی نے **لاالٰہ الا اللہ واللہ اکبر** کے فضائل بیان کیے

تورات کو ایک صحابی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا اور اس کی تصدیق کرائی ۔[۴۱]

فرای رجل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فیما یری النائم فقال یا رسول اللہ ان اباعیاش یحدث عنک کذاوکذا قال صدق

ابوعیاش ۱۵۸

" ایک شخص نے خواب میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا اور عرض کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم ! ابوعیاشؓ کلمہ لا الہ الا اللہ الخ کا ثواب اس طرح بیان کرتا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس نے سچ کہا ۔ "

فائدہ : خواب میں تصدیق شدہ حدیث کو کتب حدیث میں داخل کیا گیا ہے ۔ مگر یہ تصدیق اس حدیث کی تھی جو آپ دنیا میں بیان فرما آئے تھے ۔ اس تصدیق سے مزید تاکید اور تائید ہو گئی ۔ برزخی حدیث سے کوئی نیا حکم ثابت نہ ہو گا ۔ سابقہ احکام کی تائید وتصدیق ہو سکتی ہے اور صوفیہ بھی یہی کرتے ہیں اور بیداری کے عالم میں تصدیق کرالیتے ہیں ۔

صوفیہ کرام میں جو اصحاب کشف ہوتے ہیں وہ صحیح حدیث کی پہچان ایک اور طریقہ سے بھی کر لیتے ہیں ۔ وہ یوں کہ صحیح حدیث جب پڑھی جائے تو اس کے ساتھ انوار ہوتے ہیں اور موضوع حدیث کے ساتھ ظلمت نکلتی ہے ۔ اور اہل کشف کو وہ انوار اور ظلمت نظر آتے ہیں ۔ اس طرح صوفیہ کرام کسی حدیث کی صحت وعدم صحت میں تمیز کر سکتے ہیں ۔

۶ : خلافت راشدہ کے دور میں انتخاب خلیفہ کے بارے میں صحابہؓ کا اختلاف ہوتا رہا ۔ پھر جنگ جمل اور صفین میں فتنوں کے دروازے کھلے تو صحابہؓ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی روح پر فتوح سے دریافت کر کے یہ مسائل کیوں نہ حل کر لیے ۔ نیز صحابہؓ سے اس قسم کے واقعات منقول نہیں جو چیز صحابہؓ کو حاصل نہیں تھی وہ صوفیہ کو کیونکر حاصل ہو گئی ؟



الجواب : اس اعتراض کے دو حصے ہیں ۔ پہلے ہم اس کا جواب دیتے ہیں کہ صحابہؓ نے یہ مسائل کیوں نہ حل کرالیے ۔

قرآن کریم نے مسئلہ خلافت بیان فرمایا ۔ خلفاء کے اوصاف بھی بیان فرمائے مگر خلیفہ کی تعیین نہیں فرمائی ۔ پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خلافت کے متعلق کئی باتیں بطور پیشین گوئی بیان فرمائیں ۔ خلفاء کے اوصاف بیان فرمائے مگر خلفاء کے نام نہیں گنوائے ۔ اسی طرح آنے والے فتنوں کے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا ۔ دجالوں ، کذابوں اور مدعیان نبوت کا ذکر فرمایا مگر کسی کا نام نہیں لیا ۔ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اس دنیا کی زندگی میں خلافت کا مسئلہ نہ حل فرمایا نہ صحابہؓ نے اس کا حل دریافت کیا نہ آنے والے فتنوں کا حل صاف صاف آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہ صحابہؓ نے دریافت کیا ۔ اب فرمایئے کہ جو مسئلہ اس کی اہمیت کے باوجود حیات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں صحابہؓ نے حل نہ کرایا بعد وفات اس کے متعلق استفسار کیا معنیٰ رکھتا ہے ؟

اب اس کی حقیقت سمجھیں ۔ عین حیات میں ان مسائل کے حل نہ بتانے کی وجہ یہ ہے کہ واقعات قبل از وقوع حل نہیں کیے جاتے ۔ خلیفہ کا مقرر کرنا امت کا اپنا فرض ہے ۔ تقاضائے وقت کے مطابق فتنوں کا بند کرنا بھی ان کا اپنا فرض ہے ہاں حل کے طریقے خود اللہ تعالیٰ نے اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بتادیئے ۔ مسلمان اس امر کے مکلف ہیں کہ اپنے اختیار اور صلاحیتوں کو ان طریقوں کے مطابق کام میں لائیں جو خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے بتادیے ہیں ۔ اس اعتراض کا دوسرا حصہ یہ ہے کہ صحابہؓ سے اس قسم کے کشف کے

واقعات منقول نہیں تو اس کا جواب سنیے ۔

**ا:** امام رازی رحمتہ اللہ علیہ نے صدیق اکبرؓ کے دفن کا واقعہ تفصیل سے لکھا ہے جب تجہیز و تکفین سے فارغ ہوئے تو صحابہؓ نے چارپائی اٹھائی اور اس حجرہ کے دروازہ پر رکھ دی جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مدفون تھے ۔

لما حمل جنازته الی باب قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم فنودی السلام علیک یا رسول اللہ هذا ابوبکر بالباب ۔ فاذالباب قدانفتح واذا بها تف یهتف من القبرادخلوا الحبیب الی الحبیب ۱۵۹

" جب حضرت ابوبکرؓ کا جنازہ اٹھا کر قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دروازے کے سامنے رکھا گیا اور آواز دی گئی ۔ السلام علیک یا رسول اللہ یہ ابوبکر دروازہ پر ہے ۔ اچانک دروازہ کھل گیا اور قبر کے اندر سے آواز آئی ۔ حبیب کو حبیب کے پاس لاؤ ۔ "

**فائدہ :** " جوار رسول صلی اللہ علیہ وسلم " کے موضوع پر شیعہ کے جواب میں مکمل بحث " رسالہ الفاروق " میں آچکی ہے ۔ ایک درجن کتابوں کے حوالوں سے یہ ثابت کیا گیا ہے کہ صدیق اکبرؓ روضہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت سے دفن کیے گئے ۔ اس وقت ہزاروں صحابہ کرامؓ موجود تھے جنہوں نے یہ آواز سنی ۔

**۲ :** فاروق اعظمؓ کے متعلق ابن کثیر اور ابن حجر نے ایک روایت بیان کی ہے کہ ایک جوان مسجد نبویؐ میں رہتا تھا وہ فوت ہو گیا ۔ چند روز کے بعد حضرت عمرؓ کو معلوم ہوا ۔ آپ نے اس کے باپ سے تعزیت کی اور اس کی قبر پر گئے ۔

فذهب فصلی علی قبره بمن معه ثم ناداه عمرؓ فقال یا فتی لمن خاف مقام ربه جنتان ۔ فاجابه الفتی من داخل القبر یا عمرؓ



اعطانیها ربی عزوجل فی الجنة مرتین۱۶۰

" پس فاروق اعظمؓ اس کی قبر پر گئے ۔ ساتھیوں کے ہمراہ جنازہ پڑھا ۔ پھر اس جوان کو مخاطب کر کے آیت ولمن خاف الخ پڑھی تو جوان نے قبر کے اندر سے جواب دیا ۔ اے عمرؓ! میرے رب نے مجھے جنت میں وہ نعمت دوبار عطا فرمائی ۔ "

**۳:** حضرت سعید ابن المسیب کا واقعہ ہو چکا ہے ۔ آپ نے تین دن تک مسلسل مسجد نبویؐ میں قیام رکھا ۔ اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک سے اذان کی آواز سن کر نماز کا وقت پہچانتے اور نماز ادا کرتے رہے ۔

**۴ :** ایک ایسے شخص کا واقعہ بھی بیان ہو چکا ہے کہ جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک پر آیا قحط سالی کی شکایت کی ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا جواب سنا ۔ حضرت عمرؓ کو پیغام پہنچایا ۔

**۵** : عن ابن عباس قال ضرب بعض اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم خباء ہ علی قبرلهو لایحسب انه قبرفاذافیه انسان یقراء سورة تبارک الذی ۱۶۱

ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ حضورؐ کے کسی صحابیؓ نے قبر پر خیمہ لگایا ۔ اسے قبر کا کوئی خیال نہ تھا ۔ اچانک کیا دیکھتا ہے کہ انسان قبر میں سورہ تبارک الذی پڑھ رہا ہے ۔ "

ان پانچ روایات کو غور سے پڑھیں ۔ صدیق اکبرؓ ' فاروق اعظمؓ ' سعید ابن المسیب ' ایک مرد اور " کسی صحابی " کے کلام بالارواح کے نمونے پیش کیے ہیں ۔ صدیق اکبرؓ کے واقعہ میں تو سننے والے ہزاروں صحابیؓ تھے جنہوں نے روح کی کلام " **ادخلو الحبیب الی الحبیب** " سنی ۔ اور فاروق اعظمؓ کے ساتھ ایک

جماعت تھی جنھوں نے اس جوان کا جواب سنا جس نے قبر کے اندر سے حضرت عمرؓ کا نام لے کر خطاب کیا اور جواب دیا ۔ کیا اب بھی شبہ ہے کہ صحابہؓ کو کلام بالارواح نہیں ہوتی تھی ؟

## قصد رسولؐ اور کشف قبور

حضرت عائشہؓ نے مشرکین کی اولاد کے متعلق سوال کیا تو حضورؐ نے فرمایا ۔ **ان شئت اسمعتک تضاغیهم فی النار** ۔ " اگر تو چاہتی ہے تو میں ان کی آوازیں دوزخ سے تمہیں سنا دیتا ہوں ۔ " نیز مشکوٰۃ میں حضرت زید بن ثابت کی روایت موجود ہے کہ **فلولا ان تدافنوا لدعوت اللّٰہ تعالٰی ان یسمعکم من عذاب القبر الذی اسمع منہ** ۔ اگر یہ خوف نہ ہوتا کہ تم دفن کرنا چھوڑ دو گے تو میں دعا کرتا اور اللہ تعالیٰ تمہیں عذابِ قبر سنا دیتا جو میں سنتا ہوں ۔ "

ان دونوں حدیثوں سے ثابت ہوا کہ اگر حضرت عائشہؓ چاہتیں تو دعائے نبویؐ سے بلاکسب کشف ہو جاتا اور اگر یہ خوف نہ ہوتا کہ صحابہؓ دفن کرنا چھوڑ دیں تو دعائے نبویؐ سے ہر صحابی کو کسب کے بغیر کشف ہو جاتا۔ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ قصد رسولؐ بھی سنت ہے یہاں سے ثابت ہوا کہ حضورؐ نے قصد تو فرمایا ۔ پس اس سنت رسولؐ کو زندہ کرنا عین اتباع سنت ہے ۔

## مدرسہ محمدیہؐ

حضور اکرمؐ کی ذات جامع علوم اور جامع کمالات تھی ۔ آپؐ کی خدمت میں اکتساب فیض کے لیے مختلف طبائع ، مختلف ذہنی صلاحیتوں اور مختلف عملی قوتوں کے لوگ حاضر ہوتے تھے ۔ آپؐ کی صحبت میں معاش و معاد کے ہر شعبہ کے متعلق



معلومات اور حقائق ملتے تھے ۔ لیکن کسی فرد واحد میں نہ تو اتنی صلاحیت اور اہلیت کا ہونا ممکن تھا اور نہ ہی حکمت و مشیت الٰہی کا یہ تقاضا تھا کہ وہ تمام علوم اور وہ سارے کمالات جو نبی کریمؐ کی ذاتِ اقدس میں پائے جاتے تھے وہ کسی ایک فرد واحد کی ذات میں جمع ہو جائیں ۔ اس لیے ہوا یہ کہ ہر شخص کی فطری صلاحیتوں اور اللہ تعالیٰ کی مشیت کے مطابق اسے حصہ ملا ۔ کسی کو ایک علم سے طبعی مناسبت تھی ۔ اسے اسی علم میں مہارت حاصل ہوئی ۔ دوسرے کو کسی دوسرے شعبہ علم میں کمال حاصل ہوا ۔ اپنے اپنے ظرف کے مطابق کسی کو کم ملا کسی کو زیادہ ۔ کوئی مبلغ کوئی مدرس ، کوئی مفسر ہوا تو کوئی محدث ، کوئی فقیہ بنا تو کوئی قاضی ۔ کوئی اصولی تو کوئی متکلم کوئی محقق مدقق ہوا تو کوئی صاحب کشف والہام ، صوفی و عارف کوئی سپاہی کوئی جرنل ، کوئی وزیرِ سلطنت ، کوئی صدر ریاست ، غرض نہ تو تمام صحابہ مفسر و فقیہ تھے ۔ نہ سارے کے سارے اصولی جرنل یا صدر ریاست ۔ نہ تمام صحابہ نے کشف والہام اور سلوک و تصوف میں یکساں مہارت حاصل کی ۔ پھر حیرت ہے کہ لوگ یہ تو نہیں کہتے کہ تمام صحابہ مفسر اور محدث اور فقیہ کیوں نہیں تھے مگر یہ بات بڑی بے تکلفی سے کہہ دیتے ہیں کہ سارے صحابہؓ صاحب کشف والہام اور صوفی کیوں نہیں تھے ۔

ع " بسوخت عقل ز حیرت کہ ایں چہ بوالعجبی ست ۔ "

دوسری اصولی بات ذہن میں رکھیں کہ ہر شعبہ علم کے متعلق نبی کریمؐ جو تعلیم دیتے تھے وہ بنیادی اور اصولی تعلیم ہوتی تھی ان اصول و کلیات سے جزئیات اور فرعیات کا استخراج علمائے حق اور مجتہدین امت کے ذمے رہنے دیا ۔ اور سنت اللہ یہی ہے کہ انبیاء کلیات ہی بیان فرماتے ہیں ۔ اور ان اصول و کلیات سے علمی و عملی مسائل اور ان کے حل تلاش کرنے کے ذرائع اور وسائل ڈھونڈ نکالنا بھی انہی لوگوں کے ذمے تھا ۔ جو ان کلیات سے جزئیات کا استخراج کرنیکی صلاحیت رکھتے تھے ۔

تیسری بات جو ذہن میں رکھنا نہایت ضروری ہے یہ ہے کہ حضور اکرمؐ کے زمانے میں اور صحابہؓ کے زمانے میں تمام علوم وفنون اصولی اور اجمالی شکل میں تھے۔ ان کی تفصیل نہیں تھی۔ کسی فن کی مستقل طور پر تدوین بھی نہیں ہوئی تھی فن تفسیر، حدیث، فقہ، اصول، صرف ونحو، معانی، وغیرہ کوئی فن بھی مدون نہیں ہوا تھا۔ جس طرح حالات کے تقاضوں کے مطابق دوسرے علوم وفنون اپنی تمام تفصیلات اور جزئیات کے ساتھ مدون ہوتے رہے اسی طرح تصوف وسلوک کی تدوین بھی رفتہ رفتہ عمل میں لائی گئی۔ اس مقام پر پھر وہی حیرت ہوتی ہے کہ لوگ یہ اعتراض تو نہیں کرتے کہ صحابہؓ کے زمانے میں تفسیر، فقہ، صرف ونحو، اسماء الرجال جب مستقل فن کی حیثیت سے مدون نہیں تھے تو اب کیوں ہوئے لیکن یہ اعتراض کرنے میں نہایت بیباک واقع ہوئے ہیں کہ جب حضور اکرمؐ اور صحابہؓ کے زمانے میں علم تصوف وسلوک کا وجود نہیں تھا تو اب یہ ایک مستقل شعبہ علم کی صورت میں کیوں عالم وجود میں آگیا۔ بات یہ ہے کہ دوسرے علوم و فنون کے ماہرین کی طرح صوفیہ کرام نے شعبہ سلوک واحسان کے اصولوں کو بکھرا ہوا پایا تو ان کو سمیٹا ان اصولوں سے جزوی مسائل کا استخراج کیا۔ پھر اس کے حصول کے ذرائع اور وسائل تلاش کیئے۔ اس طرح یہ فن بھی مدون ہو گیا۔ ہاں ان وسائل کو کوئی محقق صوفی اصل مقصد ہرگز نہیں سمجھتا۔ جس طرح عوام میں سے چوٹی کے عالم وفاضل گنے چنے چند افراد ہوتے ہیں۔ اسی طرح ان علماء میں سے مختلف خاص علوم میں خصوصی مہارت رکھنے والے افراد کی تعداد اور بھی کم ہوتی ہے۔ اور یہ اصول ہر زمانے میں کار فرما رہا ہے۔ حضور اکرمؐ کے زمانے میں بھی ہر صحابی کو اس کے مزاج اور استعداد کے مطابق حصہ ملتا تھا چنانچہ۔

فمن ثم کان حذیفۃؓ صاحب السر الذی لایعلمہ غیرہ حتی



خص بمعرفۃ اسماء المنافقین وبکثیر من الامور الآتیۃ [۲۱۳]

اسی وجہ سے حضرت حذیفہؓ صاحب اسرار تھے۔ جن اسرار کو ان کے بغیر کوئی نہیں جانتا تھا حتی کہ منافقین کے ناموں کا علم رکھنے اور اکثر آنے والے واقعات کا علم رکھنے میں وہ مخصوص تھے۔ دوسرے صحابہؓ کو اس کا علم نہ تھا۔"

دیکھا! حضرت حذیفہؓ کو کشف والہام اور علم اسرار سے وہ حصہ وافر ملا جو اور کسی صحابیؓ کو نہیں ملا تھا۔ اب اگر یہ کہا جائے کہ سب صحابیوں کو صاحب السر کیوں نہیں بنایا گیا تو یہ براہ راست حکمت ومشیت الٰہی پر اعتراض ہے۔

چوتھی اصولی بات یہ ہے کہ تصوف واحسان دین کا اہم شعبہ ہے اور یہ قاعدہ ہے کہ **اذا ثبت الشیٔ ثبت بلوازمہ** اور الہام وکشف کا ہونا تصوف کے لوازمات سے ہے [۲۱۴] اس لیے دین کو تسلیم کرنے کے ساتھ دین کے اہم جزو تصوف واحسان کو تسلیم کرنا پڑے گا۔ اسے تسلیم کیا تو کشف والہام کو ماننا پڑے گا۔ کیونکہ یہ لازم وملزوم ہیں بشرطیکہ شیخ کامل ہو اور طلب صادق ہو۔ انبیاء علیہم السلام کے کمالات وہبی ہوتے ہیں۔ اس لیے ان کے ہم نشینوں کو ان کی صحبت کے فیض سے وہبی طور پر بلاکسب حاصل ہو جاتے ہیں اور وہاں بھی خلوص نیت شرط ہے ورنہ انسان عبداللہ بن ابی ہی رہتا ہے اور اولیاء کے کمالات کسبی ہوتے ہیں اس لیے ان کے ہم نشینوں کو ان کی صحبت کے فیض سے محنت ومجاہدہ کے بعد حاصل ہوتے ہیں۔

اس ساری بحث کا خلاصہ یہ ہوا کہ صوفیہ کرام مسئلہ کلام بالارواح میں سنت نبویؐ اور سنت صحابہؓ کے صحیح متبع ہیں صوفیہ نے اس کے حصول کے لیے جو وسائل اور ذرائع اختیار کیے ہیں وہ نئے سہی لیکن ہیں وسائل۔ اور چونکہ ان کا مقصد محمود تھا لہٰذا ذرائع بھی محمود ہوئے کیونکہ ذرائع حکم مقاصد میں ہوتے ہیں اور اولیا کرام کا تمام تر سرمایہ اللہ اور رسولؐ کی محبت ہے۔ اور زیارت رسولؐ

دراصل محبت رسولؐ ہی کا ثمرہ ہے - تو ان محبان رسولؐ کو زیارت رسولؐ نہ ہو تو اور کسے ہو - ان کا حال یہ ہوتا ہے کہ :

لکن اکثر منهم اذا ذکر النبی صلی اللہ علیہ وسلم اشتاق الی رویته بحیث یوثر ھا علی اهله وولده وماله و والده ویبذل نفسه فی الامور الخطیرة ویجد مخبر ذلک من نفسه وجدانا لا تردد فیه وقد شوهد من هذا لجنس من یؤثر زیارة قبره ورؤیة مواضع اٰثاره علی جمیع ماذکر نا لما وقر فی قلوبهم من محبته غیر ان ذلک سریع الزوال بتوالی الغفلة ۱۴۵

" ان میں ایسے لوگ اکثر پائے جاتے ہیں کہ جب نبی کریمؐ کا ذکر ان کے سامنے کیا جائے تو زیارت رسولؐ کے مشتاق ہو جاتے ہیں اور اپنے اہل وعیال ' ماں باپ اور مال واسباب کو چھوڑ کر زیارت رسولؐ کیلئے چل کھڑے ہوتے ہیں اور اپنے آپ کو سخت خطرے کے مقام میں ڈال دیتے ہیں کہ کسی طرح زیارت ہو جائے اور اس کا خبر دینے والا اس کی ذات سے وجدان صحیح ہے اور مشاہدہ کیا گیا ہے کہ اس قسم کے آدمی زیارت رسولؐ قبر رسولؐ اور ان نشانات کی زیارت جہاں حضورؐ بیٹھے یا کھڑے ہوئے اپنے جان ومال اور اہل وعیال سے مقدم سمجھتے ہیں کیونکہ ان کے دل کی گہرائیوں میں محبت رسولؐ پیوست ہو چکی ہے - ہاں غفلت کے طاری ہونے سے یہ حالت جلد زائل ہو جاتی ہے - "

**فائدہ :** زیارت قبر رسولؐ ' محبت رسولؐ میں داخل ہے - ان مقاموں کا دیکھنا جہاں حضور اکرمؐ نے قدم مبارک رکھے محبت رسولؐ میں داخل ہے جب قبر رسولؐ کی مٹی کی زیارت محبت میں داخل ہے تو عین رسولؐ اور حضور اقدسؐ کی روح مبارک کی زیارت کرنے کی شان کیا ہو گی - مگر یہ دولت اس وقت نصیب



ہوتی ہے جب اتباع سنت رسولؐ کا جذبہ درجہ کمال تک پہنچ جائے - کیونکہ محبت رسولؐ کی انتہا اتباع سنت رسولؐ ہے **من احب سنتی فقد احبنی** - جس نے میری سنت سے محبت رکھی اس نے مجھ سے محبت رکھی - ہاں یہ محبت اس وقت زائل ہو جاتی ہے جب قلب پر غفلت کے پردے پڑجائیں - صوفیہ نے اس غفلت کو دور کرنے کا طریقہ سکھایا - وہ وسائل اور ذرائع بتائے جنہیں اختیار کر کے غفلت کو دور کیا جا سکتا ہے - محبت کو جلا دی جاسکتی ہے پھر دربار نبویؐ میں حاضری ' زیارت اور کلام کا شرف بھی حاصل ہو جاتا ہے - اور اللہ کا فضل شامل حال ہو تو اس مقام پر پہنچ کر یہ محبت کا رشتہ دائمی ہو جاتا ہے - ہمارے سلسلہ میں یہی طریقہ چلا آتا ہے - ہمارا کہنا تو یہی ہے کہ اگر زیارت نبویؐ سے مشرف ہونا ' دربار نبویؐ میں حاضر ہونا اور حضور اکرمؐ سے کلام کرنا معاذ اللہ گناہ ہے تو اس کے حصول کے لیے صوفیہ نے جو ذریعہ اختیار کیا وہ بھی گناہ ہوگا - اور اگر یہ گناہ نہیں بلکہ ایمان اور کمال ایمان ہے تو اس ذریعہ کو اختیار کرنا بھی دلیل ایمان ہے

## دور صحابہؓ کے بعد کشف والہام میں اضافہ کیوں ہو گیا

اس موقع پر یہ ایک ضمنی سوال پیدا ہوتا ہے جس کا جواب دینا ضروری ہے - یہ ایک اتفاقی مسئلہ ہے کہ کرامات وانکشافات کا اظہار ان اولیاء کرام سے زیادہ ہوا جو صحابہؓ کا دور ختم ہونے کے بعد اس دنیا میں تشریف لائے -

اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ ان چیزوں کا تعلق عوام کے قوت وضعف ایمانی کے ساتھ ہے - ایمان قوی ہو تو کشف وکرامات کے صدور اور اظہار کی چنداں ضرورت نہیں - ایمان میں ضعف آگیا تو ایسے امور کی ضرورت زیادہ پیش آئی جو خرق عادت کی قبیل سے ہوں - دور صحابہؓ میں ان حضرات کے ایمان حضور اکرمؐ کے فیض صحبت کی وجہ سے نہایت قوی تھے - انہیں ان چیزوں کی ضرورت نہ تھی

بعد میں ایمان کمزور ہو گئے - تو اولیاء کرام سے اِن اسناد کا مطالبہ ہونے لگا - یہ خیال رہے کہ خرق عادت امور نہ شرط ولایت ہیں نہ جزو ولایت ہاں دلائل وعلامات ولایت کی حیثیت سے بطور سند عطا کیے جاتے ہیں -

ہم یہ بیان کر آئے ہیں کہ کشف والہام نائب وحی اور خلفاء ہیں - دور صحابہؓ میں جب خود وحی موجود تھی حضور اکرمؐ کی ذات بابرکات آفتاب عالم تاب کی طرح برابر ضیاء پاشی کر رہی تھی تو نائب وحی کی ضرورت کیا تھی اور سورج کے مقابلے میں ان چاند ستاروں اور چراغوں، قندیلوں کی کیا ضرورت تھی - قاعدہ ہے کہ آفتاب کے غروب ہونے کے بعد روشنی کی ضرورت محسوس ہوتی ہے مگر فوری طور پر تاریکی نہیں چھا جاتی بلکہ آہستہ آہستہ روشنی کم ہوتی جاتی ہے اور رفتہ رفتہ تاریکی بڑھتی اور پھیلتی جاتی ہے - یہی صورت صحابہؓ، تابعین، تبع تابعین اور بعد میں آنے والے مسلمانوں کے معاملہ میں پیش آئی - صوفیہ کرام نے بعد کی تاریکیوں میں روشنی پھیلانے کا اہتمام جاری رکھا۔ ان کے فیض سے کہیں کوئی چراغ روشن ہوا کہیں شمع، کہیں کوئی ستارہ ابھرا، کہیں کوئی چاند نکلا، بہر حال ان کے دم قدم سے روشنی خواہ کسی درجے کی سہی موجود رہی، بہر حال ہمیں یہ بتانا مقصود ہے کہ کشف والہام کی کمی بیشی قوت وضعف ایمان کے تناسب سے ہوتی ہے - اس لیے ظاہر ہے کہ دور صحابہؓ کے بعد ہی کشف وکرامات کا اظہار اصولا زیادہ ہونا چاہئے تھا اور ایسا ہی ہوا -

اس موضوع پر اگر تفصیلی معلومات درکار ہوں تو ہم مولانا جامی رحمتہ اللہ علیہ کی شواہد النبوۃ صفحہ ۱۴۷ اور فتاوی الحدیثیہ صفحہ ۲۶۱ کے مطالعہ کرنے کا مشورہ دیتے ہیں -



# قرأت سلسلہ مشائخ کی کوئی سند نہیں بلکہ یہ شرک ہے

الجواب : قال تعالی - قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ -

( آل عمران )

" آپ فرمادیجئے کہ اگر تم خدا تعالی سے محبت رکھتے ہو - تو میرا اتباع کرو - خدا تعالی تم سے محبت کرنے لگیں گے - "

فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم واسئلک حبک وحب من یحبک وقدورفی السنۃ ذکر للاسباب التی یتسبب بھا العباد الی محبہ اللہ تعالی سبحانہ وسالہ حب من یحبہ فانہ لایحب اللہ عزوجل الا المخلصین من عبادہ فحبھم طاعہ من الطاعات وقربہ من القربات لان من احب الشئی اکثر ذکرہ فداوم علیہ ۲۶۲

حضور اکرمؐ نے دعا کی الٰہی میں تجھ سے تیری محبت کی درخواست کرتا ہوں اور ان لوگوں کی محبت کی درخواست کرتا ہوں جو تجھ سے محبت کرتے ہیں اور حدیث میں ان اسباب کا ذکر آیا جن کو اختیار کر کے انسان محبت الٰہی تک پہنچتا ہے اور حضورؐ نے بھی اللہ تعالی سے ان لوگوں کی محبت کی درخواست کی جن سے اللہ تعالی کو پیار ہے اور ظاہر ہے کہ اللہ تعالی کے پیارے بندے تو وہی ہیں جو مخلص ہوں - پس ان کی محبت طاعت الٰہی بھی ہے اور قرب الٰہی بھی - کیونکہ جو شخص کسی چیز کو محبوب جانتا ہے اسکا ذکر زیادہ کرتا ہے اور اس پر مداومت کرتا ہے - "

**فائدہ :** قرآن مجید کی آیت مذکورہ بالا اور حدیث نبویؐ سے تین امور ثابت ہوئے

☆ ذکر الٰہی کے لیے اسباب کا اختیار کرنا اور ان اسباب کا ذکر الٰہی میں داخل ہونا ۔

☆ اولیاء اللہ کی محبت اور ان کا ذکر طاعت الٰہی اور قرب الٰہی میں داخل ہے ۔

☆ جس چیز کو انسان محبوب سمجھتا ہے اس کا کثرت سے ذکر کرتا ہے ۔

پس سلاسل اولیاء اللہ کی مشروعیت بھی ثابت ہو گئی ۔

علم حدیث کی تعلیم میں متن حدیث سے پہلے جو سند پڑھی جاتی ہے اس کا پڑھنا ثواب ہے کیونکہ حدیث نبویؐ کو نبی کریمؐ تک پہنچانے کا واحد سبب یہی سند ہے ۔ اگر سند نہ ہو تو متن حدیث بے کار ہو جائے ۔ کیونکہ سچ جھوٹ کی تمیز ناممکن ہو جائے ۔ جو عظمت واہمیت فن حدیث میں سند حدیث کی ہے وہی حیثیت تصوف سلوک میں سلاسل اور شجرہ مشائخ کے پڑھنے کی ہے ۔ تصوف جسے حدیث جبرئل میں احسان سے تعبیر کیا گیا ہے اور جو خلاصہ دین اور ثمرہ عبادت ہے ۔ وہ بذریعہ سلاسل ہی معلوم کیا جا سکتا ہے ۔ جب سلسلہ کو اپنے شیخ سے رسول کریمؐ تک پہنچادیا تو اس کے صدق وکذب کا فیصلہ کیا جا سکے گا جس طرح محدثین کرام حدیث کے صحیح یا غلط ہونے کا فیصلہ دینے سے پہلے سلسلہ رواۃ کی خوب جانچ پڑتال کر لیتے ہیں ۔

تاریخ حدیث میں ایک مشہور واقعہ ہے کہ امام علی رضا رحمتہ اللہ علیہ جب نیشا پور تشریف لے گئے تو حافظ حدیث امام ابوزرعہ رحمتہ اللہ علیہ اور امام مسلم طوسی رحمتہ اللہ علیہ نے حاضر ہو کر درخواست کی کہ ایک حدیث اپنے آباؤ اجداد کے سلسلے سے رسول کریمؐ تک پڑھیں ۔ آپ نے پڑھی اور بیس ہزار کے قریب حاضرین نے اسے قلمبند کیا ۔ اس کے متعلق امام احمد بن حنبل رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں ۔ **ولو قرئ هذا الاسناد على مجنون لافاق من جنونه** یعنی اگر یہ سند مسلسل کسی پاگل پر پڑھی جائے تو اس کا جنون جا تارہے گا [۱۶۷]



**تنبیہہ :** سلسلہ مشائخ میں اولیاء اللہ کے نام اس نیت سے پڑھنا کہ ان کے ذریعہ ہمیں قرب الٰہی نصیب ہوا اور یہ لوگ محبت الٰہی پیدا کرنے اور سنت نبویؐ کی اتباع کرنے میں سبب اور وسیلہ ہیں ۔ کار ثواب ہے ۔ اور اگر کوئی شخص ان حضرات کو مؤثر ، مختار ، متصرف ، حاضر ناضر سمجھ کر شجرہ پڑھے تو اس نے اپنا دین برباد کیا اور عاقبت خراب کی ۔

**۸: کہا جاتا ہے کہ تصوف تواتر سے ثابت ہے ۔ جب امام حسن بصری رحمتہ اللہ علیہ کی ملاقات حضرت علیؓ سے ثابت ہی نہیں تو تواتر کیسے ثابت ہوا ؟**

**الجواب :** صوفیہ کرام رحمتہ اللہ علیہ تو سب کے سب لقاء پر متفق ہیں ۔ سید احمد تاشی رحمتہ اللہ علیہ نے **العقد الفريد فى سلاسل اهل التوحيد** میں طویل بحث کر کے حضرت حسن بصری رحمتہ علیہ کی ملاقات ثابت کی ہے اور حضرت شاہ ولی اللہ رحمتہ اللہ علیہ نے لقاء پر صوفیہ کا اجماع بتایا ہے ۔

> والحسن البصري ينسب الى سيدنا عليؓ عند اهل السلوک قاطبة
> وان كان اهل الحديث لايثبتون ذالک [۱۶۸]
>
> " اہل سلوک کے نزدیک امام حسن بصری رحمتہ اللہ علیہ کی نسبت مکمل طور پر حضرت علیؓ سے ثابت ہے ۔ اگرچہ اہل حدیث ثابت نہیں کرتے ۔ "

فائدہ : اہل سلوک اور اہل حدیث کے فیصلوں میں فرق اتنا ہے کہ اہل سلوک کے ہاں تو لقاء کا ثبوت قاطبہً ہے مگر اہل حدیث کے ہاں عدم ثبوت قاطبہً نہیں ۔کیونکہ ثبوت بھی موجود ہے ۔

اہل حدیث کے نزدیک ملاقات اور رویت بالاتفاق ثابت ہے ہاں صحبت طویلہ کی بالاتفاق نفی ہے اگر فیض کے لیے صحبت طویلہ کو شرط قرار دیا جائے تو پھر بھی فیض باطنی بالواسطہ تو ممکن ہے ۔ محال نہیں ۔ ہاں فیض باطنی بلاواسطہ کی نفی ہو گی ۔ مگر بالواسطہ کی نفی کہاں لازم آئی ۔

اسی طرح سماع حدیث اور روایت حدیث میں بھی اختلاف ہے مگر راجح اور صحیح بات یہ ہے کہ سماع ثابت ہے ۔

اب رہا یہ سوال کہ اگر کسب فیض بالواسطہ کا اصول تسلیم کر لیا جائے تو وہ واسطہ کونسا ہے ؟

جواب یہ ہے کہ حضرت علیؓ سے ملنے والے ہزاروں صحابی امام حسن بصری رحمتہ اللہ علیہ سے ملے تھے ۔ کسی سے فیض حاصل کر لیا ہو ' یہ کوئی ظاہری چیز تو ہے نہیں کہ ظاہری چیز کی نفی سے باطنی فیض کی نفی ہو جائے ۔ کیونکہ عدم علم اور عدم وجدان سے عدم معلوم اور عدم موجود لازم نہیں آتا ۔ جب روایت اور ملاقات بالاتفاق محدثین سے بھی ثابت ہے اور سماع حدیث بھی راجح ہے تو اس امر میں کونسی چیز مانع ہے کہ کسب فیض کی ابتدا حضرت علیؓ سے کی ہو پھر بالواسطہ ترقی کرتے چلے گئے ہوں ۔

## اسماء الرجال سے شواھد

### ۱ : ملاقات اور سماع :

قال ابن سعد ۔ ولد سنتین بقایا من خلافۃ عمرؓ فنشاء بوادی القری وکان فصیحا ورأی علیا ۲۶۹

خلافت فاروقیؓ کے دو سال باقی تھے کہ امام حسن بصری رحمتہ اللہ علیہ



پیدا ہوئے ۔ وادی القری میں پرورش پائی ۔ بڑے فصیح تھے حضرت علیؓ سے ملاقات کی ۔ "

### ۲ : روایت حدیث :

رفی عن ابی بن کعب وسعد بن عبادۃ وعمر بن الخطابؓ ۔ فلم یدرکھم وعن ثوبان وعمار بن یاسروابی ھریرۃ وعثمان بن ابی العاص ومعقل بن یسار فلم یسمع منھم وعن عثمان وعلی۔

امام حسن بصری رحمتہ اللہ علیہ نے ابی بنؓ کعب سعد بن عبادہؓ عمر بن الخطابؓ سے روایت کی مگر ملاقات نہیں ہوئی اور ثوبانؓ عمارؓ بن یاسر اور عثمانؓ بن ابی العاص اور معقلؓ بن یسار سے روایت کی مگر حدیث نہیں سنی اور عثمانؓ اور علیؓ سے روایت کی ۔

۳ : سئل ابوزرعہ ھل سمع الحسن احدا من البدریین قال راھم رویہ رای عثمان وعلیا۔ وقیل سمع منھما حدیثا قال لا رایٰ بالمدینۃ فخرج علی الی الکوفہ والبصرۃ فلم یلقہ الحسن بعد ذالک ۔ وقال الحسن رایت الزبیریبایع علیا وقال علی بن المدینی لم یرعلیا الا اذاکان بالمدینہ

" امام ابوزرعہ سے پوچھا گیا کہ امام حسن بصری رحمتہ اللہ علیہ نے کسی بدری سے کوئی حدیث سنی تھی ۔ کہا اصحاب بدر کو دیکھا تو تھا مگر ان سے حدیث نہیں سنی تھی اور حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کو دیکھا ہے مگر ان سے حدیث نہیں سنی اور حضرت علیؓ کو مدینہ میں دیکھا تھا ۔ پھر حضرت علیؓ کوفہ اور بصرہ چلے گئے اور امام حسنؓ کی ملاقات ان سے نہ ہوئی ۔ امام حسنؓ نے کہا کہ میں نے حضرت زبیرؓ کو حضرت علیؓ سے بیعت کرتے دیکھا تھا اور علی المدینی نے کہا کہ

امام نے حضرت علیؓ کو مدینہ میں دیکھا تھا۔ "

**فائدہ: ۱** ۔ ملاقات اور رویت بالاتفاق ثابت ہوئی ۔

**۲:** سماع میں اختلاف ہے ۔

**۳:** راجح سماع ' مرجوح عدم سماع ۔ کیونکہ ملاقات ہوئی تو سماع یقیناً ہو گا ۔ کوئی بات تو سنی ہو گی ۔

**۴:** تہذیب الکمال کے حاشیے پر یہ روایت موجود ہے :۔

عن یونس بن عبید سالت الحسن قلت اباسعید انک تقول قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وانک لم تدرکہ قال یا ابن اخی لقد سالتنی من شیئی ماسالنی عنہ احد قبلک ولولا منزلتک منی ما اخبرتک ۔ انی فی زمان کماتری وکان فی زمن الحجاج ۔ کل شیئی سمعتنی اقول قال رسول اللہؐ فھو عن علی ابن ابی طالب غیر انی فی زمان لا استطیع ان اذکر علیا ۔

یونس بن عبید نے کہا کہ میں نے امام حسن بصری رحمتہ سے پوچھا کہ آپ کہتے ہیں " رسول کریمؐ نے فرمایا " حالانکہ آپ نے حضورؐ کو نہیں دیکھا ۔ امام نے کہا میرے بھتیجے تو نے مجھ سے ایسی بات پوچھی جو تجھ سے پہلے کسی نے نہیں پوچھی ۔ اگر میرے دل میں تیری عزت نہ ہوتی تو میں تمہیں ہرگز نہ بتاتا ۔ سنو ! میں ایسے دور میں ہوں ( آپ حجاج کے عہد میں تھے ۔ ) کہ تو دیکھ رہا ہے اس لیے جو حدیث تو مجھ سے اس طرح بیان کرتے ہوئے سنے کہ حضوراکرمؐ نے فرمایا تو وہ حدیث علیؓ ابن ابی طالب کی روایت ہو گی ۔ بات صرف اتنی ہے کہ میں ایسے دور میں ہوں کہ برملا حضرت علیؓ کا نام لینے کی ہمت نہیں پاتا ۔ "



**فائدہ :** یہ ایک مسلمہ اصول ہے کہ دلیل مثبت ' دلیل نافی پر مقدم ہوتی ہے لہٰذا یہاں سماع اور رویت کی روایات عدم سماع اور عدم رویت کی روایات پر مقدم ہوں گی ۔

**۲:** امام حسن بصری رحمتہ اللہ علیہ دو سال خلافت فاروقی میں پھر 12سال خلافت عثمانی میں پھر ابتدائے خلافت علوی تک مدینہ میں رہے ۔ اس لیے کسی صحابی یا بدری صحابی یا حضرت علیؓ سے کوئی حدیث نہ سننا خلاف قیاس و عقل ہے ۔ لہٰذا ملاقات سے سماع اور روایت بھی یقینی ہے ۔ گو دوسرا احتمال بھی ہے مگر خلاف عقل ہے اس لیے مرجوح ہے ۔

علامہ سیوطی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں ۔

انکر جماعہ من الحفاظ سماع حسن البصری عن علیؓ فتمسک بھذا بعض المتاخرین واثبتہ جماعہ فھوالراجح عندی لوجوہ وقد رجحہ ایضا الحافظ ضیاء الدین مقدسی فی المختارۃ فانہ قال الحسن ابن الحسن البصری عن علی الوجہ الاول ان العلماء ذکروا فی اصول وجوہ الترجیح ان المثبت مقدم علی النافی لان معہ زیادۃ علم ۔ الثانی ان الحسن ولد للسنتین بقین من خلافہ عمر باتفاق وکانت امہ خیرۃ مولاۃ ام سلمۃؓ فکانت ام سلمہ تخرجہ الی الصحابۃ یبارکون علیہ فاخرجتہ الی عمرؓ فدعالہ اللھم فقھہ فی الدین وحببہ الی الناس ۔ قال الحافظ جمال الدین المزی فی التھذیب انہ ای الحسن حضر یوم الدارولہ اربعہ عشرۃ سنہ ومن المعلوم انہ من حین بلغ سبع سنین امر بالصلوۃ فکان یحضر الجماعہ ویصلی خلف عثمانؓ الی ان قتل عثمانؓ وعلیؓ اذ ذاک بالمدینہ فانہ لم یخرج منھا الی الکوفہ الابعد قتل عثمانؓ

فکیف یستنکر سماعہ منہ وھو کل یوم یجتمع بہ فی المسجد خمس مرات من حین الی ان بلغ اربع عشرۃ فزیادۃ علی ذالک ان علیا کان یزورامھات المومنین ومنھن ام سلمۃؓ والحسنؒ فی بیتھا ھو وامہ "۱۷

حفاظ حدیث کی ایک جماعت نے حضرت علیؓ سے حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کے سماع کا انکار کیا ہے اور بعض متاخرین نے اسی انکار سے استدلال کیا ہے اور دوسری جماعت نے سماع کا اثبات کیا ہے اور میرے نزدیک یہی راجح مذہب ہے - اس کی کئی وجوہ ہیں - حافظ ضیاء الدین مقدسی نے مختارہ میں اسی کو ترجیح دی ہے - کہ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت علیؓ سے روایت کی وجہ اول : علمائے اصول نے وجوہ ترجیح کے بارے میں فرمایا ہے کہ دلیل مثبت ' دلیل نافی پر مقدم ہوتی ہے کیونکہ اس کے پاس زیادہ علم ہوتا ہے - وجہ ثانی : حضرت حسن رحمۃ اللہ اس وقت پیدا ہوئے جب خلافت فاروقی کے دو سال باقی تھے - اور ان کی والدہ حضرت ام سلمہؓ کی لونڈی تھی اور ام سلمہؓ ' حضرت حسن رحمۃ اللہ کو دعائے برکت کے لیے صحابہؓ کے پاس بھیجتی تھیں - ایک دفعہ حضرت عمرؓ کے پاس بھیجا - آپ نے ان کے حق میں دعا کی کہ الٰہی اسے دین کی سمجھ عطا فرما اور لوگوں کے ہاں اسے محبوب بنا - حافظ جمال الدین مزی نے تہذیب میں کہا ہے کہ امام حسن محاصرہ عثمانؓ کے دن چودہ سال کے تھے - اور یہ مسلم ہے کہ جب وہ سات سال کے ہوئے تو انہیں نماز کا حکم دیا گیا اور امام حسن جماعت میں حاضر ہوتے تھے - حضرت عثمانؓ کے پیچھے نماز پڑھتے رہے یہاں تک کہ حضرت عثمانؓ شہید ہو



گئے - اور حضرت علیؓ کے پیچھے بھی نماز پڑھتے رہے جب تک وہ مدینہ میں رہے اور شہادت عثمانؓ کے بعد ہی حضرت علیؓ کوفہ گئے پھر حضرت علیؓ سے امام کے سماع کا انکار کیسے کیا جا سکتا ہے حالانکہ امام حسن رحمۃ اللہ حضرت علیؓ کے ساتھ پانچ وقت نماز پڑھتے تھے - یہ معمول سن تمیز یعنی چودہ سال کی عمر تک رہا - مزید یہ کہ حضرت علیؓ امہات المومنین کی زیارت کے لیے جاتے تھے اور ان میں ایک ام سلمہؓ تھیں اور حضرت ام سلمہؓ کے ہاں امام حسن رحمۃ اللہ مع والدہ کے رہتے تھے - "

## دلائل نقلی

علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے چند احادیث نقل کی ہیں جو امام حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت علیؓ سے روایت کی ہیں -

۱ : حدثنا یونس عن الحسن عن علی قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رفع القلم عن ثلاثۃ -

۲ : عن قتادۃ عن الحسن عن لعلی إن النبیؐ قال افطرالحاجم والمحجوم

۳ : حدثنا العوف عن الحسن عن علی ان النبیؐ قال نعلی یا علی قد جعلنا الیک ھذہ السبہ بین للناس ——— دار قطنی

---------

۴ : عن الحسن عن علی قال الخلیہ والبریہ والبتہ ' والبائن والحرام ثلاث لا تحل لہ حتی تنکح زوجا غیرہ ---- دارقطنی

-----------

۵ : عن الحسن قال قال علی ؓ ان وسع اللہ علیکم فاجعلوہ
صاعامن برو غیرہ یعنی زکوۃ الفطر ۔ ———— دار قطنی
————

۶ : عن الحسن عن علی قال لیس فی مس الذکر وضوء
———— رواہ الطحاوی ————

۷ : عن الحسن عن علی قال طوبی لکل عبدنومۃ عرف الناس فلم
یعرفہ الناس ۔ ————الحلیہ ————

۸ : عن الحسن عن علی قال کفنت النبی ؐ فی قمیصین ابیض
وثوبی حبرۃ

۹ : قال الحافظ ابن حجر ووقع فی مسند ابی یعلی یقول ای
الحسن سمعت علیا یقول قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
مثل امتی مثل المطر ۔

۱۰ : عن الحسن قال شھدت علیا بالمدینۃ وسمع صوتا ' فقال
ماھذا قالوا قتل عثمانؓ قال اللھم اشھدانی لم ارض

ان دس حدیثوں سے حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کی حضرت علیؓ سے
ملاقات ثابت ہوئی ۔

**تلک عشرۃ کاملۃ**

وقال ابوزرعہ کان الحسن البصری یوم بویع لعلیؓ ابن اربع
عشرۃ سنۃ فرای علیاؓ بالمدینۃ قلت ففی ھذا القدرکفایۃ ویحمل
قول النافی علی مابعد خروج علیؓ من المدینۃ ۔

" امام ابوزرعہ نے کہا جس روز حضرت علیؓ کی بیعت خلافت
ہوئی امام حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ چودہ سال کی عمر کے تھے اور



انہوں نے حضرت علیؓ کو مدینہ میں دیکھا علامہ سیوطی فرماتے ہیں میں
کہتا ہوں کہ حضرت علیؓ سے امام حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے
سماع روایت حدیث اور ملاقات کی شہادت کے لیے یہ دس حدیثیں
کافی ہیں ۔ اور وہ قول جو عدم لقا اور عدم روایت پر دلالت کرتا ہے
اسکا اطلاق اس دور پر ہو گا جب حضرت علیؓ مدینہ چھوڑ کر کوفہ چلے
گئے ۔ "

**9 بعض لوگ کہتے ہیں کہ مشائخ کی قبروں پر یا دوسری قبروں پر جا کر ان کی طرف منہ کر کے کھڑا ہونا یا بیٹھنا اور ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا ممنوع ہے ۔**

**الجواب :** اس اعتراض کے دو حصے ہیں ۔ اول یہ کہ قبر کے پاس جا کر ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا ممنوع ہے دوسرا یہ کہ قبر کی طرف منہ کر کے دعا کے لیے ہاتھ اٹھانا ممنوع ہے ۔

سب سے پہلے یہ سمجھ لیں کہ دعا کرنے کے خاص آداب ہیں اور ان آداب کا لحاظ رکھنا اتباع سنت میں داخل ہے ۔

قال النووی قال العلماء السنۃ فی کل دعاء لدفع البلاء ان
یرفع یدیہ جاعلا ظھور کفیہ الی السماء واذا دعا بسوال شئی
وتحصیلہ ان یجعل کفیہ الی السماء (فتح الباری ۲: ۲۵۲)

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ علماء نے کہا ہے کہ سنت
طریقہ یہ ہے کہ ہر وہ دعا جو دفع بلا کے لیے ہو اس میں ہاتھ اس
طرح اٹھائے جائیں کہ ہاتھوں کی پشت آسمان کی طرف ہو اور وہ دعا
جو کسی چیز کی طلب وحصول کے لیے ہو اس میں ہاتھ اس طرح
اٹھائے جائیں کہ ہتھیلیاں آسمان کی طرف ہوں ۔ "

اور علامہ شوکانی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ :

لبسط یدیه ورفعهما حذو منکبیه - اقول یدل علی ذلک ماوقع منه صلی اللہ علیه وسلم من رفع یدیه فی نحوثلاثین موضعا فی ادعیة متنوعة-

" ہاتھوں کو کندھوں تک اٹھاکے پھیلانا۔ میں کہتا ہوں کہ اس امر پر نبی کریمؐ کی وہ تیس حدیثیں دال ہیں جومختلف قسم کی دعا کرنے کے سلسلے میں حضور اکرمؐ سے منقول ہیں -

عن سلمان رحمه اللہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم ان اللہ حیی کریم یستحیی اذارفع الرجل الیه یدیه ان یردھما صفراً خائبتین رواہ الحاکم وقال صحیح علی شرط الشیخین

سلمان فارسی رحمتہ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ حضور اکرمؐ نے فرمایا کہ اللہ تعالے بڑا حیا دار اور سخی ہے - جب بندہ ہاتھ اٹھا کر اس سے سوال کرتا ہے تو اس کے ہاتھوں کو خالی لوٹا دینے میں اللہ کو حیا آتی ہے -

عن انسؓ قال قال رسول اللہؐ ان اللہ رحیم کریم یستحیی من عبدہ ان یرفع الیه یدیه ثم لا یصنع فیھما خیرا - حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ حضورؐ نے فرمایا کہ اللہ تعالی بڑا رحیم وکریم ہے - اسے حیا آتی ہے کہ جب بندہ اس کے سامنے ہاتھ اٹھائے تو وہ ان میں کوئی چیز نہ ڈالے -

عن مالک ابن بشار قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم اذا سئالتم اللہ فاسئلوہ ببطون اکفکم ولاتسئلوہ بظھورھا -



مالک بن بشارؓ فرماتے ہیں کہ حضورؐ نے فرمایا کہ جب اللہ سے کچھ مانگو تو ہاتھوں کو اس طرح اٹھاؤ کہ ہتھیلیاں آسمان کی طرف ہوں - ہاتھوں کی پشت آسمان کی طرف نہ ہو -

(تحفۃ الذاکرین ۴۴ )

**فوائد: ان روایات سے ثابت ہوا کہ :**

**1 دعا کے وقت ہاتھ اٹھانا مسنون ہے -**

**۲ : دفع بلاء کے لیے دعا کرتے وقت ہاتھوں کی پشت آسمان کی طرف ہونا اور طلب وحصول شئی کے لیے دعا کرتے وقت ہتھیلیاں آسمان کی طرف کرنا باتفاق علماء مسنون ہے -**

**رہا یہ سوال کہ دعا کے وقت ہاتھ کیوں اٹھائے جاتے ہیں تو اس کا جواب متکلمین کی زبانی سنیے :**

فان قیل فمابال الایدی ترفع الی السماء وھی جھه العلو - اجیب بان السماء قبله الدعاء تستقبل بالایدی کما ان البیت قبله الصلوۃ تستقبل بالصدر والوجه -

( مسامرہ صفحہ ۳۰ )

" اگر کہا جائے کہ دعا کے وقت آسمان کی طرف ہاتھ کیوں اٹھائے جاتے ہیں - حالانکہ یہ جہت بلندی کی ہے یعنی اللہ تعالی کے لیے جہت ثابت ہوتی ہے تو جواب یہ ہے کہ آسمان دعا کا قبلہ ہے - اس قبلہ کی طرف ہاتھوں کا رخ کیا جاتا ہے - جیسے کعبہ نماز کا قبلہ ہے - اس لیے نماز میں چہرہ اور سینہ کا رخ اس طرف ہوتا ہے - "

اور امام غزالی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ :

فکذالک السماء قبلة الدعاء کما ان البیت قبله الصلوۃ

والمعبود بالصلوۃ والمقصود بالدعاء منزہ عن الحلول فی البیت
والسماء ۔

( الاقتصاد فی الاعتقاد صفحہ ۲۳)

" اسی طرح آسمان قبلہ ہے دعاء کا جیسے کعبہ قبلہ ہے نماز کا ۔
اور نماز میں جو معبود ہے اور دعا میں جو مقصود ہے وہ اس بات سے
پاک ہے کہ کعبہ یا آسمان میں حلول کرے ۔ "

**فائدہ :** معلوم ہوا کہ جس طرح کعبہ کی طرف رخ کیے بغیر نماز ادا کی جائے تو نماز ادا نہیں ہوتی اور نہ ہی قبول ہوتی ہے اسی طرح جسے مانگتے وقت گدا یا نہ صورت بنانا پسند نہ ہو وہ لینے کیلئے کیوں لپکے ؟

**۲ :** یہاں سے یہ ثابت ہوا کہ اگر قبر کے پاس ہاتھ اٹھا کر دعا نہ کی جائے تو مقبول نہیں ۔ اگر دعا مقبول نہیں تو میت کو ثواب کس چیز کا پہنچے گا ۔ گویا قبر کے پاس جا کر بغیر ہاتھ اٹھائے دعا کرنا ایک بے کار فعل ہوا ۔

پس ثابت ہوا کہ دعا کے لیے ہاتھ اٹھانا مسنون ہے ۔ اس میں قبر اور غیر قبر کی قید نہیں قبر کے پاس جا کر دعا کرنے کے سلسلے میں حضورؐ کی سنت فعلی ملاحظہ ہو ۔

عن عائشہؓ ... ثم انطلقت علی اثرہ حتی جاء البقیع فقام ۔
فاطال القیام ثم رفع یدیہ ثلاث مرات ثم انحرف ۔ قال النووی
فیہ استحباب اطالۃ الدعاء وتکریرہ ورفع الیدین فیہ ان دعاء
القائم اکمل من دعاء الجالس فی القبور ۔ (مسلم ۳۱۳)

( " حضورؐ رات کو جنت البقیع میں گئے ) تو میں بھی انکے پیچھے چلی
گئی ۔ حتی کہ آپ جنت البقیع میں پہنچے ۔ دیر تک کھڑے رہے پھر
ہاتھ اٹھا کر تین بار دعا مانگی پھر واپس چلے آئے ۔

امام نووی رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ یہ استحباب دعائے طویل ' تکرار دعا اور ہاتھ



اٹھا کر دعا کرنے کی دلیل ہے ۔ اس بات کا ثبوت ہے کہ قبر کے پاس کھڑا ہو کر دعا کرنا بیٹھ کر دعا کرنے کی نسبت زیادہ مکمل ہے ۔ "

منکرین دعا علی القبر نے دعا کرتے وقت قبر کی طرف پشت کرنے کا نظریہ جو پیش کیا ہے اسے حضرت امام ابوحنیفہ رحمتہ اللہ علیہ کی طرف منسوب کر کے اپنے دعوی کو تقویت پہنچانے کی کوشش کی ہے اسکی حقیقت ملاحظہ ہو ۔

یہ درست ہے کہ علامہ کرمانی اور ابواللیث سمرقندی رحمتہ اللہ علیہ نے اس خیال کا اظہار کیا ہے لیکن یہ کہاں کا انصاف ہے کہ ان دونوں کی رائے کو امام ابوحنیفہ رحمتہ اللہ علیہ کا مذہب قرار دیا جائے جبکہ امام صاحب کا اپنا قول اسکے برعکس موجود ہے ۔ وہوا ھذا:

عن ابی حنیفہؓ عن نافع عن ابن عمرؓ قال من السنۃ ان تاتی قبر
النبیؐ من قبل القبلہ فتجعل ظہرک الی القبلہ فتستقبل القبر
بوجھک ثم تقول السلام علیک ایھاالنبیؐ و رحمتہ اللہ وبرکاتہ
( مسند امام اعظم رحمتہ اللہ علیہ صفحہ ۲۷ )

" امام ابوحنیفہ رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ابن عمرؓ نے فرمایا کہ
سنت طریقہ یہ ہے کہ تم حضورؐ کی قبر مبارک پر قبلہ کی طرف سے آؤ
پشت قبلہ کی طرف اور منہ مزار کی طرف ہو پھر کہو السلام علیک ....
الخ

فقال بعضھم رایت انس بن مالک اتی قبر النبیؐ فوقف فرفع یدیہ
حتی ظننت انہ افتتح الصلوۃ

" بعض صحابہؓ نے کہا کہ انسؓ بن مالک حضورؐ کے مزار پر جاتے تھے
اور دونوں ہاتھ اٹھا کر قبر کے پاس کھڑے ہو جاتے تھے حتی کہ مجھے
خیال ہوتا تھا کہ شاید آپ نے نماز شروع کر دی ہے ۔

قال مالک فی روایہ ابن وھب اذا سلم علی النبیؐ ودعا یقف وجہہ الی القبر لا الی القبلۃ

(شفاء فی حقوق المصطفیٰ صفحہ ۲۳۵)

"امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے ابن وہب سے بیان کیا ہے کہ ابن وہب جب حضورؐ کی خدمت میں سلام پیش کرتے تو منہ قبر مبارک کی طرف ہوتا اور پشت قبلہ کی طرف کر کے دعا مانگتے تھے۔"

**فائدہ:** ان روایات سے ثابت ہوا کہ امام ابوحنیفہؒ کا مذہب اور جلیل القدر صحابہؓ کا عمل یہی ہے کہ قبر کے پاس جاؤ تو منہ قبر کی طرف اور پشت قبلہ کی طرف ہو اور اس حالت میں دعا مانگو۔ آخر میں علامہ شوکانیؒ کا فیصلہ ملاحظہ ہو۔

وجرب استجابہ الدعاء عند قبور الصالحین بشرط معروفۃ الخ

"تجربہ سے ثابت ہو چکا ہے کہ اولیاء اللہ کی قبروں کے پاس جا کر شرائط معروفہ کے ساتھ دعا کی جائے تو جلد قبول ہوتی ہے۔"

غرض قبر کی طرف منہ کر کے کھڑے یا بیٹھے ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا مسنون ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا یہی مذہب ہے۔ یہ خیال رہے کہ دعا اللہ تعالےٰ سے مانگنی ہے قبر سے نہیں۔



# حرفِ آخر

# حرفِ آخر

الطاعات عندنا محصورۃ فی نوعین التعظیم لامر اللہ والشفقۃ علی خلق اللہ کما قال تعالیٰ :

"ان اللہ مع الذین اتقوا والذین ھم محسنون" فافضل الاعمال فی الخیرات امران المواظبۃ علی الاعمال المشعرۃ بتعظیم المعبود والسعی فی ایصال النفع الی الخلق ۔ التعلق القلبی بشیٔ مما سوی اللہ تعالیٰ فی طریق العبودیۃ یقرب من ان یکون تعلقا بالوثن فلذالک قال اھل السلوک ھو شرک خفی وللسالکین امران البدایۃ والنھایۃ اماالبدایۃ فالا شتغال بالعبودیۃ واما النھایۃ فقطع النظر عن الاسباب و تفویض الامر کلھا الی مسبب الاسباب وذالک ھو المسمی بالتوکل علی اللہ ۔ وھذین المقامین ذکر فی قولہ تعالیٰ "فاعبدہ فتوکل علیہ" وفی ھذہ الایۃ تنبیہ علی ان ایمان العبد لا یکمل الا عند الا عراض عن الا سباب والاقبال بالکلیۃ علی مسبب الاسباب لان حب الدنیا لا یجتمع سعادۃ الاخرہ فبقدر ما یزداد احدھماینقص الاخر وذالک لان الدنیا لا تحصل الا باشتغال القلب بطلب الدنیا و سعادۃ الاُخرۃ لا تحصل الا بفراغ القلب من کل ما سوی اللہ تعالیٰ وامتلائہ من حب اللہ تعالیٰ ۔ وھذان الامران لا یجتمعان والتمرغ فی وصول الدنیا من اخلاق الھالکین ۔ والاخبار وفی ذالک کثیر ۔ لان الانسان دخل فی الدنیا کالتاجر الذی یشتری بطاعتہ سعادۃ الاخرۃ لان قصد الاقصٰی من الخلق العبادۃ کما قال تعالیٰ "وما خلقت الجن والانس الالیعبدون" ۔ والمقصد الاعلیٰ فی العبادۃ حصول محبۃ اللہ تعالیٰ

كما ورد فى الحديث" لا يزال عبدى يتقرب الى بالنوافل حتىٰ احبه" وكل من كان قلبه اشد امتلاء من محبة الله تعالىٰ فهو اعظم درجة عند الله لكن للقلب ترجمان وهو لسان ـ فللسان مصدقات وهى الاعضاء فلهذا المصدقات مزكيات ـ فاذا قال الانسان اٰمنت باللسان فقد ادعىٰ محبة الله تعالىٰ فى الجنان ـ فلا بد من شهود ـ فاذا استعمل الاركان فى الا تيان بما عليه بنيان الايمان حصل له علىٰ دعواه شهود و مصدقات فهى الاعضاء فاذا بذل فى سبيل الله نفسه وماله فزكىٰ بترك ماسواه اعماله زكىٰ شهود الذين صدقوه فيما قاله فيحرر فى جرائد المحبين اسمه ويقرر فى اقسام المقربين قسمه واليه اشار بقوله تعالىٰ ـ" احسب الناس ان يتركوا ان يقولوا اٰمنا وهم لا يفتنون" ـ

ہمارے نزدیک طاعات کا انحصار دو باتوں پر ہے اللہ تعالی کے احکام کی تعظیم اور اللہ تعالی کی مخلوق پر شفقت ـ جیسا کہ اللہ تعالی نے فرمایا ـ " اللہ تعالی ان لوگوں کے ساتھ ہے جنہوں نے تقوی اختیار کیا اور جو احسان کرنے والے ہیں " اور نیک کاموں میں بہترین عمل دو ہیں ـ اول ان اعمال پر مداومت جن سے اللہ تعالی کی عظمت کا اظہار ہو ـ دوم مخلوق کو نفع رسانی میں جدو جہد ـ عبودیت کی راہ میں غیر اللہ سے تعلق رکھنا در حقیقت بت پر ستی کے زیادہ قریب ہے اس لئے اہل سلوک نے اسے شرک خفی قرار دیا ہے اور سالکین کے لئے دو حالتیں ہیں ـ ابتداء اور انتہا ـ ابتداء عبودیت میں مشغول ہونا ہے اور انتہا اسباب سے نگاہ ہٹا لینا اور تمام امور کو مسبب الاسباب کے سپرد کر دینا ہے اسی کا نام توکل علی اللہ ہے انہی دو مقامات کا بیان



کتاب اللہ میں ان الفاظ میں ہوا ہے کہ " اس کی عبادت کر اور اس پر توکل کر اس آیت میں تنبیہہ ہے کہ اس کے بغیر انسان کا ایمان کامل ہی نہیں ہو سکتا کہ وہ اسباب سے قطع نظر کر لے اور اس کی نگاہ مکمل طور پر مسبب پر جمی رہے ـ کیونکہ حب دنیا اور سعادت اخروی کا جمع ہونا ممکن نہیں جس قدر ایک میں اضافہ ہو گا دوسری میں کمی واقع ہو گی اس کی وجہ یہ ہے کہ حصول دنیا کے لئے ضروری ہے کہ دل کو طلب دنیا میں مشغول رکھا جائے اور سعادت اخروی کا حصول اس کے بغیر نہیں ہو سکتا کہ غیر اللہ سے دل کو بالکل خالی رکھا جائے اور اس میں اللہ کی محبت کے بغیر کچھ بھی نہ رہنے پائے اور یہ دونوں باتیں ایک وقت میں جمع نہیں ہو سکتیں اور حصول دنیا میں ہمہ تن محو ہو جانا ہلاک ہونے والوں کے اوصاف میں سے ہے اس ضمن میں احادیث و اخبار کثرت سے ملتی ہیں کیونکہ انسان اس دنیا میں ایک تاجر کی حیثیت سے جسے طاعات کے بدلے سعادت اُخروی حاصل کرنی ہے ـ ظاہر ہے کہ مخلوق کا منتہائے مقصود عبادت ہے جیسا کہ قرآن حکیم میں آیا ہے کہ " اور ہم نے انسانوں اور جنوں کو صرف اپنی عبادت کے لئے پیدا کیا " اور عبادت سے مقصود محبت الہی کا حصول ہے جیسا کہ حدیث میں آیا کہ " جب میرا بندہ نوافل کے ذریعہ میرا قرب ڈھونڈتا ہے تو میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں " اور جس دل میں اللہ کی محبت کوٹ کوٹ کر بھری ہو گی وہی اللہ کے نزدیک زیادہ قابل قدر ہو گا ـ لیکن قلب کا ایک ترجمان ہے ـ اور وہ زبان ہے اور زبان کی تصدیق کرنے والے اعضاء ہیں اور ان مصدقات کے مزکیات بھی ہیں جب انسان زبان

سے کہتا ہے " میں ایمان لایا " تو گویا اس نے اپنے دل میں اللہ کی محبت کے موجود ہونے کا دعوی کیا تو اس کی شہادت پیش کرنا لازمی ہے جب انسان اپنے اعضاء و جوارح سے ان اصولوں پر عمل کرتا ہے جو ایمان کی بنیاد ہیں تو اس نے اپنے دعوے کی شہادت پیش کر دی ۔ جب اس نے اللہ کی راہ میں جان مال خرچ کیا اور ماسوی کی محبت سے اپنے اعمال کو پاک کر لیا تو اس نے اپنے شاہدوں کی صداقت کا ثبوت پیش کر دیا ۔ اس وقت اس کا نام محبان الٰہی کی فہرست میں لکھا جاتا ہے اور مقربین کے گروہ میں شامل ہو جاتا ہے اللہ تعالی نے اسی حقیقت کی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ "کیا لوگوں نے خیال کر لیا ہے کہ انہیں صرف اتنا کہہ دینے پر چھوڑ دیا جائے گا کہ ہم ایمان لائے اور انہیں آزمائش میں نہیں ڈالا جائے گا" :



# مکتوبِ گرامی حضرت شیخ المکرم

## بجوابِ استفسار :

# ایک عالمِ دین از افغانستان

پہلے سوال کا جواب ۔

دُوسرے سوال کا جواب ۔

تیسرے سوال کا جواب ۔

چوتھے سوال کا جواب ۔

پانچویں ، چھٹے ، ساتویں سوال کا جواب ۔

آٹھویں سوال کا جواب ۔

# کابل (افغانستان) سے ایک عالم دین کا خط

بگرامی خدمت شیخ الکرم حضرت مولانا کاشف اسرار شریعت وطریقت وحاوی للفروع والاصول السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ - دام فیو ضکم وبرکا تکم علینا وعلی الناس اجمعین

" مجھے دلائل السلوک ' دیکھنے کا بذریعہ دلاورخاں موقع میسر آیا جس سے میرے دل میں نور ایمان کی لہر اٹھی اور حیران ہو گیا کہ اس دور ظلماتی اور الحادی میں ایسا ہیرا ' موتی یگانہ ' دریکتا ' وحید الدہر اور سراج منیر اس سرزمین پاک وہند میں منور ہوا ' اگر میں خود اپنی آنکھوں سے کتاب نہ دیکھتا ' کوئی دوسرا آدمی زبانی ان واقعات وحالات کو بیان کرتا تو یقیناً دل قبول نہ کرتا ' نہ ہی قابل قبول تھیں ظاہرا ۔ گویہ اہل السنت والجماعت کا مذہب ہے کہ ان لوگوں سے زمین خالی نہیں ہوتی ' مگر ایسے جامع شریعت وحقیقت ہستی کا اس دور میں پایا جانا اگر محال نہیں تھا تو یقیناً کم یاب تو تھا اور ہے ۔

میں خود اس مرض کا قدیم المریض ہوں ۔ طبیب قلب کا سالہاسال سے متلاشی ہوں مگر جو ملا آخروہ دکاندار ہی ثابت ہوا ' اس لئے میری کشتی کنارے نہ لگ سکی نہ ہی مرض سے نجات ملی ' اگر کوئی صورت حاضری کی میسر آئی تو حاضر خدمت ہوں گا ' وقت آخری ہے اور میں چند ایک معروضات پیش کر کے جواب لینا چاہتا ہوں ۔

ا: کیا ازکار واشغال مشائخ وہیئت جلسہ ذکر ' اور دو وقت ذکر کرنے اور مجموعی طور پر ذکر کرنے کا وجود قرون ثلثہ میں ملتا ہے جو قرون مشہود بالخیر ہیں ' اگر ان کا وجود قرون ثلثہ میں موجود نہ تھا تو اس کو بدعت کہنا بعید نہ ہو گا ۔

۲: کیا نجات اخروی کے لئے اور دیگر تمام کمالات کے حصول کے لئے کتاب اللہ اور سنت رسول کافی نہیں کہ مزید ازکارواشغال مشائخ بایں قیودات و تخصیصات

اختیار کئے جائیں جب کہ انسان عامل بالکتاب والسنت ہے۔

۳: کیا علم سلوک وتصوف جزودین ہے ؟ اگر ہے تو قرون ثلثہ اس سے کیوں خالی رہے ؟ اگر نہیں تو اس کے حصول کا کیا فائدہ ؟

۴: اگر علم سلوک جزودین ہے تو اس کے حصول کے لئے ولی کامل اور مرشد کامل کو موقوف علیہ ٹھہرانا کہاں ثابت ہے اس کا حصول تو کتب تصوف اور کتاب اللہ اور سنت سے ہو سکتا ہے '

۵: یہ تو ٹھیک ہے کہ علم سلوک ایک باطنی علم ہے مگر حصول علم کیلئے زندہ اشخاص کافی ہیں عالم علوم باطنیہ سے حاصل ہو سکتا ہے مگر جو صوفیائے کرام اور اولیائے عظام میں مشہور ہے کہ فیض روح سے بھی ہو سکتا ہے تو اہل قبور سے کس طرح ہو سکتا ہے جب بعدالدارین ہو چکا ہے' نیز فقہا میں تو بعض سرے سے سماع موتی کا انکار کرتے ہیں جب حال یہ ہے تو فیض حاصل کرنا کس طرح ہو سکتا ہے ؟ اور امام صاحب کا مذہب بھی بعض عدم سماع بتاتے ہیں۔

۶: خدا تعالے نے سوال کئے بغیر پیدائش انسانی ' جنات وشیاطین قرآن میں بیان فرمادیں مگر روح کی پیدائش اور حقیقت باوجود سوال کے نہ بتائی جس سے خوب واضح ہوتا ہے کہ روح کوئی فرشتہ اور جن سے بھی زیادہ الطف چیز ہے تو ایسی لطیف ہستی سے فیض حاصل کرنا بہت ہی مشکل ہے ' فیض کے لئے اول روح سے ہم مجلس ہو ' پھر اس کو دیکھے وہ نظر آئے پھر اس سے ہمکلام ہو اس کی کلام سنی جائے ' پھر اس سے اخذ فیض کیا جائے ' چہ جائیکہ اس سے خرقہ خلافت لیا جائے ' جس کی کوئی نظیر آپ فرمائیں اگر ہے تو جب عدم سماع بھی سامنے ہے۔

۷: کیا روح پر موت طاری نہیں ہوتی ؟ قرآن میں کل نفس ذائقۃ الموت ' موجود ہے ' اس کلیہ سے آپ روح کو کیسے مستثنیٰ فرماتے ہیں ؟ کیا روح کے لئے بھی روح ہے جبکہ حیات کا موقوف علیہ ہی روح ہے۔'



۸: فنافی الرسول ' ' فنافی اللہ اور بقاباللہ اور مراقبات کی بھی کوئی حقیقت ہے ؟ صوفیائے کرام کے نزدیک اور ان کے حصول وتحصیل کی کیا صورت ہے ؟ کس طرح حاصل کیا جا سکتا ہے ؟ کیا وہ طریقہ آپ ہم کو لکھ کر ارسال کر سکتے ہیں ؟ کہ ہم بھی ان کو حاصل کر کے خدا کے خاص بندوں میں داخل ہو جائیں۔ آپ سے دور افتادہ ہیں ' مہربانی کر کے تفصیل سے لکھیں ' نیز کشف ملائکہ وجن وکشف قبور جن جن وظائف سے حاصل ہو جاتے ہیں وہ بھی مفصل لکھنا مہربانی ہو گی ' میں آپ کے حلقہ کا آدمی ہوں

# خط کا جواب

## حضرت العلام مولانا اللہ یار خان رحمتہ اللہ علیہ

پہلے سوال کا جواب

سب سے پہلے بدعت کا مفہوم سمجھ لینا چاہئے جو چیز بوجود شرعی قرون ثلثہ میں موجود تھی وہ سنت ہے اور جو حکم بوجود شرعی قرون ثلثہ میں موجود نہ تھا وہ بدعت ہے

اب وجود شرعی کی تفصیل سنئے : ۔ اصطلاح اصول فقہ میں وجود شرعی اسے کہتے ہیں جو بغیر بیان رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم معلوم نہ ہو سکے اور حس عقل کا اس میں دخل نہ ہو ' اس شے کا وجود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان اور بیان پر ہی موقوف ہو گا ۔ پھر بیان میں خواہ صراحت ہو ' اشارۃً یا دلالۃً ہو یعنی بیان کی کوئی فرع پائی گئی تو اس حکم کا جواز ثابت ہو گا اور اس حکم کا وجود شریعت میں آگیا ' خواہ اس وقت اس حکم کی جنس بھی خارج میں موجود نہ ہو ' چہ جائیکہ اس کا جزیہ ضروری ہو ۔ پس جس حکم کا جواز کلیۃً ثابت ہو گیا وہ حکم بجمیع جزئیات ثابت ہو گا خواہ اس کا کوئی جزیہ بوجود خارجی قرون ثلثہ میں موجود ہو یا نہ ہو ' اگر اس کلیہ کا کوئی جزئیہ قرون ثلثہ کے بعد خارج میں وجود میں آیا وہ سنت میں داخل ہو گا بدعت نہ ہو گا ۔

یوں تو اقسام حدیث میں قول رسولؐ فعل رسولؐ تقریر رسولؐ ۔ حوا جس نفس رسولؐ عزم رسولؐ ہم رسولؐ ۔ اور خواطر رسولؐ سب ہیں ' مگر اذکار تو وہ سنت ہے جس کا ثبوت صراحۃً رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ کے زمانے میں اور خیرالقرون میں پایا جاتا ہے ۔ اذکار و اشغال جن کی اصل کتاب و سنت میں



موجود ہو اور ان کی جزئیات مشائخ نے اس اصل سے اخذ کی ہوں وہ داخل سنت ہوں گی ۔ کیونکہ وسائل وذرائع حکم مقاصد میں داخل ہیں ۔

دوسری چیز یہ سمجھ لی جائے کہ تعلق باللہ ' نسبت باللہ اور توجہ الی اللہ سب مامور من اللہ مامور بہ ہیں اگرچہ کلی مشکک ہے جس کا ادنی درجہ مندوب ہے اور اعلی درجہ فرض ہے اور سینکڑوں آیات قرآنی اور احادیث نبویؐ سے ان کا مامور من اللہ ہونا ثابت ہے ' بلکہ تمام شریعت کا خلاصہ اجمال یہ ہے کہ مال اور اولاد سے تعلق حفاظت کا ہو اور اللہ تعالی سے تعلق عبادت اور اطاعت کا ہو ۔ جو شخص قرآن مجید اور حدیث شریف میں غور کرے سینکڑوں آیات واحادیث سے ان کا مامور من اللہ ہونا پائے گا اور غیر سے قلبی انقطاع کا ثبوت ملے گا ۔

تیسری بات یہ سمجھ لیں کہ مامور بہ اور مامور من اللہ مقصود لذاتہ ہے اور جو چیز مامور بہ ہوا اس کی تحصیل کیلئے جو ذرائع اور وسائل اختیار کئے جائیں گے یا جو طریقہ مشخص کیا جائے گا مقید کیا جائے گا وہ بھی مامور بہ ہو گا جیسے وضو کو دیکھئے مقصود لذاتہ تو نماز ہے اور نماز موقوف ہے وضو پر ' لہذا وضو کے لئے پانی مہیا کرنا واجب ہو گا ۔ کیونکہ وہی تو وسیلہ اور ذریعہ طہارت ہے ۔ اسی طرح نماز کے لئے ستر عورت فرض ہے لہذا لباس کا مہیا کرنا بھی فرض ہوا ' لہذا ذکر الہی کے سلسلے میں مشائخ نے جو وسائل اور ذرائع اختیار کئے ' یا جن ذرائع کو اصل مقصود کے لئے مشخص کیا یا مقید کیا مؤکد یا غیر مؤکد کیا ' جن پر مقصود ذاتی موقوف تھا ' وہ بھی مقاصد میں داخل ہوئے ' ان کو بدعت نہیں کہا جائے گا ۔ یہ احداث فی الدین نہیں ہو گا ' ہاں احداث للدین ہو گا جس طرح طبیب ہر زمانہ اور ہر موسم ادویہ بدلتا اور تجویز کرتا ہے ' طبیب کا اصل مقصد تو صحت بدن انسانی ہے ' اسی طرح اذکار کا اصل مقصد تعلق مع اللہ اور توجہ الی اللہ ہے جس طریقہ سے حاصل ہو وہ اختیار کرنا فرض کے حکم میں داخل ہو گا ۔

یا مثلاً اعلائے کلمہ اللہ ایک مقصد ہے اور جہاد بھی اس کا ایک ذریعہ ہے ' جہاد جن آلات حرب پر موقوف ہو گا انکی تحصیل بھی فرض ہو گی ۔ جیسے آج کے حالات کے مطابق توپ ٹینک ہوائی جہاز وغیرہ ان کو اس وجہ سے بدعت نہیں کہا جائیگا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم یا صحابہؓ کے زمانہ میں یا خیر القرون میں ان کا وجود نہیں تھا ' بس تلوار ' نیزہ سے ہی کام لینا سنت ہو گا ۔ معلوم ہوا کہ مقصد جب اعلائے کلمتہ اللہ کے لئے جہاد کرنا ہے مگر اس مقصد کے حصول کے لئے حالات کے مطابق ذرائع مہیا کرنا جن پر یہ موقوف ہے وہ بھی واجب ہو گا اسے بدعت نہیں کہا جا سکتا ۔

چوتھی بات یہ سمجھ لیجئے کہ حدیث جبرئیل علیہ السلام میں احسان کو جزودین کہا گیا ہے اس لئے اس کا حاصل کرنا مسلمانوں پر واجب ہے ۔ احسان صرف جزودین ہی نہیں ' دین کی روح اور خلاصہ ہے جس نے اسے حاصل نہ کیا اس کا دین ناقص ہے ' کیونکہ احسان کی حقیقت یہ بیان ہوئی ہے کہ **تعبدربک کانک تراہ فان لم تکن تراہ فانہ یراک** حدیث میں دین کے تینوں اجزاء کا ذکر ہے ۔ ایمان جو اصل ہے ' اعمال جو فرع ہیں اور احسان جو ثمرہ ہے اسے چھوڑ دینا ایسا ہے جیسے ایک شخص مغرب کی نماز میں فرض کی دو رکعت پڑھ کر فارغ ہو جائے ' ظاہر ہے کہ اس کی نماز نہ ہو گی ' اسی طرح احسان کو چھوڑ دینا دین کے ایک عظیم جزو کو ترک کرنا ہے اس لئے دین ناقص رہ جائے گا ۔

پانچویں یہ بات سمجھ لیجئے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں یہ درجہ احسان صرف صحبت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے حاصل ہو جاتا تھا ' صرف فرائض کی پابندی کے ساتھ صحبت رسولؐ شامل ہو گئی تو درجہ احسان حاصل ہو گیا اور وہ بھی اس پایہ کا کہ بڑے سے بڑا ولی ایک ادنیٰ درجے کے صحابیؓ کے مرتبہ تک نہیں پہنچ سکتا ' جب آفتاب نبوت اوجھل ہو گیا تو مجاہدات



وریاضات کی ضرورت محسوس ہوئی تاکہ دین کا یہ اہم حصہ جو دین کا ماحصل کمال کا اعلیٰ درجہ اور مقصودلذاتہ ہے حاصل ہو سکے ۔

رہا دو وقت ذکر کرنے کا سوال تو یہ نص سے ثابت ہے مثال کے طور پر دیکھئے ۔

۱: اناسخرناالجبال معه یسبحن بالعشی والاشراق والطیر محشورہ

ہم نے پہاڑوں کو حکم کر رکھا تھا کہ ان کے ساتھ شام اور صبح تسبیح کیا کریں اور پرندوں کو جو جمع ہو جاتے تھے '

اس حقیقت کو کشف صحیح کی تائید بھی حاصل ہے ' اولیاء اللہ نے اس آیت سے دو امور ثابت کئے ہیں ۔

اول ۔ اجتماعی ذکر ۔ اسمیں ذاکرین کے انوار عکس ایک دوسرے پر پڑتا ہے جس سے نحوست دور ہوتی ہے ۔

قلب میں انبساط پیدا ہوتا ہے ' ہمت قوی ہو جاتی ہے اور اس اجتماعی ذکر سے جو تاثیر پیدا ہوتی ہے وہ الفاظ میں بیان نہیں ہو سکتی ' یہ کیفیت چشنی ہے گفتنی نہیں ۔

۲: واذکرربک فی نفسک تضرعا وخیفه ودون الجهر من القول بالغدو والاصال ولاتکن من الغافلین ۔

اس آیت میں ذکر قلبی کرنے کا حکم ہے کیونکہ خوف کا تعلق دل سے ہے زبان سے نہیں ۔

دوم: صبح وشام ذکر کرنے کا حکم ہے ' آخری بات یہ نکلی کہ جو شخص اس طرح ذکر نہیں کرتا وہ خدا سے غافل ہے اور ظاہر ہے کہ خدا سے غافل ہو جانے سے بڑھ کر محرومی اور کیا ہو سکتی ہے ' اور اس غفلت سے دین میں جو نقص پیدا ہو جاتا ہے ' اس میں کلام کی گنجائش کہاں ہے ؟

۳: واصبر نفسک مع الذین یدعون ربهم بالغداۃ والعشی

۴: ولاتطرد الذین یدعون ربھم بالغداۃ والعشی –

یوں تو ہر حالت میں ذکر کرنے اور ذکر کثیر کرنے کا حکم ہے مگر
دو وقت اہتمام سے ذکر کرنے کی تاکید فرمائی گئی ہے –
اجتماعی ذکر کے سلسلے میں صحیح حدیث موجود ہے کہ :

لایقعدقوم یذکرون اللہ الاحفت بھم الملائکۃ وغشیتھم الرحمۃ
وتنزلت علیھم السکینۃ ھم قوم لایشقی جلیسھم –

اس حدیث میں اجتماعی ذکر کا ثبوت موجود ہے ' پھر اس نعمت کا
ذکر ہے کہ اس مجلس کو ملائکہ گھیر لیتے ہیں ' رحمت باری اور سکون
قلبی نازل ہوتا ہے ' یہاں تک کہ اس مجلس میں بیٹھنے والا بھی بدبخت
نہیں رہ سکتا –

پھر صحیح حدیث موجود ہے کہ ملائکہ کی ایک جماعت حلقہ ذکر کی تلاش میں پھرتی رہتی ہے ' جہاں کہیں کوئی مجلس ذکر پاتے ہیں دوسرے فرشتوں کو بلاتے ہیں اور اس مجلس میں بیٹھ جاتے ہیں –

مختصر یہ کہ ذکر کا مامور من اللہ ہونا اور صبح وشام اہتمام سے ذکر کرنا نص سے ثابت ہے –

## دوسرے سوال کا جواب

ذکر کثیر جو تمام اوقات کو شامل ہے اور صبح وشام ذکر کرنے کا مامور من اللہ ہونا نصوص قرآنی اور حدیث نبویؐ سے ثابت ہے – جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے تو یہ ذکر کرنا بھی عمل بالکتاب والسنت ہے ان کو ایک دوسرے سے جدا کیوں سمجھا جائے ؟ حدیث جبرئیل علیہ السلام سے ظاہر ہے کہ عقائد ( ایمان ) اور اعمال



(اسلام ) کے علاوہ بھی دین کا ایک حصہ ہے جس کا پورا کرنا اور اس فرض کو بجالانا ضروری ہے جسے احسان کہا گیا ہے اسی کو تصوف کہتے ہیں – معلوم ہوا کہ انسان کامل طور پر عامل بالکتاب والسنت ہو ہی نہیں سکتا جب تک ذکر کثیر بالعموم اور صبح وشام ذکر بالخصوص اہتمام سے نہ کرے –

## تیسرے سوال کا جواب

پہلے سوال کے جواب میں بیان کر دیا گیا ہے کہ تصوف جزودین ہے –

## چوتھے سوال کا جواب

کوئی علم یا فن کسی استاد کی شاگردی اختیار کئے بغیر نہیں سیکھا جا سکتا – کتاب اللہ اور سنت رسولؐ کا صحیح فہم حاصل کرنا کامل اور ماہر استاد کے تعلیم دینے پر موقوف ہے محض کتابوں کے مطالعہ سے کتاب اللہ کے اسرار اور سنت رسولؐ کی حقیقت سمجھ میں نہیں آسکتی ' پھر اس کلیہ سے تصوف کو مستثنیٰ کیوں کیا جائے ' اس کے سیکھنے کے لئے مرشد کامل کی ضرورت کا انکار کیوں کیا جائے' جبکہ وہی فن سکھانے کی مہارت اور اہلیت رکھتا ہے – کتب تصوف سے نشان راہ تو مل سکتا ہے مگر منزل تک رسائی نہیں ہو سکتی – حالات ' واردات ' کیفیات اور روحانی ترقی کے لئے مراقبات ' کتابوں سے سیکھنے کی چیز ہی نہیں کیونکہ واضع نے ان کے لئے الفاظ وضع ہی نہیں کئے – یہ کمالات شیخ کامل کے سینے سے حاصل ہوتے ہیں ' شیخ کے باطن سے اور اس کے روح سے حاصل ہوتے ہیں ' جس نے ولایت اور معرفت کا عملی نمونہ دیکھا ہی نہیں وہ عارف کیسے بنے گا ' ہاں ضرورت اس بات کی ہے کہ

شیخ کامل ہو ' دل کا اندھا نہ ہو ' قوی القلب ہو ' جس کے قلب کے انوار اتنے
قوی ہوں کہ سالک کی روح اور اس کے باطن کو اپنی طرف کھینچ سکے ۔

## پانچویں ' چھٹے اور ساتویں سوال کا جواب

اولیاء اللہ کے ارواح سے اور ان کی قبور سے فیض حاصل کرنا اہل سنت
والجماعت کا اجماعی مسئلہ ہے ۔ اس کے متعلق سوال کرنا مذہب اہل سنت سے
ناواقفیت کی دلیل ہے ' رہا بعدالدارین کا اشکال تو یہ بعد جسم کے لئے ہے ' روح
کے لئے بعد نہیں ' معراج کی متواتر احادیث کیا آپ کے پیش نظر نہیں ۔ حضور
اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جا بجا اہل برزخ کو دیکھا ' ان کو راحت کی حالت
میں بھی دیکھا ' انبیاء کی امامت بھی کرائی ' ان سے کلام ہوئی حالانکہ وہ برزخ میں
تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دنیا میں تھے ' گو اس میں محدثین کا اختلاف
ہے کہ مسجد اقصیٰ میں انبیاء کے ارواح حاضر ہوئے یا روح مع الجسم میں ذاتی طور
پر امرثانی کا قائل ہوں ۔ دیکھئے حضرت موسیٰؑ سے کتنا فیض ہوا کہ پچاس کی جگہ
پانچ نمازیں فرض ہوئیں ۔ کیا اس کے بعد بھی روح سے فیض لینے میں شبہ رہ سکتا
ہے ۔

رہی یہ بات کہ سالک روح کو دیکھتا کیسے ہے ' کلام کیونکر ہوتی ہے ۔ فیض
کس طرح ہوتا ہے ۔ سوال وجواب کیسے ہوتے ہیں ؟ روح کی حیات کس طرح کی
ہے وغیرہ ؟ تو یہ چیزیں بتائی نہیں جاسکتیں ' البتہ سیکھی اور سکھائی جاسکتی ہیں ۔ میں
تصوف کو جزودین اور روح دین سمجھتا ہوں اور تحدیث نعمت کے طور پر کہتا ہوں
کہ جسے سلوک سیکھنا ہو بندہ کے پاس ان شرائط کے ساتھ رہے جو میں پیش کروں
گا ' ان شاء اللہ تعالیٰ یہ دکھاؤں گا کہ روح سے فیض کیسے اخذ کیا جاتا ہے وہ



شخص روح سے کلام کرلے گا ۔ قبر کے عذاب وانعام کو دیکھ لے گا ۔ انبیاء کی
روحوں سے ملاقات کرلے گا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دست
مبارک پر روحانی بیعت کراؤں گا بشرطیکہ وہ شخص متبع سنت ہو ' خلوص لے کر
آئے ۔ پھر سماع موتٰی کا مسئلہ بھی حل ہو جائے گا ۔ گو دلائل سمعیہ بھی سماع کے
موئد ہیں ' ان کا انکار صرف جاہل اور ضدی ہی کر سکتا ہے ۔
دور صحابہؓ میں کشف والہام بغیر ریاضت ومجاہدہ کے حاصل ہو جاتا تھا ۔ صحبت رسولؐ
کی موجودگی میں کسی اور چیز کی ضرورت نہیں تھی ۔
حیات روح کی حقیقت یہ ہے کہ روح کی حیات نور سے ہے ' جس طرح روح
محرک بدن انسانی ہے ' اسی طرح نور محرک روح ہے ۔ اور محرک نور ذات باری
تعالےٰ ہے ۔ روح کے بدن سے جدا ہونے سے تصرف وتدبیر کا تعلق بدن سے ختم
ہو جاتا ہے ۔ اس جدائی کو موت سے تعبیر کرتے ہیں ۔ روح فانی نہیں روح کی فنا
آنی ہے اور بقا زمانی ہے ۔
**کل نفس ذائقة الموت** کی حقیقت بھی سمجھ لیں ۔ قانون ہے کہ ذائق مذوق کے
بعد زندہ رہتا ہے جیسے انسان ذائق ہے اور روٹی مذوق روٹی کھائی گئی ۔ انسان زندہ
موجود ہے ۔ اسی طرح روح ذائق ہے اور موت مذوق ہے اس لئے موت کے بعد
روح زندہ رہتی ہے ۔
سماع موتٰی کے مسئلہ میں امام صاحبؒ کے متعلق جو غلط فہمی پائی جاتی ہے کہ وہ عدم
سماع کے قائل تھے ۔ یہ درست نہیں دیکھئے عرف شذی صفحہ **۳۸۶**

واشتهر على السنة الناس ان الموتى ليس لهم سماع عندابى
حنيفةؒ رحمته الله وصنف ملا على القارى رحمته الله عليه رسالة
فذكر فيها ان المشهور ليس له اصل من الائمة اصلا

اور لوگوں کی زبانوں پر یہ بات مشہور ہو چکی ہے کہ امام

ابوحنیفہ رحمتہ اللہ علیہ سماع موتی کے قائل نہیں ' ملا علی قاری نے ایک مستقل رسالہ لکھا ہے جس میں لکھا ہے کہ امام صاحب کے متعلق جو یہ مشہور ہے کہ عدم سماع کے قائل تھے اس کی کوئی سند نہیں ' یہ بالکل بے اصل ہے۔

اور اہل السنت والجماعت کا اجماعی عقیدہ ہے کہ میت کو عالم برزخ میں دنیا کے حالات کا علم ہوتا ہے ' دیکھئے عرف شذی صفحہ ۳۸۷

فی شرح المقاصد ان علم المیت مجمع علیہ

شرح مقاصد میں ہے کہ میت کو علم ہونا اجماعی عقیدہ ہے اور ظاہر ہے کہ علم بغیر حیات کے محال ہے اور عرف شذی صفحہ ۳۸۷ پر ہے۔

والمحققون ان اباحنیفۃ لاینکر سماع الاموات۔

محققین کا مذہب یہی ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمتہ اللہ سماع موتٰی کے منکر نہیں تھے۔

اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی لمعات 401:3 فرماتے ہیں :

" وبالجملہ کتاب وسنت مملوو مشحونند کہ دلالت می کنند بروجود علم موتٰی رابد نیا واہل آں پس منکر نشود آنرا مگر جاہل باخبار ومنکرین ومشائخ گفتہ اندہر کہ ایں اعتقاد ندارد۔

ایمان بحقیقت ثبوت ندارد"

معلوم ہوا کہ روح زندہ ہے جو کمالات اسے دنیا میں حاصل ہوتے ہیں جسمانی موت کے بعد روح سے چھین نہیں لئے جاتے جو علم اس نے دنیا میں حاصل کیا تھا برزخ میں اس سے حاصل کیا جا سکتا ہے ' شرط یہ ہے کہ حاصل کرنے والا برزخ سے روح کے ساتھ رابطہ قائم کرنے کی قوت رکھتا ہو۔ جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو نمازوں کی تعداد میں کمی کرنے کی درخواست کرنے اور کم کرانے کا فائدہ حاصل ہوا تھا۔



## آٹھویں سوال کا جواب

فنائی الرسولؐ ' فنائی اللہ اور بقاباللہ سلوک کے وہ منازل ہیں کہ ہزاروں اللہ کے بندے ان کے حصول کے لئے کوشاں رہے' مجاہدے اور ریاضتیں کرتے رہے اور یہی آرزو لے کر دنیا سے رخصت ہوئے ' ان منازل کے حصول کے لئے سچی تڑپ انسان کی سعادت کی بہت بڑی دلیل ہے مگر یہ منازل صرف زبانی اور اوراد وظائف سے حاصل نہیں ہوتے۔ یہ قلب اور روح کا معاملہ ہے اور صرف ذکر لسانی سے تصفیہ قلب اور تزکیہ باطن نہیں ہوتا ' بلکہ ان منازل کے حصول کے لئے دوسری شرائط ہیں 'سب سے پہلے اصلاح قلب کی ضرورت ہے ' اور اس کی صورت یہ ہے کہ ذکر قلبی کثرت سے کیا جائے اتباع شریعت اور اتباع سنت کا اہتمام کیا جائے۔ اصلاح قلب ایسا کمال ہے جو شیخ کامل کی رہنمائی کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتا ہے

مولوی ہرگز نہ شد مولائے روم  تاغلام شمس تبریزی نہ شد

اور:

کیمیاپیدا کن ازمشت گلے  بوسہ زن بر آستان کاملے

ہست محبوبے نہاں اندرولت  چشم اگر داری بیا بنما ئمت

شیخ کامل کی رہنمائی میسر آجائے تو اتباع سنت کا اہتمام لازمی طور پر کیا جائے :

محال است سعدیؔ کہ راہ صفا  تواں رفت جز درپے مصطفےؐ

شیخ کامل اس راہ پر اس ترتیب سے چلاتا ہے کہ سب سے پہلے لطائف کراتا ہے ' جب وہ منور ہو جاتے ہیں تو مراقبہ احدیت کراتا ہے ' جب یہ رابطہ خوب

مضبوط ہو جائے تو شیخ اپنی روحانی قوت سے مراقبہ معیت پھر اقربیت کراتا ہے - پھر دوائر ثلاثہ ' پھر مراقبہ اسم الظاہر والباطن - یہ مراقبات عالم ملکوت سے گزار کر شیخ کامل کراتا ہے - پھر مراقبہ سیر کعبہ ' پھر سیر صلوۃ پھر سیر قرآن ' اس کے بعد مراقبہ فنافی الرسولؐ کراتا ہے اور دربار نبویؐ میں حاضری ہوتی ہے - فنافی الرسولؐ کا مطلب یہ ہے کہ آدمی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت اور آپ کی سیرت میں فنا ہو جائے - پھر شیخ کامل توجہ روحانی سے فنافی اللہ اور بقاباللہ کا مراقبہ کراتا ہے ' یہ ذکر لسانی سے حاصل نہیں ہو سکتے ' بلکہ شیخ کامل کی توجہ سے ذکر قلبی کرنے سے یہ مقامات حاصل ہوتے ہیں - مراقبہ فنابقا میں عجیب سی کیفیت ہوتی ہے - سالک کا وجود زمین پر ہوتا ہے اور روحانی طور پر یوں محسوس کرتا ہے کہ عرش بریں پر اللہ تعالیٰ کے سامنے سر بسجود ہے اور سبحان ربی الاعلی اور سبحان ربی العظیم کہہ رہا ہے ' عرش معلی اللہ تعالےٰ کے ذاتی انوار وتجلیات کا مہبط ہے - وہ انوار وتجلیات سرخ سنہری معلوم ہوتے ہیں - کائنات کی کیفیت یوں معلوم ہوتی کہ ہر چیز شجر' حجر' حیوان ' ملائکہ سبحان ربی الاعلیٰ اور سبحان ربی العظیم پکار رہے ہیں ' ایک گونج اٹھتی ہے اور سالک پر سب چیزوں سے غفلت طاری ہو جاتی ہے - کائنات کی ہر چیز کا تسبیح وتحمید کہنا کوئی تعجب کی بات نہیں - علامہ ابن تیمیہ فرماتے ہیں -

**قد فطر اللہ الجمادات علےٰ تسبیحہ وتحمیدہ تنزیہہٖ لطفا وتسبیحھا تسبیح حقیقی**

اسی طرح انسانوں کے متعلق بھی تسبیح کے یہی الفاظ استعمال ہوئے ہیں - مخلوق دو قسم کی ہے ' ذوی العقول اور غیر ذوی العقول - ذوی العقول یعنی انسان معرفتؐ الٰہی اور عبادت الٰہی کے لئے پیدا ہوا ہے ' اور غیر ذوی العقول اللہ کی تسبیح وتہلیل کے لئے پیدا ہوئے ہیں -

ہمارے سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ میں ایک مراقبہ جمادات واشجار بھی ہے میں یہ



مراقبہ نہیں کرایا کرتا کیونکہ خام آدمی کیلئے نقصان کا خطرہ ہوتا ہے اس مراقبہ میں پتھروں اور درختوں ' پانی اور ہوا کی بولی سکھائی جاتی ہے اور صوفی کامل ان غیر ذی روح چیزوں سے کلام کر سکتا ہے اور ان کی کلام سمجھ سکتا ہے -

ملائکہ ' جنات ' شیاطین اور روح سے کلام ہونا تو سلوک کی ابتدائی باتیں ہیں ' ہاں اس سلسلے میں طبائع انسانی کے اختلاف کی وجہ سے نتائج بھی مختلف ہوتے ہیں بعض سالک ایسے ہوتے ہیں کہ انہیں سلوک میں منازل بالاحاصل ہو جاتی ہیں ' حتی کہ عالم امر اور عالم حیرت کے منازل بھی طے کر لیتے ہیں ' مگر انہیں مشاہدات نہیں ہوتے ' یہ بھی اللہ کی شان ہے اور اس میں بھی اللہ کی کوئی حکمت پنہاں ہوتی ہے ' بعض ایسے ہوتے ہیں جنہیں بالکل ابتداء میں مشاہدات کی نعمت عنایت فرمادیتا ہے ' ایسے لوگوں کو رویت اشکال کا مراقبہ بھی کرایا جاتا ہے اس مراقبہ میں روح کی اصل شکل بھی جو بعد موت ہو گی سامنے آجاتی ہے ' اس مادہ پرستی کے دور میں بہت کم ایسے آدمی ملتے ہیں جن کی روح انسانی شکل پر ہو ' نعوذ باللہ من ذالک علماء قشر ایسی باتوں کا انکار کر دیتے ہیں ' اس کی وجہ عدم علم ہے ' کشف قبور میں جب روح سے کلام ہوتی ہے تو روح بھی سامنے آجاتی ہے اس کی کلام بھی سنائی دیتی ہے -

جمادات میں شعور کے موجود ہونے کا ثبوت قرآن وحدیث میں موجود ہے -

قال اللہ تعالی : تسبح لہ السماوات السبع والارض

اور :

وان من شئی الا یسبح بحمدہ ولکن لاتفقہون تسبیحھم

اور :

الم تران اللہ یسجدلہ من فی السموات ومن فی الارض والشمس والقمر والنجوم والجبال والشجر والدواب وکثیر من الناس وکثیر حق علیہ العذاب '

بعض مفسرین کا قول ہے کہ سجدہ سے دلالت علی الصانع مراد ہے مگر یہ قول درست نہیں معلوم ہوتا کیونکہ الناس کے ساتھ کثیر کی قید نے اس تاویل کو اڑا دیا ہے ' کیونکہ صانع پر تو تمام جہان دلالت کرتا ہے مصنوع دال علی الصانع ہوتا ہے اور کثیر من الناس سے ظاہر ہے کہ کچھ ایسے بھی ہیں جو دال علی الصانع نہیں اور یہ بات اصولا غلط ہے مصنوع ہو اور دال علی الصانع نہ ہو یہ کیسے ہو سکتا ہے ۔

اس لئے یہ قول غلط ٹھہرا ' لہذا سجدہ اور تسبیح حقیقی ثابت ہوئی ۔

ترمذی اور ابن ماجہ میں یہ حدیث موجود ہے :

عن سہل بن سعد قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

ما من مسلم تلبی الا لبی ما عن یمینہ لشمالہ من حجر الشجر

المدرحتی تنقطع الارض من ھھنا ھھنا

حضرت سہلؓ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جو مسلم تلبیہ کہتا ہے تو اس کے دائیں بائیں کے تمام پتھر درخت ڈھیلے تک تلبیہ کہتے ہیں ۔ حتیٰ کہ مشرق سے مغرب تک تمام تلبیہ کہتے ہیں ۔ ( حاجی کی تلبیہ سنکر )

اس حدیث سے اہل کشف کے اس کشف کی تصدیق ہوتی ہے کہ جمادات میں شعور اور حس موجود ہے ' جس سے وہ تلبیہ کی آواز سنتے ہیں اور خود کلام کرتے ہیں "

اور ابوداؤد میں ہے :

**عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان الحصاۃ تناشد اللہ الذی یخرجہا من المسجد لید عہا ۔**

حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ کوئی شخص مسجد حرام سے کنکریاں



اٹھا کر باہر لے جانا چاہے تو وہ کنکریاں اس کو خدا کا واسطہ دیتی ہیں کہ انہیں وہیں رہنے دے باہر نہ لے جائے ۔

یہ حدیث بھی اہل کشف کی تصدیق کرتی ہے کہ کنکریوں میں شعور اور ادراک ہوتا ہے ۔

ایک حدیث بخاری اور ترمذی میں آئی ہے :

**عن انس قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان احد جبل یحبنا ونحبہ**

احد ایک ایسا پہاڑ ہے جو ہم سے محبت کرتا ہے اور ہم اس سے محبت کرتے ہیں ۔

اس حدیث میں محبت کا لفظ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ جمادات میں شعور اور حس موجود ہے ۔ نحبہ ' سے محبت حقیقی مراد ہے تو یحبنا میں بھی محبت کا لفظ حقیقی معنوں پر محمول ہو گا ۔ ہاں مسئلہ ظنی ہے داخل عقائد نہ ہو گا ۔

جمادات اور اشجار کو تسبیح وتہلیل ' وتحمید وتنزیہ کے لئے پیدا کیا گیا ہے اور وہ اپنا مقصد تخلیق پورا کر رہے ہیں ' مگر انسان جو معرفت الٰہی کے لئے پیدا کیا گیا ہے وہ خدا سے غافل ہو گیا ہے ۔ انسان اگر اپنا مقام پہچان لے اور قرب الٰہی اور رضائے الٰہی کے حصول میں لگ جائے تو اس کی دنیا میں بھی سنور جائے اور آخرت بھی بن جائے اور اس کا واحد ذریعہ ذکر الٰہی کی کثرت ہے ۔

یہ خیال رہے کہ مشاہدات ' مکالمات اور مکاشفات کا حاصل ہو جانا یا جمادات اور ارواح سے کلام کر لینا کمال کی چیز نہیں اصل کمال قرب الٰہی اور رضائے الٰہی کا حصول مقصود ہے ۔

اللہ کی اطاعت اور عبادت پر استقامت صوفی کامل کے لئے ضروری ہے چاہئے کہ مشاہدات وغیرہ تمام چیزوں سے صرف نظر کرتا ہوا اپنی منزل مقصود یعنی قرب الٰہی کی طرف بڑھتا چلا جائے اور یہ مقصد شیخ کامل کی رہبری سے ہی حاصل ہو سکتا ہے ۔

## سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ

۱ــــ الٰہی بحرمتِ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم
۲ــــ الٰہی بحرمتِ حضرت ابوبکر الصدیق رضی اللہ تعالےٰ عنہٗ
۳ــــ الٰہی بحرمتِ حضرت امام حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ
۴ــــ الٰہی بحرمتِ حضرت داؤد طائی رحمۃ اللہ علیہ
۵ــــ الٰہی بحرمتِ حضرت جُنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ
۶ــــ الٰہی بحرمتِ حضرت عُبید اللہ احرار رحمۃ اللہ علیہ
۷ــــ الٰہی بحرمتِ حضرت مولانا عبدالرحمٰن جامی رحمۃ اللہ علیہ
۸ــــ الٰہی بحرمتِ حضرت مولانا ابو ایوب محمد صالح رحمۃ اللہ علیہ
۹ــــ الٰہی بحرمتِ حضرت سُلطان العارفین خواجہ اللہ دین مدنی رحمۃ اللہ علیہ
۱۰ــــ الٰہی بحرمتِ حضرت مولانا عبدالرحیم رحمۃ اللہ علیہ
۱۱ــــ الٰہی بحرمتِ حضرت مولانا اللہ یار خان رحمۃ اللہ علیہ
۱۲ــــ الٰہی بحرمتِ ختمِ خواجگان خاتمہ من دخاتمہ حضرت محمد احسن بیگ و
حضرت سید بنیاد حسین بخیر گرداں

وَصَلَّی اللّٰہُ عَلٰی حَبِیْبِہٖ مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ بِرَحْمَتِکَ یَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ ہ

دینی و دنیوی جائز مقاصد کے حصول، ازالۂ بلیات، حلِ مشکلات و قضائے حاجات کے لیے سحری کے معمول (ذکرِ الٰہی) کے بعد سلسلۂ خواجگان نمبر گیارہ تک پڑھ کر بکمالِ خشوع و خضوع و استحضارِ قلب دُعا مانگے بفضلہٖ تعالیٰ مستجاب ہوگی، عام حالات میں حصولِ برکات و تقویتِ نسبت کے لیے پڑھے تو بارہویں سطر بھی شامل کرلے اللہ کریم اپنے فضل و کرم سے خاتمہ بالایمان فرمائیں گے۔

# عکسِ سنداتِ خُلفائے شیخِ سلسلہ رحمۃ اللہ علیہم

حضرت محمد احسن بیگ مدظلہ العالی

حضرت سیّد بُنیاد حسین نقوی مدظلہ العالی

اللہ جل جلالہ — محمد ﷺ

# خلافت نامہ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِہٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ اَمَّا بَعْدُ واضح ہو کہ ترویج طریقت و ادائے امانت جو از شیخ عظام رضوان اللہ علیہم اجمعین تا سلسلہ عالیہ اویسیہ سے یداً بید بتوسط حضرت سلطان العارفین قدوۃ الابرار والصالحین الکاملین اس فقیر حقیر کو پہنچی بقدر مقدور تا حال تحریر ادا کی مَا قَدَّرَ اللّٰہُ اَدَائَہٗ اِلٰی مَنْ یَّسَّرَ اللّٰہُ تَعَالٰی الْاَدَاءَ اِلَیْہِ آخر اس عاجز کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ میں اس امانت کے ادا کرنے اور ترویج دینے طریقت عالیہ کی جس میں لیاقت پاؤں ان کو مقرر کروں کہ یہ سلسلہ موجودہ منتظم رہے اور اس سلسلہ کا اللہ جل جلالہ انقطاع سے محفوظ رکھے آمین یا رب العالمین۔ اس بنا پر میں جن حضرات کو اجازت دوں گا تو لَھُمْ قَوْلِیْ وَیَدُھُمْ یَدِیْ وَشَرْطُ الْاِجَازَۃِ الْاِسْتِقَامَۃُ عَلَی الشَّرِیْعَۃِ وَاتِّبَاعُ السُّنَّۃِ السَّنِیَّۃِ اَللّٰھُمَّ انْصُرْ مَنْ نَّصَرَھُمْ وَاخْذُلْ مَنْ خَذَلَھُمْ وَاَیِّدْ بِھِمُ الدِّیْنَ وَاجْعَلْھُمْ اَئِمَّۃَ الْمُتَّقِیْنَ وَارْزُقْھُمُ الْاِسْتِقَامَۃَ عَلَی الشَّرِیْعَۃِ الْعَلِیَّۃِ اٰمِیْنَ یَا رَبَّ الْعٰلَمِیْنَ وَصَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلٰی خَیْرِ خَلْقِہٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ فَاَجَزْتُ لَھُمْ اِجَازَۃً مُّطْلَقَۃً فِی الطَّرِیْقَۃِ النَّقْشْبَنْدِیَّۃِ وَالْقَادِرِیَّۃِ وَالْچِشْتِیَّۃِ وَالسُّھْرَوَرْدِیَّۃِ وَغَیْرِھَا اِجَازَۃً تَامَّۃً لِاِرْشَادِ الطَّالِبِیْنَ وَاِلْقَاءِ السَّکِیْنَۃِ فِیْ قُلُوْبِ الْاَحْبَابِ فَالْاِجَازَۃُ لَھُمْ بِشَرْطِ الْاِسْتِقَامَۃِ عَلَی الشَّرِیْعَۃِ الْمَرْضِیَّۃِ وَاتِّبَاعِ السُّنَّۃِ السَّنِیَّۃِ وَالْاِجْتِنَابِ عَنِ الْبِدَعِ وَدَوَامِ الذِّکْرِ وَالشُّغْلِ مَعَ اللّٰہِ سُبْحَانَہٗ وَالْاِعْرَاضِ عَنِ الْخَلْقِ وَالْیَاسِ عَنْھُمْ وَالرَّجَاءِ مِنَ اللّٰہِ تَعَالٰی بِصَبْرِہٖ وَتَوَکُّلِہٖ وَقَنَاعَتِہٖ وَالشُّغْلِ بِالْاَذْکَارِ وَالْمُرَاقَبَاتِ اَللّٰھُمَّ لَا تَکِلْنَا اِلٰی اَنْفُسِنَا طَرْفَۃَ عَیْنٍ وَّکُنْ لَّھُمْ مُعِیْنًا وَّکَفِیْلًا فِی الْاُمُوْرِ کُلِّھَا بِرَحْمَتِکَ یَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ۔

نام میجر محمد احسن بیگ ولدیت مرزا احمد امین بیگ پتہ سیالکوٹ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۲۱ ۷

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی خَیْرِ خَلْقِہٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ فَاَجَزْتُ لَہٗ اِجَازَۃً فِی الطَّرِیْقَۃِ النَّقْشْبَنْدِیَّۃِ وَالْاُوَیْسِیَّۃِ وَالْقَادِرِیَّۃِ وَالْچِشْتِیَّۃِ وَالسُّھْرَوَرْدِیَّۃِ وَغَیْرِھَا لِاِرْشَادِ الطَّالِبِیْنَ وَاِلْقَاءِ السَّکِیْنَۃِ وَالْحُضُوْرِ فِیْ قُلُوْبِ الذَّاکِرِیْنَ وَاَخْذِ الْبَیْعَۃِ الْمَسْنُوْنَۃِ عَنْ طَالِبِ الطَّرِیْقِ فَھُوَ خَلِیْفَتِیْ وَیَدُہٗ کَیَدِیْ فَقَوْلُہٗ کَقَوْلِیْ اَقْتَدِیْ بِہٖ قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی اِنَّ الَّذِیْنَ یُبَایِعُوْنَکَ اِنَّمَا یُبَایِعُوْنَ اللّٰہَ یَدُ اللّٰہِ فَوْقَ اَیْدِیْھِمْ وَشَرْطُ الْاِجَازَۃِ الْاِسْتِقَامَۃُ عَلَی الشَّرِیْعَۃِ وَاتِّبَاعُ السُّنَّۃِ النَّبَوِیَّۃِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَدَوَامُ الذِّکْرِ وَالْمُرَاقَبَاتِ اَللّٰھُمَّ کُنْ لَّہٗ مُعِیْنًا وَّکَفِیْلًا فِی الْاُمُوْرِ کُلِّھَا بِرَحْمَتِکَ یَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ

استاذ العلماء شیخ الزمان حضرت العلام مولانا اللہ یار خان صاحب مدظلہم العالی صاحب سلسلہ النقشبندیہ الاویسیہ ساکن چکڑالہ ضلع میانوالی

[illegible] میجر محمد احسن بیگ [illegible] طریقہ عالیہ [illegible]

[illegible] اللہ یار خان [illegible]

[illegible]

[illegible] اللہ یار خان [illegible] ۷

تحریر خاص

ہمت کر کے یہ شخص [illegible] کے احباب [illegible] ہوگا کہ
بسبب [illegible] طالبین [illegible] گروہوں کو [illegible] کریں [illegible] تو وہ [illegible]
اس قسم کی امداد کریں جانی مالی زبانی جس شخص [illegible] اس

[illegible]
[illegible] روحانی تعلق ہے

نائب [illegible] اللہ یار خان ۷ ۱۲/۹۳



اللہ جل جلالہ — محمد صلی اللہ علیہ وسلم

# خلافت نامہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی رسولہ محمد وآلہ واصحابہ اجمعین اما بعد واضح ہو کہ ترویج طریقت و اداے امانت جو از مشائخ عظام رضوان اللہ علیہم اجمعین نقشبندیہ اویسیہ سے یداً بید بتوسط حضرت سلطان العارفین قدوۃ الابرار والصالحین الکاملین الی آخرہم کو پہنچی بقدر مقدور تا حال حق ادا کی ما قدر اللہ ادائہ الی من یسر اللہ تعالیٰ الاداء الیہ۔ آخر اس عاجز کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ میں اس امانت کے ادا کرنے اور ترویج دینے طریقت عالیہ کی جس میں لیاقت پاؤں ان کو مقرر کروں کہ یہ سلسلہ موجودہ منتظم رہے اور اس سلسلہ کو اللہ جل جلالہ انقطاع سے محفوظ فرمائے آمین یا رب العالمین۔ اس بنا پر جن حضرات کو اجازت دوں گا قولہم قولی ویدہم یدی وشرط الاجازۃ الاستقامۃ علی الشریعۃ واتباع السنۃ السنیۃ اللہم انصر من نصرہم واخذل من خذلہم وایدہم یوم الدین واجعلہم ائمۃ المتقین وارزقہم الاستقامۃ علی الشریعۃ العلیۃ آمین یا رب العالمین وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ محمد وآلہ واصحابہ اجمعین فاجزت لہم اجازۃ مطلقۃ فی الطریقۃ النقشبندیۃ والقادریۃ والچشتیۃ والسہروردیۃ وغیرہا اجازۃ تامۃ لارشاد الطالبین والقاء السکینۃ فی قلوب الاحباب فالاجازۃ لہم بشرط الاستقامۃ علی الشریعۃ المرضیۃ واتباع السنۃ السنیۃ والاجتناب عن البدع ودوام الذکر والشغل مع اللہ سبحانہ والاعراض عن الخلق والیاس عنہم والرجاء من اللہ تعالیٰ بصبرہ وتوکلہ وقناعتہ والشغل بالاذکار والمراقبات اللہم لا تکلنا الی انفسنا طرفۃ عین وکن لہم معینا وکفیلا فی الامور کلہا برحمتک یا ارحم الراحمین۔

نام: سید ضیاء حسین شاہ — ولدیت: ______ — پتہ: سرگودھا — حضرت اللہ یار خان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۷ ۱۲/۹۳

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی خیر خلقہ محمد وآلہ واصحابہ اجمعین فاجزت لہ اجازۃ فی الطریقۃ النقشبندیۃ والاویسیۃ والقادریۃ والچشتیۃ والسہروردیۃ وغیرہا لارشاد الطالبین والقاء السکینۃ والحضور فی قلوب الذاکرین والخلیفۃ المسترشدین عن طالب الطریق فہو خلیفتی ویدہ کیدی فطوبیٰ لمن اقتدی بہ قال اللہ تعالیٰ ان الذین یبایعونک انما یبایعون اللہ ید اللہ فوق ایدیہم وشرط الاجازۃ الاستقامۃ علی الشریعۃ واتباع السنۃ النبویۃ صلی اللہ علیہ وسلم ودوام الذکر والمراقبات اللہم کن لہ معینا وکفیلا فی الامور کلہا برحمتک یا ارحم الراحمین

استاذ العلماء شیخ الزمان حضرت العلام مولانا اللہ یار خان صاحب مدظلہم العالی صاحب السلسلۃ النقشبندیۃ الاویسیۃ

ساکن چکڑالہ ضلع میانوالی

[illegible] سید ضیاء حسین شاہ [illegible]
[illegible] ۷ ۱۲/۹۳ [illegible] اجازت ہے
[illegible] اللہ یار خان [illegible]

# حواشی

| صفحہ | شمار | |
|---|---|---|
| ۲۷ | ۱۔ | جس نے میرے ولی سے عداوت کی میں اس کے خلاف اعلان جنگ کرتا ہوں ۔ |
| ۳۰ | ۲۔ | بلکہ ایسی چیز کی تکذیب کرنے لگے جس کو اپنے احاطہ علمی میں نہیں لائے ۔ |
| 〃 | ۳۔ | اور جس بات کی تحقیق نہ ہو اس پر عمل درآمد مت کیا کر ۔ |
| ۳۱ | ۴۔ | میرے شکر گذار بندے تھوڑے ہیں ۔ |
| ۳۲ | ۵۔ | روض الریاحین : امام یافعی رحمتہ اللہ علیہ ( بحوالہ الطبقات الکبریٰ : علامہ عبدالوہاب شعرانی رحمتہ اللہ علیہ (اردو ترجمہ ) |
| ۳۵ | ۶۔ | مشکوۃ' کتاب الایمان ۔ |
| ۳۶ | ۷۔ | المعات مشکوۃ : ۴۵ ۔ شاہ عبدالحق محدث دہلوی ۔ ۳۔ تفہیمات الیہ ۱۳۰: |
| ۳۷<br>۳۸ | ۸۔ | تفہیمات الیہ ۱۳۰ ۔ ۲۔ تفہیمات الیہ : حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمتہ اللہ علیہ |
| ۳۹<br>۴۰ | ۹۔ | تفسیر مظہری ۳۲۴:۴ ۲۔ تعلیم المتعلمین ۲۱ ۔ ۳۔ الکشف عن مہمات التصوف ۵۲ |
| ۴۰ | ۱۰۔ | شامی در مختار جلد اول بحث علم القلب ' ۲۔ تفسیر جمل ۳۹۷:۱' ۳۔ تحفہ اثنا عشریہ ۲۳۷ |
| ۴۲ | ۱۱ | اس اجمال کی تفصیل کے لئے کتاب ہذا کے ۴۳۳ میں اعتراض ' نمبر۸ کے ذیل میں دیئے گئے مندرجات ملاحظہ فرمائیں ۔ |
| ۴۵ | ۱۲۔ | فیض الباری جلد۱:۱۴۹' ۱۵۰ ۔ اذکار ' اشغال ' نسبت سلاسل تصوف کا بیان |
| ۴۶ | ۱۳۔ | فیض الباری جلد ۱:۳۰۴ |

# حواشی

۶۷ — ۱۴۔ ان اصطلاحات کی تشریح مقامات سلوک کے باب میں ملاحظہ ہو -

۶۸ — ۱۵۔ تفسیر کبیر ۳۹۰:۲

۷۵ — ۱۶۔ کتاب الروح - ابن قیم ۲۲۰:

۷۷، ۷۸ — ۱۷۔ روض الانف ۱۹۸:۱ - ۲۔ : تفسیر کبیر ۴۴۵:۵ وتاسیس التقدیس

۷۹ — ۱۸۔ تفسیر کبیر ۴۴۵:۵

۸۵ — ۱۹۔ تفسیر کبیر ' ا۔رسالہ روح

۸۶ — ۲۰۔ تفسیر مظہری ۴۰۷:۱۴

۹۳ — ۲۱۔ کتاب الروح - ابن قیم ۲۹۵:

۹۷ — ۲۲۔ فتح الباری مع بخاری ۳۱۵:۱۲

۹۹ — ۲۳۔ ابن ماجہ - باب ترجیع الازات - ۲۔ احیاء العلوم ۴۰:۳

۱۰۰ — ۲۴۔ استاد مکرم رحمتہ اللہ علیہ نے روح مین پروازکی قوت پیدا کرنے اور اس کا مشاہدہ کرنے کے لئے چھ ماہ کا عرصہ مقرر کیا ہے مگر اس کے ساتھ شرط یہ لگائی ہے کہ اگر کوئی " طلب صادق " لے کر آئے پھر اس کوشش کے نتیجہ کو اپنے اختیار کے تحت نہیں بلکہ اللہ تعالے کے سپرد کیا پھر انشاء اللہ وہ دیکھ لے گا... الخ یہ کوئی انوکھی بات نہیں - ہر تجربہ کار معلم اور ماہر فن اپنے تجربہ اور مہارت فن کی بناء پر ایسا اندازہ کر سکتا ہے ' اور یہ ایک امرواقعہ ہے مگر جس طرح ظاہری علوم وفنون میں عزم اور استعداد کے اختلاف کی بناء پر مختلف لوگ مختلف عرصے میں علم وفن سیکھتے ہیں ' اسی طرح تصوف وسلوک میں بھی شیخ کامل کی تربیت سے عزم واستعداد کے اختلاف کی وجہ سے مختلف سالک مختلف مدتوں میں گوہر مراد



# حواشی

پاتے ہیں ' حضرت استاد مکرم کے شاگردوں میں سے ہم نے ایسے لوگ بھی دیکھے جو نو دن اور ایک ہفتے کے اندر اللہ کے فضل سے اس قابل ہو گئے کہ ان کی روح میں قوت پرواز پیدا ہو گئی اور اپنی روحانی پرواز کومشاہدہ کرنے لگے - ذلک فضل اللہ یوتیہ من یشاء -

اور یہ کوئی نئی بات نہیں -

(۱) مولانا تھانوی رحمتہ اللہ علیہ نے " الابقا " میں بیان کیا ہے کہ مولانا غلام رسول کان پوری رحمتہ اللہ علیہ نما کے لقب سے مشہور تھے ' کیونکہ آپ کی کرامت تھی کہ ہر شخص کو بیداری میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کرا دیا کرتے تھے -

۲۔ : امام یافعی نے کفایۃ المعتقد صفحہ نمبر۵۳ پر فرمایا ہے - " مناقب شیخ عبدالقادری رحمتہ اللہ علیہ میں درج ہے - ایک شاگرد کی روایت ہے کہ رات آپ نکلے میں پیچھے ہو لیا - شہر کے دروازے خود بخود کھلتے گئے اور بند ہوتے گئے ایک مقام پر پہنچے ' ایک میت کو پیش کیا گیا ' پھر ایک آدمی لایا گیا ' اس سے شہادتین کا اقرار کرایا گیا پھر فرمایا کہ مرنے والے کی جگہ یہ ہو گا - پھر واپس آگئے - دوسرے دن میں نے پوچھا تو آپ نے فرمایا " ہم نہاوند گئے تھے ساتواں ابدال فوت ہو گیا تھا ' نیا آدمی قسطنطنیہ کا عیسائی تھا ' اس کو مسلمان کیا اور اسے ساتواں ابدال مقرر کیا " یہ واقعہ الحاوی للفتاوی میں علامہ سیوطی رحمتہ اللہ علیہ نے اور الجزالدال میں اور حکیم الامت حضرت تھانوی رحمتہ اللہ علیہ نے الابقاء میں شائع کیا تھا - دیکھیے ایک آدمی اللہ کے فضل اور شیخ کامل کے فیض نظر سے ایک دن میں کفر سے نکل کر اسلام کے دائرہ میں آیا اور سلوک میں ترقی کر کے اسی روز ابدال کے منصب پر فائز ہو گیا - مایفتح اللہ للناس من رحمتہ فلاممسک لھا

# حواشی

(۳) فوائد الفواد صفحہ ۷۲/۷۱ پر ایک واقعہ درج ہے کہ :۔

" بعدازاں دربزرگی شیخ بہاء الدین زکریا سخن درپیوست فرمود کہ در ہفدہ روز آں نعمت ہایافت کہ یاران دیگر بسالہا نیافتہ بودند تا چنانکہ بعضی یاران قدیم مزاج بتغیر کردند کہ ماچندیں سال کردیم ماراچندی نعمت نرسید وہندوستانی بیامد دراندک شغلی یافت ونعمت فراواں ایں خبر سمع شیخ رسید ایشاں راجواب فرمود کہ شماہیزم تر آور دہ بودید ودرہیزم ترکے باید کہ آتش گیرداماز کریا ہیزم خشک آوردہ بود بیک نفخ درگرفت " دیکھئے ! طلب صادق اور استعداد لے کر آنیوالے طالب کو شیخ کامل کے فیض سے اللہ تعالے نے سترہ روز میں کامل بنادیا

(۴) حضرت مولانا گنگوہی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں :۔

" اگر کوئی سچا طالب چالیس روز متواتر تمام شرائط کے ساتھ اتباع نبویؐ پر عمل کرے ' انشاء اللہ اس پر مکاشفات کے دروازے کھل جائیں گے ' سب سے پہلے انوار روحانی اور کواکب روحانی دیکھنے میں آئیں گے ' پھر فرشتوں کا مشاہدہ ہو گا ' پھر صفات کامشاہدہ ہو گا ۔ ان کے واسطے سے سالک پر بعض حقائق کھلنے لگیں گے ۔ یہ تمام ذکر ہی کا ثمرہ ہے "(امداد السلوک ۳۱) اور مولانا رومیؒ فرماتے ہیں

" اے نوجوان ! یا تو مان جا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ٹھیک ہے کہ قبر جہنم کا گڑھا ہے ' یا بہشت کا باغ ہوتی ہے ' یا چودہ سال کے اخراجات میرے پاس جمع کرادے ' اے نوجوان تو نے چودہ سال باپ کی کمائی کھا کرلی ۔ اے کی ڈگری پائی ۔ ادھر بھی ایسا کرنا پڑے گا ۔ ہم تمہیں بھیک مانگ کر مفت کیوں کھلائیں ۔ ' پہلے تمہیں ٹسٹ کریں گے کہ نور فطرت بجھ تو نہیں گیا ۔ بعض اوقات نور فطرت بجھ بھی جاتا ہے ' اس کا ذکر قرآن مجید میں آتا ہے ۔ ان الذین کفروا سواء علیھم ءانذرتھم ام لم تنذرھم لایومنون



" اے نوجوان ! یا تو مان جا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ٹھیک ہے کہ قبر جہنم کا گڑھا ہے ' یا بہشت کا باغ ہوتی ہے ' یا چودہ سال کے اخراجات میرے پاس جمع کرادے ' اے نوجوان تو نے چودہ سال باپ کی کمائی کھا کرلی ۔ اے کی ڈگری پائی ۔ ادھر بھی ایسا کرنا پڑے گا ۔ ہم تمہیں بھیک مانگ کر مفت کیوں کھلائیں ۔ ' پہلے تمہیں ٹسٹ کریں گے کہ نور فطرت بجھ تو نہیں گیا ۔ بعض اوقات نور فطرت بجھ بھی جاتا ہے ' اس کا ذکر قرآن مجید میں آتا ہے ۔ ان الذین کفروا سواء علیھم ءانذرتھم ام لم تنذرھم لایومنون اگر نور فطرت بجھ نہیں گیا اور تو مسخ نہیں ہو گیا تو پھر تمہیں کسی کامل کے پاس لے جائیں گے اور ان سے عرض کریں گے کہ حضرت ! یہ نوجوان باطن کا اندھا ہے ' اس کی تربیت فرمادیجئے ' وہ تربیت فرمائیں گے ' جس دن تمہاری روحانی تکمیل ہو جائے گی ۔ اور کامل تمہیں کاملا کا سرٹیفکیٹ عطا فرمائے گا تو پھر میانی صاحب میں جا کر دس یا بارہ قبریں پھر جانا تو ایک منٹ سے پہلے تمہیں معلوم ہو جائیگا کہ اس کی قبر دوزخ ہے اور اس کی بہشت ہے " مجلس ذکر حصہ دہم صفحہ ۹۰-۹۱ دیکھ لیجئے

صوفیاء کرام مکاشفات کیلئے مدت بھی مقرر کرتے آئے ہیں اور طلب صادق ' استعداد اور شیخ کے کمال میں ' اختلاف کی وجہ سے طالبین کی تکمیل کیلئے کہیں ایک لمحہ ' کہیں ایک روز کہیں ۱۷ روز کہیں ۴۰ روز اور کہیں ۱۴ سال کا عرصہ رکھا گیا ہے ۲۹ء:۔ شیخ کامل کی پہچان میں خصوصیت نمبر۶ ' نمبر۷ ' نمبر۸ سے صاف ظاہر ہے کہ یہاں شیخ کامل سے مراد صرف وہ رہبر ہے جو تصوف سلوک کے راستہ پر چلانیکا اہل ہو ' اور سلوک کے راستہ چلانیکا اہل ہو ' اور سلوک کی منازل طے کرانے کی اہلیت رکھتا ہو اور تصوف وسلوک کی منازل طے کرنے

کے لئے مراقبہ فنائی الرسول بنیاد کی حیثیت رکھتا ہے جو شیخ اتنا نہیں کر سکتا وہ یقیناً شیخ طریقت کے اعتبار سے ناقص ہے جیسا ( الابریز صفحہ ۴۳ " ایک بار آپ نے فرمایا کہ جب تک سیدالوجود صلی اللہ علیہ وسلم کی معرفت حاصل نہ ہو ' اس وقت تک اللہ کی معرفت حاصل نہیں ہو سکتی ۔ "

حضرت شاہ رفیع الدین رحمتہ اللہ علیہ نے رسالہ بیعت میں اس کی تصریح فرمائی ہے ؛

وہوہذا ۔

" بیعت کہ پیش صوفیہ معتبر ومقبول است چہار قسم یافتہ می شود وہر قسم راشروط علیحدہ است وثمرات دیگر ۔ ۱ بیعت وسیلت ' ۲ بیعت شریعت ' ۳ بیعت طریقت '۴ بیعت حقیقت وسوائے ایں آنچہ برائے تحصیل مال و جاہ ' یا برائے تحصیل حاجات دنیوی از مرشد باشد فی الحقیقت اعتبارے ندارد "

۲ ۔ بیعت شریعت : ضرورت مردے کہ باوجود علم وتقوی دو صفت داشتہ باشد ۔ یکے عدم مساہت ومداہنت درمقام امر بالمعروف ونہی عن المنکر ' دوم شناختن آنچہ بحال طالب افضل واسل است ' ثمرہ آں رسیدن است بہ نجات کلی درعقبی الخ

۳ ۔ بیعت طریقت : پس حقیقتش آنکہ مرد خوش ہمت ہر گاہ فضائل ومناقب اولیاء وتصرفات عجیبہ ایشاں مثل حصول مراد مردم وقوت وہمت وتصرف برو لہاوکشف احوال موتی وکشف مستقبلات حوادث وملاقات ارواح طیبہ وغیرہ می سنودوشوق تحصیل آں دردل اوغالب می شود از قبیل متعارف است کہ ہم صنعتے بغیر مزاولت واخذ آں ازماہران آں فن بکمال نمی رسد ۔ پس چیزے کہ مانند آں دردست ہیچ کس دیدہ نمی شود از فکر ناقص خود مصدر ایں آثار باشد

واین امور مراورا سہل الحصول باشد استاذ خود ساختہ حق متابعت انما ادانماید مقصود خودرسد ۔ وثمرہ آن مصفاساختن وجہ روح است ازکدورت جسمانی ۔ ومنور وکمل ساختن آں بانوار روحانی واسماء ربانی ومبداء فیض الٰہی گشتن برائے بندگان الٰہی وحل مشکلات آنہا تابہ طفیل آں درجناب الٰہی بحکم الخلق عیال اللہ فاحبہم الی اللہ انفعہم لعیالہ ۔ مستحق فضیلت محبوبیت مشرف گشتن وباز مرہ اولیاء وصلحاء شریک فضائل شدن و مناسبت صفائی بایشان پیدا کردن "

۴ ۔ بیعت حقیقت : شرط ایں فناوجود وقطع تعلقات کرنی وحظوظ نفسانی وبے تعلق ازمال وجاہ و علاقہ داران وثمرہ آں موجود بودن بنور تجلیات الٰہی وفنا گشتن حجب وجود ظلمانی است " معلوم ہوا کہ بیعت طریقت وحقیقت کے لئے شرائط اور ہیں اور بیعت شریعت کے لئے اور ہیں ' جو شخص ان شرائط پر پورا نہیں اترتا وہ طریقت وحقیقت کی بیعت لینے کے قابل نہیں اس میدان میں وہ ناقص ہے ۔

شیخ عبدالقادر جیلانی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں ۔

" اے راہ آخرت کے مسافر ' تو ہر وقت رہبر کے ساتھ رہ یہاں تک کہ وہ تجھ کو پڑاؤ پر پہنچا دے ۔ راستہ بھر اس کا خادم بنا رہ ' اس کے ساتھ حسن ادب کا برتاؤ رکھ اور اس کی راہ سے باہر مت ہو کہ وہ تجھے واقف کار بنادے گا اور خدا کے قریب پہنچادے گا ۔ اس کے بعد تیری شرافت ' صداقت دیکھ لینے کی وجہ سے تجھ کو راستہ میں نیابت عطا کرے گا ' یعنی تجھ کو قافلہ میں سردار اور اہل قافلہ کا سلطان بنا دے گا ' پس تو قائم رہے گا یہاں تک کہ تجھ کو تیرے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لائے گا اور تجھ کو آپؐ کے حوالے کر دے گا ۔ پھر آپؐ کی آنکھیں تجھ سے ٹھنڈی ہو جائیں گی ۔ اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ

وسلم تجھ کو نائب بنادیں گے ' قلوب کیفیات اور معنی پر - پس تو حق تعالے اور اس کی مخلوق کے درمیان سفیر اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا حاضر باش اور خدمت گار بن جائے گا کہ کبھی مخلوق کی طرف آئے گا اور کبھی خالق کی طرف - یہ چیز بناوٹ اور ہوس سے حاصل نہیں ہوتی - بلکہ اس سے ہوتی ہے جو سینوں میں جگہ پایا کرتی ہے ' اور عمل اس کی تصدیق کیا کرتا ہے - "

پھر فرماتے ہیں -

" مشائخ دو قسم کے ہیں ' ایک مشائخ شریعت ' ایک مشائخ معرفت - شیخ شریعت تجھ کو مخلوق کے دروازے پر لے جائے گا اور شیخ طریقت تجھ کو قرب خداوندی کا راستہ بتائے گا - "

اور مولانا رشید احمد گنگوہی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں -

" شیخ کے لئے مقامات منازل تلوینات تمکینات اور قوائد وضو کا سمجھنا اور مشاہدات ومعائنات سے گزر کر مرتبہ فناء الفنا اور بقاء البقاء تک پہنچنا اور عظمت وکبریا اور وحدانیت وفردیت کی معرفت بھی ضروری ہے تاکہ سالکین کی تربیت اور طالبین کی رہنمائی کر سکے اور پیر بننے کے قابل ہو جائے " ( امداد السلوک صفحہ ۲۷

اور حضرت سلطان باہو رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں :-

" اور یاد رکھو - فقیر فانی اللہ صاحب حضور ہوتا ہے ' وحدانیت الہی میں غرق کرنا اور مجلس محمدیؐ میں پہنچانا اس کے لئے کچھ مشکل نہیں ' بلکہ آسان ہے اور صرف ذکر وفکر اور زہد وتقوے سے یہ بات حاصل ہونا دشوار ہے ' کیونکہ مرشد کامل ومکمل طالب اللہ کا ہاتھ پکڑ کر منزل مقصود کو پہنچ سکتا ہے - جس شخص کو یہ قدرت نہ ہو اسے کامل کہنا غلط ہے - بلکہ وہ راہزن ہے - ( عین الفقر صفحہ ٦)



اور امام ربانی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں :-

علم بہ تفصیل احوال ومقامات ومعرفت بہ حقیقت مشاہدات وتجلیات وحصول کشف والہامات و ظہور تعبیرات وقعات ازلوازم ایں عالی مقام است دونہا خرط القتاد( مکتوبات دفتر اول حصہ چہارم صفحہ ۲۲۱ )

اس تفصیل کے بعد یہ خلش باقی نہیں رہنی چاہئے کہ شیخ کامل کے لئے جو شرائط حضرت استاد مکرمؒ نے بیان فرمائی ہیں وہ کوئی نئی ہیں ' ہاں یہ خیال پیدا ہو سکتا ہے کہ صوفیائے کرام جن حضرات کو خلیفہ مجاز بنادیتے ہیں ان سب میں تو یہ شرائط نہیں پائی جاتی ہیں ' پھر ایسا کیوں کیا جاتا ہے ؟ تو اس کی حقیقت یہ ہے - یہ اہل اللہ صوفیاء کرام بعض اوقات صرف علماء ظاہر کو بھی خلیفہ مجاز بنادیتے ہیں - وہ بیعت شریعت وبیعت وسیلت کے لئے ہوتا ہے - بیعت طریقت کے اعتبار سے وہ واقعی ناقص ہوتے ہیں ' اگر کوئی ایسا خلیفہ مجاز سادگی سے اپنے نام کے ساتھ شیخ طریقت لکھنا شروع کر دے تو اس سے حقیقت نہیں بدلتی - ' ( مرتب )

۲۵- • • • •

۲۶ إنما یخشی اللہ من عبادہ العلماء - قال الشیخ شہاب الدین فی ہذہ الایہ تعریضا الی انہ من لاخشیہ لہ فہو لیس بعالم -

## حواشی

| ۱۰۲ | ۲۷ | ولاتطع من اغفلنا قلبہ عن ذکرنا |
|---|---|---|
| | | واتبع ھواہ — اس شخص کا اتباع نہ کر، جس کا دل ذکر الٰہی سے غافل ہو اور خواہشات نفس کا تابع ہو — |
| ۱۰۷ | ۲۸ | باب :۳۰ — : درمختار ۱۰۵:۱ |
| ۱۱۳ | ۲۹ | فتح الباری ۳۰۱:۱ |
| // | ۳۰ | روض الانف ۳۴۳:۱ |
| ۱۱۵ | ۳۱ | فتح الباری ۱۰۷:۱ |
| // | ۳۲ | فتح الباری ۳۰۸:۶ |
| // | ۳۳ | ن کثیر ۳۶۸:۳ |
| // | ۳۴ | ابن کثیر ۴۳:۳ |
| ۱۱۷ | ۳۵ | یسبحون اللیل والنہار لایفترون (الانبیاء) |
| ۱۱۸ | ۳۶ | بخدا ہی کو فقط حاصل ہے حق دلبری اکبر<br>دیا دل جس نے دنیا کو حقیقت ہیں وہ مشرک ہے |
| // | ۳۷ | تفسیر مظہری — ۱۰:۳ |
| ۱۲۹ | ۳۸ | فتاوی الحدیثیہ — |
| ۱۳۸ | ۳۹ | فتاوی الحدیثیہ ۲۷۷:۲ |
| ۱۳۹ | ۴۰ | اللآلی المصنوعہ ۳۲۲:۳ |
| ۱۴۳ | ۴۱ | الخبر الدال ... سیوطی :۱۵ |
| // | ۴۲ | ایضا:۲۳ |

## حواشی

| ۱۳۲ | ۴۳ | ایضا : ۱۳ |
|---|---|---|
| ۱۳۵ | ۴۴ | معارف لدنیہ، از امام ربانی : ۴۴ |
| // | ۴۵ | تفسیر مظہری ۷۲:۱۵ |
| ۱۳۶ | ۴۶ | الخبر الدال : ۲۳ |
| // | ۴۷ | مکتوبات — ۲:۲ |
| ۱۳۷ | ۴۸ | مشکوٰۃ کتاب العلم |
| ۱۵۰ | ۴۹ | الترغیب ۵۴۷:۲ |
| ۱۵۱ | ۵۰ | الترغیب ۵۳۸:۲ |
| ۱۵۲ | ۵۱ | تحفۃ الذاکرین : ۳۱ |
| ۱۵۳ | ۵۲ | الترغیب ۵۵۹:۲ |
| ۱۵۴ | ۵۳ | فتح الباری ۲۳:۳ |
| // | ۵۴ | فتح الباری ۲۷:۳ |
| ۱۵۵ | ۵۵ | فتح الباری ۲۳:۳ |
| ۱۵۸ | ۵۶ | الترغیب ۱۹:۳ |
| ۱۵۹ | ۵۷ | الترغیب ۱۹:۳ |
| // | ۵۸ | الترغیب ۲۰:۳ |
| ۱۶۰ | ۵۹ | الترغیب ۲۰:۳ |
| // | ۶۰ | الترغیب ۲۰:۳ |
| ۱۶۱ | ۶۱ | الترغیب ۲۲:۳ |
| // | ۶۲ | الترغیب ۱۲۸:۳ |
| ۱۶۲ | ۶۳ | فتح الباری مع بخاری ۲۷۲:۱۱ |



## حواشی

| ۱۶۳ | ۶۴ | فتح الباری مع بخاری ۲۷۳:۱۱ |
|---|---|---|
| ۱۶۴ | ۶۵ | تفسیر کبیر — |
| ۱۶۶ | ۶۶ | فتح الباری ۲۷۳:۱۱ |
| ۱۶۷ | ۶۷ | تفسیر کبیر ۲۷۵:۵ |
| ۱۶۹ | ۶۸ | تفسیر مظہری ۲۲:۱۲ |
| ۱۷۰ | ۶۹ | فتاوی الحدیثیہ ۲۸۵:۲ |
| ۱۷۱ | ۷۰ | الترغیب ۴۴۴:۳ |
| ۱۷۵ | ۷۱ | روح المعانی — |
| ۱۷۷ | ۷۲ | الترغیب ۵۴:۳ |
| ۱۷۹ | ۷۳ | ابن کثیر ۴۹۵:۳ |
| ۱۸۱ | ۷۴ | تفسیر مظہری ۴۱۰:۳ |
| // | ۷۵ | تفسیر مظہری ۴۱:۳ |
| ۱۸۲ | ۷۶ | ایضا |
| // | ۷۷ | حاشیہ تفسیر کبیر ۵۰۴:۳ |
| ۱۸۳ | ۷۸ | حاشیہ تفسیر کبیر ۵۰۴:۳ |
| ۱۸۴ | ۷۹ | الترغیب ۱۹۰:۳ |
| // | ۸۰ | الترغیب ۵۴۷:۲ |
| ۱۹۲ | ۸۱ | بخاری ۹۴۸:۲ |

## حواشی

| ۱۹۳ | ۸۲ | مشکوٰۃ ۲۲۷: |
|---|---|---|
| ۱۹۴ | ۸۳ | فتاوی الحدیثیہ ۲۵:۱ |
| ۲۰۰ | ۸۴ | کتاب الاذکار نووی ۱۹: |
| ۲۰۱ | ۸۵ | کتاب الاذکار ۲۰ |
| ۲۰۶ | ۸۶ | تفسیر تبصیر الرحمن |
| ۲۰۷ | ۸۷ | بہجۃ النفوس |
| ۲۰۸ | ۸۸ | مشکوٰۃ ۱۹۲: |
| ۲۱۵ | ۸۹ | عبقات ۸: |
| ۲۱۷ | ۹۰ | تفسیر کبیر ۳۱۹:۶ |
| ۲۲۲ | ۹۱ | کتاب الروح ۲۹: |
| ۲۲۳ | ۹۲ | تفسیر کبیر جلد ۱ ۱۳۲: |
| // | ۹۳ | المرشد الامین فاحیاء العلوم جلد ۳ |
| ۲۲۴ | ۹۴ | الفتح الربانی وعظ : ۱۸ — ذیقعد سنہ ۵۴۵ھ |
| // | ۹۵ | مکتوبات شیخ الاسلام جلد ۳ : مکتوب ۲۳ |
| // | ۹۶ | المنقذ من الضلال صفحہ |
| ۲۳۵ | ۹۷ | فتح الباری ۳۱۵:۱۳ |
| // | ۹۸ | فتح الباری ۳۱۵:۱۳ |
| // | ۹۹ | فتح الباری ۳۱۵:۱۳ |

| | | |
|---|---|---|
| ۲۳۷ | ۱۰۰ | ابن کثیر ۴: ۲۸۶ |
| ۲۴۰ | ۱۰۱ | کتاب الروح ۳۱۹ |
| ۲۴۱ | ۱۰۲ | الفوز الکبیر: ۴۷ |
| ۲۴۲ | ۱۰۳ | المنقذ من الضلال: ۵۰ |
| // | ۱۰۴ | الیواقیت والجواہر ۱: ۳۳۳ |
| ۲۴۳ | ۱۰۵ | ایضا |
| // | ۱۰۶ | الحاوی للفتاوی ۲: ۲۵۰ |
| ۲۴۴ | ۱۰۷ | الحاوی للفتاوی ۲: ۲۴۸ |
| ۲۴۵ | ۱۰۸ | فتح الباری مع بخاری ۲: ۲۱۰ |
| // | ۱۰۹ | الحاوی للفتاوی ۲: ۲۳۵ |
| ۲۴۶ | ۱۱۰ | الحاوی للفتاوی ۲: ۲۳۳ |
| // | ۱۱۱ | ایضا ۲: ۲۴۴ |
| ۲۴۷ | ۱۱۲ | الحاوی للفتاوی ۲: ۲۴۲ |
| // | ۱۱۳ | اشعۃ اللمعات ۳: ۲۴۹ |
| ۲۴۸ | ۱۱۴ | فتاوی الحدیثیہ ۲: ۲۵۵ |
| ۲۴۹ | ۱۱۵ | فتاوی الحدیثیہ ۲: ۲۵۶ |
| // | ۱۱۶ | تفسیر ابن کثیر ۵: ۲۶۸ |
| ۲۷۰ | ۱۱۷ | ایضا |

| | | |
|---|---|---|
| ۲۷۱ | ۱۱۸ | فتح الباری ۲: ۲۹۲ |
| ۲۷۲ | ۱۱۹ | روح المعانی |
| ۲۷۳ | ۱۲۰ | فتح الباری ۲۴۷ |
| ۲۷۴ | ۱۲۱ | اشعۃ اللمعات ۳: ۷۳۰ |
| ۲۷۵ | ۱۲۲ | فتح الباری ۱: ۷ |
| ۲۸۱ | ۱۲۳ | فتاوی الحدیثیہ ۲: ۲۵۶ |
| // | ۱۲۴ | اشعۃ اللمعات ۳: ۲۴ |
| ۲۸۲ | ۱۲۵ | الانتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ: ۷ |
| ۲۹۲ | ۱۲۶ | اللمعات شرح مشکوۃ ۳: ۵۳۸ |
| // | ۱۲۷ | تفسیر جمل ۲: ۲۳۵ |
| // | ۱۲۸ | تفسیر ابن کثیر ۲: ۳۸۲ |
| ۲۹۳ | ۱۲۹ | تفسیر ابن کثیر ۳: ۲۶۹ |
| ۲۹۵ | ۱۳۰ | احیاء علوم الدین ۱۵: |
| // | ۱۳۱ | کشف استار حاشیہ درمختار – باب السمین وفی الضرب والقتل |
| ۲۹۷ | ۱۳۲ | کتاب الروح: ۷۳ |
| ۲۹۸ | ۱۳۳ | شرح الصدور فی احوال الموتی والقبور ۲۰ |
| // | ۱۳۴ | ایضا ۹۷ |
| // | ۱۳۵ | ایضا ۲۰ |



| | | |
|---|---|---|
| ۳۹۹ | ۱۳۶ | فتح الباری معہ بخاری ۲۰ |
| ۴۰۰ | ۱۳۷ | تفسیر مظہری ۸: ۷۷ |
| // | ۱۳۸ | تفسیر مظہری ۱۰: ۷۷ |
| // | ۱۳۹ | حاشیہ خیالی ۱۱۸: |
| ۴۰۱ | ۱۴۰ | شرح مواقف ۷۱۵ |
| // | ۱۴۱ | تفسیر ابن کثیر ۳: ۳۳۹ |
| ۴۰۲ | ۱۴۲ | شرح وقایہ حاشیہ مولانا عبدالحیؒ ۲۵۳ |
| ۴۰۷ | ۱۴۳ | مشکوۃ باب حکم الاسراء ۳۴۵ |
| ۴۰۸ | ۱۴۴ | الترغیب ۳: – ۱۹۶ |
| // | ۱۴۵ | الترغیب ۱: ۱۹۷ |
| ۴۰۹ | ۱۴۶ | تفسیر ابن کثیر ۳: ۳۴۷ اور کتاب الروح ۵: |
| ۴۱۰ | ۱۴۷ | تفسیر ابن کثیر ۳: ۲۸۳ |
| // | ۱۴۸ | تفسیر ابن کثیر ۳: ۳۳۹ |
| ۴۱۱ | ۱۴۹ | شرح وقایہ ۲۵۳ |
| ۴۱۲ | ۱۵۰ | تفسیر ابن کثیر ۳: ۱۸ |
| // | ۱۵۱ | تفسیر ابن کثیر ۳: ۱۶ |
| ۴۱۳ | ۱۵۲ | مشکوۃ باب المعراج ۵۶۸: |
| // | ۱۵۳ | مشکوۃ ۲۰۲ |

| | | |
|---|---|---|
| ۴۱۵ | ۱۵۴ | مشکوۃ ۵۳۵ |
| ۴۱۶ | ۱۵۵ | اقتضائے صراط مستقیم |
| ۴۱۷ | ۱۵۶ | فتح الباری بخاری ۲: ۳۳۸ |
| ۴۱۹ | ۱۵۷ | فتاوی الحدیثیہ ۲۰۶ |
| ۴۲۰ | ۱۵۸ | مشکوۃ ۲۱۰ |
| ۴۲۲ | ۱۵۹ | تفسیر کبیر ۳۶۵ |
| ۴۲۳ | ۱۶۰ | تفسیر ابن کثیر ۲: ۲۷۹ اور الزواجر عن الکبائر ۱: ۱۹ |
| // | ۱۶۱ | مشکوۃ ۱۸۷ – کتاب فضائل القران |
| ۴۲۴ | ۱۶۲ | ابن کثیر ۳: ۳۱ |
| ۴۲۷ | ۱۶۳ | فتح الباری ۳: ۳۹ |
| // | ۱۶۴ | اخبران ابصار القلب وجلائہ یحصل بالذکر وانہ یتمکن من الذکر بالتقوی – فالتقوی باب الذکر فالذکرباب الکشف والکشف مفتاح الفوزالکبیر ( احیاء غزالی |
| ۴۲۸ | ۱۶۵ | فتح الباری ۱: ۳۵ |
| ۴۳۱ | ۱۶۶ | تحفۃ الذاکرین ۱: ۳۱ |
| ۴۳۲ | ۱۶۷ | صواعق محرقہ – علامہ ابن حجر |
| ۴۳۳ | ۱۶۸ | الانتباہ فی سلاسل اولیاء الل ۳۱۰ |
| ۴۳۴ | ۱۶۹ | تہذیب التہذیب ترجمہ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ |
| ۴۳۸ | ۱۷۰ | الحاوی للفتاوی ۲: ۱۹۱ |
| ۴۳۹ | ۱۷۱ | تحفۃ الذاکرین ۵۵ |

# کتابیات

| نام کتاب | نام مصنف |
|---|---|
| **ا** | |
| الحادی للفتاوی | علامہ جلال الدین سیوطیؒ ۹۱۱ھ |
| المسامرہ فی شرح المسایرہ | کمال الدین محمد ابن ابی الشریفؒ ۹۰۵ھ |
| الشفاء فی حقوق المصطفیٰ | قاضی عیاضؒ ۵۴۴ھ |
| الاقتصاد فی الاعتقاد | حجۃ الاسلام امام محمد الغزالیؒ ۵۰۵ھ |
| الخبر الدال علی وجود القطب والاوتاد والنجباء والابدال | علامہ جلال الدین سیوطیؒ ۹۱۱ھ |
| الالی المصنوعہ | 〃 〃 〃 |
| شرح الصدور فی احوال الموتی والقبور | 〃 〃 〃 |
| احیاء علوم الدین | حجۃ الاسلام امام محمد الغزالیؒ ۵۰۵ھ |
| الانتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ | حضرت شاہ ولی اللہؒ |
| اقتضاء صراط مستقیم | علامہ ابن تیمیہؒ ۷۲۸ھ |
| الفوز الکبیر | شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ ۱۱۷۶ھ |
| الترغیب والترہیب | علامہ عبدالعظیم منذریؒ |
| المنقذ من الضلال | امام غزالیؒ |
| اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ | شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ ۱۰۵۲ھ |
| الرفع والتکمیل | علامہ سیوطیؒ |

| نام کتاب | نام مصنف |
|---|---|
| الروح وماجیہا | سید محمد حریری بیومیؒ |
| الجامع الصحیح البخاری | ابوعبداللہ محمد بن اسماعیلؒ بخاری ۲۵۶ھ |
| الاربعین فی اصول دین | امام فخر الدین رازیؒ ۶۰۶ھ |
| الزواجر عن الکبائر | علامہ احمد بن حجر الہیثمیؒ |
| الیواقیت والجواہر | امام عبدالوہاب شعرانیؒ ۹۷۳ھ |
| الکشف عن مہمات التصوف | مولانا اشرف علی تھانویؒ ۱۳۶۲ھ |
| الروض الباسم | علامہ وزیرؒ |
| الطالع السعید | علامہ الکمالؒ |
| المنح الالٰہیہ | ابن فارسؒ |
| **ب** | |
| بہجۃ النفوس شرح بخاری | عبداللہ بن ابی جمرہؒ ۶۹۷ھ |
| بلغۃ الحیران | مولانا حسین علیؒ |
| **ت** | |
| تفسیر کبیر (مفاتیح الغیب) | امام فخر الدین رازیؒ ۶۰۶ھ |
| تفسیر ابن کثیر | حافظ عماد الدین ابوالفداءؒ اسمٰعیل ابن کثیرؒ ۷۷۴ھ |
| تفسیر مدارک التنزیل | حافظ الدین محمود ابوالبرکات النسفیؒ ۶۸۶ھ |



| نام کتاب | نام مصنف |
|---|---|
| تفسیر جمل | حافظ الدین محمود ابوالبرکات النسفیؒ ۶۸۶ھ |
| تفسیر تبصیر الرحمٰن | علامہ مہیمیؒ |
| تفسیر روح المعانی | علامہ شہاب الدین محمود آلوسیؒ ۱۲۹۱ھ |
| تفسیر مظہری | قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ ۱۲۲۵ھ |
| تاسیس التقدیس | امام فخر الدین رازیؒ ۶۰۶ھ |
| تہذیب التہذیب | حافظ ابن حجر عسقلانیؒ ۸۵۲ھ |
| تہذیب الکمال | حافظ جمال الدین مزیؒ ۷۴۲ھ |
| تحفہ اثنا عشریہ | شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ ۱۲۳۹ھ |
| تعلیم المتعلمین | امام غزالیؒ |
| تحفۃ الذاکرین | علامہ شوکانیؒ ۱۲۵۰ھ |
| تنبیہات الٰہیہ | شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ ۱۱۷۶ھ |
| **خ** | |
| خیالی | . . . . . |
| **د** | |
| درمختار | . . . . . |
| **ر** | |
| روض الانف شرح | علامہ ابوالقاسم سہیلیؒ |

| نام کتاب | نام مصنف |
|---|---|
| سیرۃ ابن ہشام | ۵۸۱ھ |
| **س** | |
| سنن ابن ماجہ | ابوعبداللہ محمد بن یوسف ابن ماجہ قزوینیؒ ۲۷۳ھ |
| **ش** | |
| شامی | . . . . . . . |
| شرح مواقف | سید شریف علی بن محمد جرجانیؒ ۸۱۶ھ |
| شرح وقایہ | . . . . . . |
| **ط** | |
| طبقات الکبریٰ (ترجمہ اردو) | امام عبدالوہاب شعرانیؒ |
| **ع** | |
| عبقات | شاہ اسمٰعیل شہیدؒ ۱۲۴۶ھ |
| **ف** | |
| فتح الباری شرح بخاری | حافظ ابن حجر عسقلانیؒ ۸۵۲ھ |
| فتاویٰ الحدیثیہ | علامہ احمد بن حجر الہیثمی مکیؒ ۹۷۵ھ |

| نام کتاب | نام مصنف | | |
|---|---|---|---|
| ک | | | |
| کتاب الاذکار | محی الدین ابوزکریا نوزیؒ ۶۷۶ھ | | |
| کتاب الروح | حافظ ابن قیمؒ ۷۵۱ھ | | |
| م | | | |
| معارف لدنیہ | امام ربانی مجدد الف ثانیؒ ۱۰۳۴ھ | | |
| مکتوبات | " " " " " | | |
| معجم | شیخ برہان الدین بقاعیؒ | | |
| موطا | امام مالکؒ ۱۷۹ھ | | |
| مشکوٰۃ المصابیح | ولی الدین محمد بن عبداللہ لقب الخطیب عمری تبریزی ۷۳۷ھ تالیف ختم کی | | |
| ن | | | |
| نقش حیات | مولانا مدنیؒ | | |
| نسیم الریاض | امام محمد غزالیؒ | | |



# آراء دلائل السلوک

۱ دلائل السلوک کے بعض مواضع کو دیکھا - مولف کتاب مسلک اکابر دیوبند سے منسلک معلوم ہوتے ہیں مندرجات کتاب باحوالہ دیئے گئے ہیں - تصوف میں بھی دیگر علوم دینیہ کی طرح اس دور میں الحادی فضا کی وجہ سے افراط وتفریط کا ارتکاب کیا جا رہا ہے - افراط میں توحید باری کے مسئلہ پر زد پڑتی ہے اور تفریط میں تصوف کو بدعت قرار دیا گیا - حضرت حکیم الامت مولانا تھانوی رحمتہ اللہ علیہ نے التکشف عن مہمات التصوف اور مسائل السلوک علی ہامش بیان القرآن میں مہمات التصوف کو قرآن وحدیث سے ثابت کیا ہے جس کو نجدی علماء نے دیکھ کر اقرار کیا ہے کہ اگر تصوف کی حقیقت یہ ہے تو ہم اسکا انکار نہیں کرتے یہ تو کتاب وسنت کی عملی شکل ہے - مجھے دلائل السلوک میں تصوف کے متعلق اسی راہ اعتدال کی بو محسوس ہوتی ہے-

( حضرت علامہ مولانا شمس الحق افغانی سابق شیخ التفسیر دارالعلوم دیوبند )

۲ میں نے کتاب دلائل السلوک ' از افادات حضرت مولانا اللہ یار خان صاحب مرتبہ

حافظ عبدالرزاق صاحب کا مطالعہ کیا - کتاب میں
نہایت عمدہ مضامین ہیں بہت سے مفید مسائل کا
حل کیا گیا ہے - اللہ تعالیٰ حضرت مولانا ممدوح اور
جناب حافظ صاحب موصوف کو جزاخیر عطا فرمادیں
اور اللہ تعالیٰ اس کتاب کے فیوض وبرکات سے
خاص وعام امت مسلمہ کو مستفید فرمائیں -
( محمد یوسف شاہ میرواعظ کشمیر )

۳ دلائل السلوک کے مطالعہ سے آج میں فارغ
ہوا ہوں اور میرے تاثرات یہ ہیں -
اول : تصوف پر بحث فاضلانہ ہے - مصنف
نے تزکیہ روح وقلب پر زور زیادہ دیا ہے اور زہد
خشک کو نظر انداز کر دیا ہے - انداز اقرب الی
القرآن ہے -
دوئم : مجھے مصنف سے اس بات پر اتفاق ہے کہ
تصوف کے بغیر انسان یوں لگتا ہے جیسے شاخ بے نم
اور گل بے رنگ - یہ انسانیت کا نچوڑ اور شریعت
کا ماحصل ہے -
سوئم : تصوف پر اہل علم کی آراء محنت سے جمع کی
گئی ہیں اور ماخذ کا پورا اہتمام کیا ہے -
چہارم : کتاب میں روح پر بحث اتنی مفصل ہے کہ
اگر روح کی حقیقت کو پالینا ممکن ہوتا تو شاید مصنف



کامیاب ہو جاتے -
پنجم : کتاب کے بیشتر مباحث فکر جدید کے زیادہ
قریب ہیں - باوجودیکہ مسائل زیر بحث کا تعلق غیر
مرئی دنیا سے تھا - تاہم مصنف نے انہیں قابل فہم
بنانے کی کوشش کی ہے -
ششم : کتاب کی زبان ادیبانہ ہے -
( ڈاکٹر غلام جیلانی برق - ایم - اے - پی - ایچ -
ڈی )

۴ دلائل السلوک فن تصوف میں نہایت
عمدہ اور بہت ہی بہتر ہے - اللہ تعالیٰ نے حضرت شیخ
طریقت کو خداداد قابلیت کے ساتھ اس موضوع پر
لکھنے کی خاص توفیق مرحمت فرمائی ہے - اس کتاب
کے پڑھنے سے تصوف کی حقیقت اور اس کے نتائج
حسنہ سے کامل بصیرت حاصل ہوتی ہے - اللہ
تعالےٰ مسلمانوں کو زیادہ سے زیادہ اس کتاب کے
پڑھنے کی توفیق مرحمت فرمائے اور نتائج حسنہ سے
فیض یاب کرے -
( حضرت مولانا مفتی بشیر احمد پسروری رحمتہ اللہ علیہ
خلیفہ اعظم حضرت مولانا احمد علی صاحب لاہوری
رحمتہ اللہ علیہ )
میں نے مولانا اللہ یار خان کے مولفات دلائل

السلوک ، اسرار الحرمین ، علم وعرفان کے اکثر مواضع کو دیکھا ان کے مضامین کو اکابر دیوبند کے مسلک کے موافق پایا - قرآن وحدیث سے متصادم نہ پایا -

( مولانا محمد فرید صاحب مفتی دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک )